DATA ENTERED

قصص القرآن

جلد سوم

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE
165
PANJAB UNIVERSITY, LAHORE.

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی

Marfat.com

سلسلہ ندوۃ المصنفین (۲۲)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ
بے شبہ یہ بیان حق ہے

قصص القرآن

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE
170
PANJAB UNIVERSITY, LAHORE.

حصۂ سوم

جس میں انبیاء علیہم السلام کے سوانح حیات کے علاوہ باقی قصصِ قرآنی، اصحاب الجنۃ، اصحاب القریہ، حضرت لقمان رضی اللہ عنہ، اصحاب سبت، اصحاب الرس، بیت المقدس اور یہود، ذوالقرنین، سدِ سکندری، اصحاب الکہف والرقیم، سبا اور سیل عرم، اصحاب الاخدود اور اصحاب الفیل وغیرہ کی مکمل اور محققانہ تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی
رفیق ندوۃ المصنفین

مینیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی

Marfat.com

76473

حقوق طبع محفوظ ہیں

طبع چہارم

ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ جون ۱۹۵۷ء

قیمت پانچ
مجلد چھ

چھ روپے آٹھ آنے

مطبوعہ
اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی

Mubarak Ali

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اصحاب الجنہ	۱۱	رحمان	۳۱	تعیین مقام	۵۷
…ۂ القلم اور اصحاب الجنہ	//	موعظت	۳۲	زمانۂ حادثہ	۵۸
…ہ سے متعلق اقوال	۱۲	حضرت لقمان رضی اللہ عنہ	۳۴	چند تفسیری حقائق	۵۹
…شریح	۱۳	لقمان	//	حقیقت مسخ	۶۱
…ظت	۱۴	قرآن عزیز اور حضرت لقمان رضؓ	۳۷	حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ	
…ن وکافر	۱۶	نبوت یا حکمت	۴۰	کا مکالمہ	۶۹
…ہ کہف اور مومن وکافر		چند تفسیری مطالب	۴۱	مسخ شدہ اقوام کا انجام دنیوی	۷۰
…قعہ	//	حسن خلق	۴۳	بصائر	۷۱
…ہ کی تشریح	۱۸	تواضع	۴۴	اصحاب الرس	۷۶
…ائر	۲۱	کبر وغرور	//	رس	//
اصحاب القریہ		حکمت لقمان	۴۶	قرآن عزیز اور اصحاب الرس	//
یا اصحاب یٰسین	۲۴	مواعظ	۴۷	اصحاب الرس؛ قول فیصل	۷۷ ۸۲
…اب قریہ اور قرآن عزیز	//	اصحاب سبت	۴۹	موعظت	۸۳
…قصہ	//	قرآن عزیز واصحاب سبت	//	بیت المقدس اور یہود	۸۴
…قصہ سے متعلق اقوال	۲۸	سبت اور اس کی حرمت	//	تمہید	//
…د وتبصرہ	۲۹	واقعہ کی تفصیلات	۵۲	ہیبت المقدس	۸۶

Marfat.com

شرارت یہود کا پہلا دور	۹۵	جوزیفس	۱۳۱	ذوالقرنین اور قرآنِ عزیز	۱۸۰
غلامی سے نجات	۱۰۰	یروشلم اور سکندر	۱۳۲	یاجوج وماجوج	۱۹۰
شرارتِ یہود کا دوسرا دور	۱۰۹	خدا کا مسیح ؟	۱۳۳	سد	۲۰۶
حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل	۱۱۰	سکندر مشرک تھا	۱۳۸	یاجوج وماجوج کا خروج	۲۲۰
پاداشِ عمل	۱۱۱	سکندر کا ظلم وجبر	۱۴۰	کیا ذوالقرنین نبی تھے ؟	۲۴۴
تیسرا زریں موقع اور یہود		علماء سلف کی رائے	۱۴۱	بصائر	۲۴۷
کی روگردانی	۱۱۲	سکندر کا مغرب کی طرف		اصحاب الکہف والرقیم	۲۵۰
ابدی ذلت اور خسران	۱۱۴	اقدام	۱۴۲	قرآن عزیز اور اصحاب الکہف والرقیم	//
بصائر	۱۱۵	متاخرین کی رائے	۱۵۵	کہف ورقیم ۲۵۴-واقعہ	۲۶۱
ذوالقرنین	۱۱۷	یہود و قریش اور انتخاب		واقعہ کی تاریخی حیثیت	۲۶۴
تمہید	//	سوالات	۱۵۶	تفسیری حقائق	۲۶۶
زیر بحث مسائل اور علماء		ذوالقرنین اور انبیاء بنی اسرائیل		نتائج وعبر	۲۸۱
اسلام	//	کی پیش گوئیاں	۱۵۹	سبا اور سیلِ عرم	۲۸۶
ذوالقرنین ؟	۱۲۲	خورس اور تاریخی شواہد	۱۶۵	تمہید	//
ذوالقرنین سے متعلق سوال		مغربی مہم	۱۶۶	سبا ؟	۲۸۷
کی نوعیت	//	مشرقی مہم	۱۶۸	نام یا لقب	۲۹۵
ذوالقرنین اور سکندر مقدونی	۱۲۴	تیسری (شمالی) مہم	//	زمانۂ حکومت	۲۹۶
استدراک	۱۲۶	فتح بابل	۱۶۹	سبا اور طبقاتِ حکومت	۲۹۷
کیا ذوالقرنین سکندر مقدونی ہے	//	خورس کا مذہب	۱۷۱	مکاربِ سبا اور ملوکِ سبا	۳۰۱
ذوالقرنین اورا ذوارئین	//	ایران قدیم کا مذہب	۱۷۶	وسعتِ حکومت	//
مسلم	۱۲۸	ایران اور مذہب زردشت	//	طرزِ حکومت	۳۰۲

Marfat.com

سبا کی عمارات	۳۰۳	**یا قوم تبع**	۳۴۱	حکومت	۳۶۰
سبا کا تمدن	//	اخدود ؟	//	نجاشی	//
سدِ مآرب	۳۰۵	اصحاب اخدود اور قرآن حکیم	//	مذہب و تمدن	۳۶۱
جنتان عن یمین و شمال	۳۰۸	واقعہ کی تفصیلات	۳۴۳	حبش و یمن کی کشمکش	//
اہل سبا اور خدا کی نافرمانی	۳۱۰	انتقاد	۳۴۴	ابرہۃ الاشرم	۳۶۲
سیلِ عرم	۳۱۱	تبع	۳۴۸	القلیس	۳۶۳
پہلی سزا	//	عرب کی دو حکایتیں	۳۴۹	اصحاب الفیل	//
دوسری سزا	۳۱۶	چند تفسیری نکات	۳۵۱	قرآن اور اصحاب الفیل	۳۶۹
چند تاریخی مباحث	۳۲۲	بصائر و عبر	۳۵۷	سورۂ فیل اور بعض دیگر	
چند تفسیری مباحث	۳۲۵	**اصحاب الفیل**	۳۵۹	تفسیریں	۳۷۴
نتائج و عبر	۳۲۹			چند تشریحی مطالب	۴۰۰
اصحاب الاخدود		حبش	//	بصائر و عبر	۴۰۱

طبع سوم

یقین تھا کہ تیسرا ایڈیشن مؤلف گرامی کی نظر ثانی کے بعد نکلے گا، لیکن حالات نے اس کی اجازت نہ دی، کتاب بالکل ختم ہو چکی تھی اور نظر ثانی کے انتظار میں اس کی اشاعت ملتوی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بنا بریں یہ ایڈیشن بھی پہلے دو ایڈیشنوں کے مطابق نکل رہا ہے، البتہ اس دفعہ کتابت اور تصحیح کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے جس کو ناظرین نمایاں طور پر محسوس کریں گے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی یکم ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ

Marfat.com

دیباچہ

طبع دوم

جلد سوم کا پہلا ایڈیشن جس وقت نکلا تو کتاب کی جلد اول اور جلد دوم تقریباً ختم ہوگئی تھیں، ب

جد وجہد کے بعد ۱۹۴۵ء میں یہ دونوں جلدیں تیار ہوئیں، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ جلد سوم نایید

اس جلد کی کتابت آخری مرحلوں سے گزر رہی تھی کہ ملک میں ایک ہولناک اور خونخوار انقلاب رونما

دہلی میں قیامت برپا ہوئی اور "ندوۃ المصنفین" تباہ ہوگیا، ادارے کی دیگر مطبوعات کے لاکھوں رو

کے ذخیرے کے ساتھ قصص القرآن کی ہزاروں جلدیں بھی برباد ہوگئیں۔ اب کہ جلد سوم کا یہ دوس

ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے حصہ اول، دوم اور چہارم برائے نام باقی رہ گئے ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہے "قصص القرآن" کا شمار "ندوۃ المصنفین" کی مقبولِ عام اور مفید ترین کت

میں ہے اور اس لئے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اس عظیم الشان کتاب کے تمام حصے ہر وقت مو

رہیں اور اربابِ ذوق کو زحمتِ انتظار اٹھانی نہ پڑے، لیکن تجری الرّیاحُ بما لا تشتہی السّفن

گرامی قدر مؤلف دہلی کی مقامی انجمنوں اور دیگر اہم تر سیاسی مشاغل میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں

ارادے کے باوجود اب تک تصنیف و تالیف کے لئے وقت نہیں نکال سکے چنانچہ یہ ایڈیشن نظر ثانی

بغیر بعینہ پہلی ہی ترتیب پر نکل رہا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلا ایڈیشن ۲۰ × ۲۶ - ۲۱ سطر پر تھا

یہ ۲۰ × ۲۶ - ۱۹ سطر پر ہے۔ اس طرح کتابت نسبتاً کھل گئی ہے اور حجم بھی بڑھ گیا ہے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

۱۸ ذیقعدہ سنہ ۶۷ھ مطابق ۲۴ ستمبر سنہ ۴۸ء ناظم ندوۃ المصنفین - دہلی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ العلی الاکبر والصلوٰۃ والسلام علی محمد المبعوث الی الاسود والاحمر وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ھم ھداۃ الدین الازھر

قصص القرآن کی تالیف کے وقت یہ خیال تھا کہ اس موضوع سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چند سو صفحات کا ایک جزء کافی ہوگا لیکن اس وادی میں قدم رکھنے کے بعد میدان کی وسعت نے اس خیال میں انقلاب پیدا کر دیا اور رہوارِ قلم جس قدر آگے بڑھتا گیا میدانِ موضوع وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، تاہم تیسرے جزء پر اس موضوع کو مکمل کر دینے کا حتمی ارادہ تھا مگر سعی بلیغ کے باوجود ناکام رہا اور اس تیسری جلد پر بھی حدِ تکمیل کو نہ پہونچ سکا اور چوتھی جلد کے اضافہ پر مجبور ہونا پڑا جو عنقریب ان شاء اللہ ہدیۂ ناظرین ہوگی۔

قصص القرآن کا یہ تیسرا حصہ ہدیۂ ناظرین ہے، پہلے اور دوسرے حصہ کی افادیت اور قدیم وجدید علمی طبقوں میں ان کی مقبولیت خدائے برتر کا وہ فضل وکرم ہے جس کے اظہارِ شکر کے لئے میرے قلب وزبان دونوں قاصر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قصص القرآن کی اس جدید ترتیب وتدوین کے ساتھ اہلِ علم کا شغف مصنف کی محنت وکاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ قرآنِ عزیز کی برکت وعظمت کا ثمرہ ہے مسلمانوں کا کلامِ الٰہی کے ساتھ والہانہ ذوق اگر اس محنت کو مفید اور پسندیدہ سمجھتا اور اس

Marfat.com

کاوش کو بہ نظرِ استحسان دیکھتا ہے تو فالحمد للہ علیٰ ذٰلک وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

قصص القرآن کے اس تیسرے جز میں وہ تمام تاریخی واقعات سپردِ قلم ہوئے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی سیرتِ طیبہ اور ان کی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں قرآنِ عزیز نے عبرت و بصیرت اور پند و موعظت کے لئے بیان کئے ہیں۔

ان میں بعض وہ واقعات ہیں جن کے متعلق حریف اہلِ قلم خصوصاً متعصب مستشرقین یورپ "اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ" کہہ کر ان کو بے سر و پا داستان اور غیر تاریخی قصے ظاہر کرتے ہیں۔

اس لئے ان کے علی الرغم صحیح اور مستند اسلامی و غیر اسلامی تاریخی نقول کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن عزیز کے بیان کردہ یہ وقائع تاریخی حقائق ہیں اور ان کا انکار علمی حقایق کا انکار ہے۔ اس سلسلہ میں ذو القرنین، اصحاب الکہف والرقیم۔ اصحاب الرس اور اصحاب الفیل کے واقعات خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآنِ عزیز تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ ہدایتِ ثقلین کے لئے معاد و معاش کا مکمل نظام اور دین و دنیا کی رشد و ہدایت کا قانونِ کامل ہے اس لئے اس نے قوموں کے عروج و زوال اور مبدء و انجام سے متعلق اسی قدر حصہ بیان کیا ہے جو اس مقصدِ "تذکیر" و "موعظت" کے لئے مناسب تھا لیکن جب ایک تاریخِ عالم کا طالب علم ان قوموں کی تاریخ کا مکمل مطالعہ کرتا یا صفحاتِ عالم پر ان کے آثار و نشانات کو دیکھتا اور پڑھتا ہے تو اس کو بے ساختہ یہ اقرار کرنا ہوتا ہے کہ قرآن نے ان اقوام کے متعلق جو کچھ بھی کہا ہے سر تا سر حقیقت اور ان کی حیاتِ ماضی کا صحیح مرقع ہے۔

اور ان میں بعض واقعات وہ بھی ہیں جو درحقیقت ایک "مثال" کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی قرآن نے ان کو صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ موعظت و نصیحت کی جس نوع کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے والوں کی یہ "مثال" ہے اور ظاہر ہے کہ "مثال" کے لئے واقعہ کا

Marfat.com

پیش آنا ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ وہ واقعہ کی شکل میں ہی کیوں نہ پیش کی جائے اور یہ حقیقت کسی بھی زبان کے فصیح و بلیغ ادیب سے مستور نہیں ہے اور وہ جانتا ہے کہ مثال کا یہ طریقہ موعظت و نصیحت کے لیے کس درجہ مفید اور دل نشین ہوتا ہے؟ مگر بعض مفسرین نے ان واقعات کو بھی ماضی میں ہو گزرے واقعات کے سلسلہ میں منسلک کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم نے ایسے مواقع پر یہ واضح کر دینا ضروری سمجھا کہ اس واقعہ کی حقیقت ایک "مثال" سے زیادہ نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو واقعات ماضی کی ہی ایک کڑی سمجھتا ہے۔ تب بھی ان واقعات کو واقعات تسلیم کر لینے میں نہ کسی اچنبھی بات کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور نہ ایسے واقعات کا غیر تاریخی ہونا ان کے "مثال" بننے میں حارج ہو سکتا ہے۔ مثلاً "مومن و کافر" یا اصحاب الجنہ باغ والوں کا واقعہ۔ کہ قرآن کا مقصد ان کے بیان کرنے سے صرف حسبِ حال ایک "مثال" دینا ہے خواہ وہ ماضی میں گزرا واقعہ ہو یا نہ ہو۔

قصص القرآن کے دوسرے اجزاء کی طرح اس جز میں بھی واقعات کے تاریخی حقائق و مطالب کو روشنی میں لانے کے علاوہ ان سے متعلق "تفسیری و حدیثی مباحث" اور "تحقیقی مباحث" پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان سے حاصل شدہ نتائج و ثمرات کو "بصائر و عبر" اور "مواعظ و بصائر" کے مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے کا حقیقی مقصدِ قرآنی "عبرت و بصیرت" ہی ہے۔

موضوعِ کتاب سے متعلق واقعات کو اس طرح زیرِ بحث لانے سے آپ کو یہ حقیقت جگہ جگہ ابھری ہوئی نظر آئے گی کہ مستشرقینِ یورپ نے "کہ جن کی ریسرچ اور فلسفۂ تاریخ کی موشگافیوں سے ہم بہت جلد مرعوب ہو جاتے ہیں" کس طرح فلسفۂ تاریخ کے نام پر اپنے مخالف واقعات کو غیر تاریخی ظاہر کرنے اور اپنے موافق واقعات کے غیر تاریخی پہلوؤں کو کس طرح "تاریخی حیثیت" دینے کی سعی کی ہے اور پھر اس زہر ہلاہل کو کس خوبصورتی سے "تریاق" کی شکل میں پیش کیا ہے؟

ان اہم خصوصیات کے علاوہ اپنے دوسرے اجزاء و مجلدات کی طرح یہ جلد بھی حسب ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

Marfat.com

(۱) کتاب میں واقعات کی اساس وبنیاد قرآن عزیز کو بنایا گیا ہے اور صحیح احادیث و مستند تاریخی واقعات سے ان کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔

(۲) کتب عہد قدیم اور قرآن عزیز کے "یقین محکم" کے درمیان جس جگہ تعارض نظر آتا ہے تو یا روشن دلائل وبراہین کے ذریعہ دونوں کے درمیان تطبیق دے دی گئی ہے اور یا پھر قرآن عزیز کی صداقت کو واضح براہین اور مسکت دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

(۳) اسرائیلی روایات کی خرافت اور معاندین کے اعتراضات کی بطالت کو حقائق کی روشنی میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

(۴) تفسیری، حدیثی اور تاریخی مسائل اور ان سے متعلق مباحث واشکالات پر بحث ونظر کے بعد سلف صالحین کے مسلک قویم کے مطابق ان کی تحقیق اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

(۵) واقعہ کا ذکر قرآن میں کتنی جگہ ہوا ہے اس کو دوران بحث میں بیان کر دیا گیا ہے۔

مصنف کو ان خصوصیات کے متعلق کس حد تک کامیابی نصیب ہوئی اس کا فیصلہ اصحاب نظر اور اہل ذوق کی صوابدید پر ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل

خادم ملت

محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی

شعبان ۱۳۶۳ھ

ڈسٹرکٹ جیل مرادآباد

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصحاب الجنّۃ

سورۃ القلم اور اصحاب الجنّۃ۔ واقعہ سے متعلق اقوال
تشریح، موعظت

سورۃ القلم اور اصحاب الجنّۃ سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے حسب حال ایک مثال بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جس طرح باغ والوں نے خدا کی نعمت کو ٹھکرایا اور اس کا حق ادا کرنے کے لئے شکرِ نعمت نہ کیا اسی طرح مکہ کے مشرکین کا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرما کر ان پر اپنی نعمت کاملہ کا اظہار فرمایا اور ان کے ارشاد و ہدایت کے لئے ہادیِ اعظم بھیج کر عظیم الشان احسان کیا لیکن انھوں نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور انکار و مخالفت کے ساتھ اس نعمت کو رد کرنے لگے تو اب ان کا بھی وہی نتیجہ ہونے والا ہے جو باغ والوں کا ہوا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ	بے شبہ ہم نے ان (کفار مکہ) کو اسی طرح آزمایا ہے جس طرح باغ
اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَيَصۡرِمُنَّهَا مُصۡبِحِيۡنَ	والوں کو آزمایا جبکہ انھوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم صبح ہوتے
وَلَا يَسۡتَثۡنُوۡنَ ۔ فَطَافَ عَلَيۡهَا	ان (کے پھلوں) کو کاٹ لیں گے اور وہ ان شاء اللہ بھی
طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّكَ وَهُمۡ نَآئِمُوۡنَ	نہ کہتے تھے پس ابھی وہ سو ہی رہے تھے کہ (ان کے باغ پر)
فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِيۡمِ ۔ فَتَنَادَوۡا	تیرے پروردگار کی جانب سے پھرنے والا پھر گیا (یعنی عذاب
مُصۡبِحِيۡنَ ۔ اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰى	الٰہی) وہ باغ برباد ہو گیا، پس صبح کو ایسا ہو گیا کہ جیسے

Marfat.com

حَرِثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝	کاٹ کر پھینک دیا گیا ہو۔ (صبح ہوئی) تو انھوں نے ایک
فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ	دوسرے کو پکارا کہ اگر کھیتی کاٹنا چاہتے ہو تو سویرے
اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ	چلے چلو اور وہ چلتے چلتے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے
مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ	جاتے تھے (کہ جلدی کرو) ایسا نہ ہو کہ کاٹتے وقت تم کو
قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا	فقیر آگھیریں اور اپنے بخل کی وجہ سے بہت سویرے
قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ	(باغ کھیت) پر پہونچے اندازہ لگا کر کہ اس وقت تک
مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ	فقیر نہ پہنچ سکیں گے، پس جب اس کو (اس حال میں)
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ	دیکھا تو کہنے لگے: یقیناً ہم راہ بھول گئے ہیں (یہ وہ
قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا	مقام نہیں ہے، مگر جب غور سے دیکھا تو کہنے لگے)
كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ	بلکہ ہم (باغ کے نفع سے) محروم رہ گئے۔ ان میں سے
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ	ایک بھلے آدمی نے کہا: کیا میں نے تم سے پہلے ہی نہیں
يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ	کہا تھا کہ (اس نعمت الٰہی پر) کیوں خدا کی پاکی بیان نہیں کرتے
اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى	(اب انجام بد کے بعد) کہنے لگے ہمارے پروردگار کیلئے پاکی ہے بیشک
رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ	ہم نے خود ہی اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت
اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ	کرنے لگے (یہ کہ تو نے ہی ہم کو پہلے سے کیوں سمجھایا) اور کہنے لگے
الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ	ہائے بدقسمتی بلاشبہ ہم سرکش تھے جلد توقع ہے کہ ہمارا پروردگار
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	ہم کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے۔ بے شبہ (اب) ہم اپنے پروردگار
(القلم)	ہی کی جانب متوجہ ہیں (اے کہ دو) خدا کا عذاب اسی طرح (لاچار) ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش یہ سمجھتے

واقعہ سے متعلق اقوال | حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ یہ کفار مکہ کے حالات کے مناسب قرآن نے ایک مثال دی ہے کوئی واقعہ نہیں ہے[1] اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہے جو یمن کی ایک بستی ضروان میں پیش آیا جو کہ صنعاء سے چھ میل پر واقع تھی[2] چنانچہ مفسرین

[1] تفسیر ابن کثیر سورۃ القلم [2] ایضاً

Marfat.com

نے اس واقعہ کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے۔

اہلِ کتاب میں سے ایک شخص بہت مالدار، صاحب زمین واملاک اور مرد نیک تھا، اپنی پیداوار میں سے فقراء ومساکین پر کافی خرچ کرتا رہتا تھا، اس کا جب انتقال ہوگیا تو اس نے چند لڑکے وارث چھوڑے، جب پھلوں اور کھیتوں کے کاٹنے کا وقت آیا تو ان لڑکوں نے آپس میں کہا "ہمارا باپ تو بہت ہی بے وقوف تھا کہ اپنی یہ کثیر دولت فقراء ومساکین میں لٹا دیتا تھا ہم ایسے پاگل نہیں ہیں کہ اپنی محنت کو اس طرح رائگاں کردیں اور صلاح یہ ٹھہری کہ پھل اتارنے اور کھیتی کاٹنے کے لیے منہ اندھیرے چلو اور اتنی عجلت کرو کہ فقراء اور مساکین کو معلوم ہی نہ ہوسکے کہ کھیتوں پر آکر ہم کو تنگ کریں۔

یہاں تو یہ خدا ناترس، بخیل، یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ساری دولت کو ذخیرہ کرکے "کنز" بنالیں اور اس میں سے نہ خدا کا حق ادا کریں اور نہ خدا کے بندوں کا اور دوسری جانب خدا کے حکم سے رات ہی میں ان کی تمام سرسبز وشاداب کھیتی اور باغ تیز اور گرم ہوا سے جل کر خاک ہوگئے اب جو مشورہ کے مطابق یہ منہ اندھیرے وہاں پہنچے تو معاملہ دگرگوں پایا اور کچھ نہ سمجھے اور آگے نکل گئے کہ شاید یہ وہ جگہ ہی نہیں ہے مگر دوسرے نشانات دیکھ کر چونکے اور اب سمجھے کہ یہ ہمارے بخل اور مشورہ کا نتیجہ ہے جو ہم نے شب گذشتہ میں حکمِ الٰہی کے خلاف غریبوں اور مسکینوں کا حق تلف کرنے کے لیے کیا تھا۔ اب حسرت سے بدقسمتی کا شکوہ کرنے اور خدا کو پکارنے لگے، مگر وقت نکل جانے اور پاداشِ عمل پالینے کے بعد یہ پکار بے سود ثابت ہوئی۔

تشریح یہ مثال ہو یا واقعہ، قرآن عزیز نے اس کے بیان میں تذکیر وتنذیر کا جو پہلو رکھا ہے وہ بہرحال اپنی جگہ ہے اس لیے کہ ان آیات سے قبل قریشِ مکہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے انکار اور کفران کا ذکر کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ان کے ایک سردار ولید بن مغیرہ کی بداعمالیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اب ان کو ایک مثال دے کر یا واقعہ سنا کر یہ بتایا جارہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کی نعمت (قرآن) کے خلاف باہم سرگوشیاں کرتے، قرآن کی عطا کردہ تعلیم متعلق حقوق اللہ وحقوق العباد سے گریز کرکے اپنی قوت وشوکت پر اتراتے اور گھمنڈ کرتے ہوئے پیغمبر معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تحقیر کرنے کا انجام وہی ہونے والا ہے جو "باغ والوں" کا ہوا اور یہ

Marfat.com

اس لئے کہ اول خدا کی جانب سے قانون امہال (مہلت دینے کا قانون) منکروں کو ڈھیل دینا اور اصلاحِ حال کے لئے موقعہ عطا کرتا ہے مگر جب کوئی قوم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ خدا کی اس مہلت کو اپنی باطل پرستی کے لئے صداقت کی دلیل ٹھہرا کر صادقین اور ان کی صداقت کی تحقیر و تذلیل پر آمادہ ہو جاتی ہے تو پھر اچانک قانونِ گرفت اپنا سخت پنجہ ان پر جما دیتا اور ان کو ہلاک و برباد کر کے کائنات کی عبرت و بصیرت کا سامان مہیا کر دیتا ہے، پھر اس وقت نہ حسرت کام آتی ہے نہ ندامت اور اس گھڑی نہ ایمان لانا مفید ہوتا ہے اور نہ خدا کی انقیاد و اطاعت کا اعلان۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ (بنی اسرائیل)

اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنی وحی کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ بجائے اسکے کہ اسکی تعمیل کریں نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں پس ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے اور (پاداش عمل میں) ہم انھیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

موعظت اللہ تعالیٰ نے اس کائناتِ ہست و بود میں انسان کو اجتماعی حیات کے لئے پیدا کیا ہے اور حاجاتِ انسانی کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ یہ کارخانہ باہمی اشتراک و اعانت کے بغیر نہیں چل سکتا اور چونکہ اجتماعی زندگی افراد ہی سے بنتی اور سنورتی ہے اس لئے ازبس ضروری ہے کہ ان کی نشو و نما اور بقاءِ حیات کا ایسا قانون مقرر کیا جائے جس کی بدولت افرادِ انسانی کے درمیان رشتۂ اخوت و مودت قائم ہو سکے اور کسی وقت بھی رقابت اور تنافس پیدا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے اس نظام کی تکمیل کے لئے معاشی زندگی سے متعلق دو حقوق مقرر فرمائے ایک حقِ معیشت اور دوسرا درجاتِ معیشت۔

حقِ معیشت کا قانون یہ ہے کہ اس عالم میں ایک جاندار بھی ایسا نہیں رہنا چاہیے جو حقِ معیشت سے محروم ہو، یہ ہر شخص کا انفرادی حق ہے کہ وہ زندہ رہے اس لئے حقِ معیشت میں یہاں سب مساوی ہیں اور کسی کو کسی پر تفوق و برتری حاصل نہیں۔

دوسرا درجاتِ معیشت کا مسئلہ ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ معاشی زندگی کے لئے سب کو ملے

Marfat.com

مگر یہ ضروری نہیں کہ سب کو برابر ملے" وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ" لیکن درجاتِ معیشت کی اس کمی وبیشی اور تفاضل کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے وہ سب اس کا انفرادی حق ہے، نہیں بلکہ جو جس قدر زیادہ کمائے گا اسی قدر اس کی دولت میں اجتماعی حق زیادہ ہوگا اور پھر یہ اجتماعی حق دو قسم پر تقسیم ہو جاتا ہے، ایک حق اللہ دوسرا حق العباد۔ پس جو شخص اپنی دولت وثروت کو صرف انفرادی ملک سمجھتا اور اس میں حق اللہ اور حق العباد دونوں کا انکار کرتے ہوئے اس کے نشہ میں مست ہو کر احکامِ الٰہی سے بے پروا ہو جاتا ہے اس کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوتا اور وہ خدا کے غضب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ — اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو درد

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ — ناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔

ولید بن مغیرہ اور قریشی سرداروں کو خدا نے ہمہ قسم کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں اور پھر ان مادی ترقیات کے ساتھ ساتھ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فرما کر ان کی روحانی نعمت کو بھی کامل ومکمل کر دیا تھا لیکن ان بدبختوں نے شکر ادا کرنے کی بجائے کفرانِ نعمت کیا آخر نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح باغ والے اپنے باغ کی نعمتوں سے محروم ہو گئے اسی طرح کفارِ مکہ بھی مادی اور روحانی نعمتوں سے محروم ہو کر ابدی ذلت وخسران کے ماسوا اور کچھ نہ پا سکے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

Marfat.com

مومن وکافر

سورۂ کہف اور مومن وکافر کا مذاکرہ، واقعہ کی تشریح

بصائر

سورۂ کہف اور مومن وکافر کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں اصحاب کہف کے واقعہ کے بعد ایک اور واقعہ کا ذکر فرمایا ہے، یہ واقعہ دو انسانوں کے درمیان مناظرانہ گفتگو کی شکل میں ذکر ہوا ہے اور ساتھ ہی اس کا نتیجہ اور ثمرہ بھی مذکور ہے یعنی ایک کا طریقِ زندگی مآل کے اعتبار سے کامیاب رہا اور دوسرے کو ندامت وحسرت کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن عزیز نے اس واقعہ کو مثال کے طور پر کفارِ مکہ اور مسلمانوں کی جماعت کے حالات کو سامنے رکھ کر تذکیر اور نصیحت کے لئے بیان کیا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس طرح کا واقعہ درحقیقت دو آدمیوں (مومن وکافر) کے درمیان زمانۂ ماضی میں پیش آیا تھا۔

اور ابن کثیر کہتے ہیں کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ جس طرح اصحابِ کہف کا واقعہ پیش آیا ہے اسی طرح نزولِ قرآن سے قبل دو انسانوں کے درمیان یہ واقعہ بھی پیش آیا ہے اور قرآن نے ان دونوں واقعات کو مشرکینِ مکہ کی تذکیر وتنذیر کے لئے بیان کیا ہے۔

قرآن عزیز نے جس انداز میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کتبِ احادیث وسیر اور تاریخ میں اس سے زیادہ کچھ اور موجود نہیں ہے لہٰذا وہی قابلِ مراجعت ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ

اور (اے پیغمبر) لوگوں کو ایک مثال سنا دو۔ دو آدمی تھے،

Marfat.com

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ
اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ
جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۚ كِلْتَا
الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ
مِنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا
نَهَرًا وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ
لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَنَا
اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ٥
وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ
لِنَفْسِهٖ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ
تَبِيْدَ هٰذِهٖ اَبَدًا ٥ وَّمَا
اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ
لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ
لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ٥
قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ
اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ
ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ٥ لٰكِنَّا هُوَ
اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِرَبِّيْ
اَحَدًا ٥ وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ
قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ

ان میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیئے گردا
گرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا بیچ کی زمین میں کھیتی تھی، پس ایسا
ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے اور پیداوار میں کسی طرح
کی بھی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لئے)
ایک ندی جاری کر دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آدمی دولت مند
ہو گیا۔ تب ایک دن (گھمنڈ میں آکر) اپنے دوست سے (جسے
خوش حالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا دیکھو
میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقت ور
جتھا ہے" پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا
اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا
"میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے
مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی برپا ہوگی اور اگر ایسا ہوا
بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لئے کیا
کھٹکا ہے) مجھے ضرور (وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا"
یہ سن کر اس کے دوست نے کہا اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری
تھا" کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی
سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا لیکن
میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں
اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور پھر جب تم
اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم
نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اس کی مدد

Marfat.com

إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ۝ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝ (کہف)

بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کم تر رکھتا ہوں تو (اس پر مغرور نہ ہو) کیا عجب ہے میرا پروردگار مجھے تمہارے اس باغ سے بھی بہتر باغ (جنت) دیدے اور تمہارے باغ پر آسمان سے ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا پھر بربادی کی کوئی اور صورت نکل آئے مثلاً اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے اور تم کسی طرح بھی اس تک نہ پہونچ سکو اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی) کے گھیرے میں آگئی وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں اب وہ کہتا ہے اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔

واقعہ کی تشریح ان آیات سے قبل یہ ذکر ہو رہا ہے کہ جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے جہنم کی آگ ہے اور جو مومنین ہیں ان کے لئے ہمہ قسم کی خوش عیشیاں اور ابدی باغ (جنت) ہے اس کے بعد آیاتِ زیر بحث میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو منکرین ہیں ان کے لئے صرف آخرت ہی کی محرومیاں نہیں ہیں بلکہ وہ اس دنیا میں بھی عنقریب ناکامیوں اور بدبختیوں سے دوچار ہونے والے ہیں ان کا یہ گھمنڈ کہ ان کو ہر قسم کی رفاہیت اور خوش عیشی حاصل ہے اور وہ مال و دولت کے مالک ہیں اور ان کا جتھا بھی بہت طاقتور

Marfat.com

ہے بہت جلد خاک میں مل جانے والا ہے اور مومن اپنی موجودہ تنگ حالی پر دل گیر اور بد دل نہ ہوں کہ وقت آ پہونچا ہے کہ ان کی یہ بے چارگی و بے بسی ہمہ قسم کی عزت و طاقت سے بدل جائے گی، نیز یہ کہ دنیا کی خوش عیشی چلتی پھرتی چھاؤں ہے اس پر بھروسہ بے کار ہے وہ جب ٹلنے پر آتی ہے تو لمحوں کی بھی دیر نہیں لگتی اور دنیا کی کوئی طاقت بھی اس کو نہیں بچا سکتی۔

چنانچہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن نے یہ مثال دی کہ یوں سمجھو کسی جگہ دو آدمی تھے ایک کو خدائے تعالیٰ نے دنیوی عیش و عشرت کے کل سامان دے رکھے تھے اور دوسرا تنگ دست اور پریشان حال تھا وہ خدا کا منکر اور دولت کے نشہ میں چور اپنے نادار دوست سے غرور و نخوت کے ساتھ یہ کہتا رہتا کہ میری یہ دولت و حشمت پائدار ہے کوئی طاقت نہیں کہ اس کو مجھ سے چھین لے اور ایک تو ہے کہ افلاس اور تنگی میں بسر کر رہا ہے۔ مفلس دوست اگرچہ تنگ دست تھا مگر خدائے برتر کا سچا پرستار تھا اس نے جواب میں کہا " اپنی دولت کے نشہ میں اس درجہ مغرور نہ ہو کون جانتا ہے کہ لمحوں میں کیا سے کیا ہو جائے اور کس کو خبر ہے کہ وہ مجھ کو ان بخشائشوں سے نواز دے جس پر آج تو غرور کر رہا ہے آخر کار یہی ہوا کہ اس کے وہ تمام باغ جن کی شادابیوں اور عطر بیزیوں پر اس کو گھمنڈ تھا اچانک جل بھن کر خاک ہو گئے اور کل جہاں چمن زار تھا آج وہاں ویرانی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔

اس مثال میں حق تعالیٰ نے مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی جماعت سے متعلق وہی نقشہ کھینچا ہے جو عرب کے ماحول کے ٹھیک مطابق تھا، کیونکہ ان کے یہاں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہ تھی کہ تاکستان کے بہتر سے بہتر باغ ہوں، ان کے چاروں طرف کھجور کے گنجان درخت لگے ہوں، درمیان میں نہر ہو اور نہر کے ارد گرد سرسبز و شاداب کھیتیاں ہوں اور یہ سب کچھ مشرکین مکہ کو میسر تھا اور مسلمان اس وقت ان ظاہری نعمتوں سے محروم تھے۔

بہرحال یہ واقعہ ہو یا مثال، تذکیر و تنذیر کے جس مقصد کی خاطر بیان کی گئی ہے اس کے پیش نظر مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے باہمی تقابل کا نہایت ہی جامع اور کامل نقشہ ہے، قریش مکہ کے غرور و نخوت کا یہ حال تھا کہ اول تو پیغام ہدایت پر کان ہی نہ دھرتے تھے اور اگر کبھی سننے پر آمادگی ظاہر

Marfat.com

بھی کرتے تو یہ شرط لگاتے کہ جب تک ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھیں اس وقت تک ان خستہ حال مسلمانوں میں سے کوئی ہمارے برابر آ کر نہ بیٹھے کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری سخت توہین ہے وہ سمجھتے تھے کہ ہماری یہ دولت و حشمت غیر فانی اور ہمارا یہ کرّ و فر ابدی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو کمزور اور تنگ دست دیکھ کر ان کا مضحکہ کرتے اور حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

پس قرآن عزیز نے لطیف اور معجزانہ اسلوب کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں ایسے ناسازگار حالات کے وقت ان کی کامرانی اور مشرکین کی ناکامی کے اس انجام کی خبر دی ہے جو کچھ عرصہ بعد ہونے والا تھا، چنانچہ جو سعید روحیں تھیں انھوں نے سمجھا اور حق کی آغوش میں خود کو سپرد کر دیا اور جن کی شقاوت و بدبختی پر مہر لگ چکی تھی ان کا تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ حسرتناک انجام ہوا جس کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے:

"خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ"

اور شاہ عبد القادر (رحمۃ اللہ) ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"پہلے وقت میں ایک شخص مالدار مر گیا، دو بیٹے رہے برابر مال بانٹ لیا، ایک نے زمین خرید کی دو طرف میووں کے باغ لگائے بیچ میں کھیتی اور ندی کاٹ کر ان پر لا ڈالی کہ مینہ نہ ہو تو بھی نقصان نہ آوے اور عمدہ جگہ بیاہ کیا اولاد ہوئی اور نوکر رکھے، تدبیر دنیا درست کر کر آسودہ گذران کرنے لگا، دوسرے نے سب مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا آپ قناعت سے بیٹھ رہا۔"[1]

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے واقعہ کی یہ تفصیل کہاں سے اخذ فرمائی ہے کتب سیر و روایات .... اور تاریخ کے اوراق تو اس بارہ میں خاموش ہیں اور "چھوٹا منہ بڑی بات" حضرت شاہ صاحب نے اس واقعہ میں جس طرح دونوں کا تقابل ظاہر فرمایا ہے قرآن کا ظاہر سیاق اس کی تائید نہیں کرتا، اس لئے کہ مرد مومن نے کافر کے غرور کا جو جواب دیا اور کافر نے جو اس کے افلاس پر طعنہ دیا وہ ہرگز اس صورت حال کے مناسب نہیں ہے کہ مومن حقیقتاً مالدار تھا مگر اس نے

[1] موضح القرآن

Marfat.com

اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا تھا اگر ایسا ہوتا تو مومن و کافر کے سوال و جواب کا اسلوب دوسرا ہی ہوتا واللہ اعلم بالصواب۔

بصائر (۱) دنیوی نعمتیں دو گھڑی کی دھوپ اور چار دن کی چاندنی ہیں، ناپائدار اور فانی، پس عقلمند وہ ہے جو ان پر گھمنڈ نہ کرے اور ان کے بل بوتہ پر خدا کی نافرمانی پر آمادہ نہ ہو جائے اور تاریخ کے ان اوراق کو پیشِ نظر رکھے جن کی آغوش میں فرعون، نمرود، ثمود، اور عاد کی قاہرانہ طاقتوں کا انجام آج تک محفوظ ہے،

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ — زمین کی سیر کرو اور پھر دیکھو کہ نافرمانوں کا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ٥ — انجام کیا ہوا؟

(۲) حقیقی عزت ایمان باللہ اور عملِ صالح سے ملتی ہے، دولت و ثروت اور سطوت و حشمت دنیوی سے حاصل نہیں ہوتی، قریشِ مکہ کو ثروت و سطوت دونوں حاصل تھیں مگر بدر کے میدان میں ان کا انجام بد اور دین و دنیا کی رسوائی کو کوئی روک نہ سکا، مسلمان دنیا کے ہر قسم کے سامانِ عیش سے محروم تھے مگر ایمان باللہ اور عمل صالح نے جب ان کو دینی و دنیوی عزت و حشمت عطا کی تو اس میں کوئی حائل نہ ہو سکا

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ — حقیقی عزت اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کے
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ — لئے ہی ہے مگر منافقین اس حقیقت سے ناآشنا ہیں

(۳) مومن کی شان یہ ہے کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے تو غرور اور تکبر کی بجائے درگاہِ الٰہی میں جبین نیاز جھکا کر اعترافِ نعمت کرے اور دل و زبان دونوں سے یہ اقرار کرے کہ خدایا اگر تو یہ عطا نہ فرماتا تو ان کا حصول میری اپنی قوت و طاقت سے باہر تھا یہ سب تیرے ہی عطا و نوال کا صدقہ ہے۔" وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا" الکنز من کنوز الجنۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جنت کے پوشیدہ خزانوں میں سے ایک خزانہ یہ ہے کہ بندہ اعتراف کرے کہ بھلائی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ کی مدد کے بغیر ناممکن ہے" یعنی جب

Marfat.com

شخص نے زبان سے اس کا اقرار کیا اور دل میں اس حقیقت کو جاگزیں کر لیا اس نے گویا خیبت کے مستور خزانوں کی کنجی حاصل کر لی۔

اس کے برعکس کافر کی حالت یہ ہے کہ اس کو جب دولت و ثروت اور جاہ و جلال میسر آجاتے ہیں تو خودی میں آکر مغرور ہو جاتا ہے اور جب کوئی خدا کا نیک بندہ اس کو سمجھاتا ہے کہ یہ سب خدا کا فضل ہے اس کا شکر ادا کر تو وہ اکڑ کر کہتا ہے "اُوتِيتُهُ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِنْدِي یہ خدا کا دیا ہوا نہیں ہے بلکہ میری اپنی دانائی اور علم کا نتیجہ ہے۔"

پس مومن اور کافر کے لئے خدا کی جانب سے بھی الگ الگ جواب ملتا ہے جن کو سورۂ مومنون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ہ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ہ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ہ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ہ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ہ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ہ	کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے اس لئے ان کی امداد کر رہے ہیں کہ بھلائی پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں ؟ نہیں مگر وہ شعور نہیں رکھتے (کہ ان کے بارے میں حقیقت حال دوسری ہے یعنی قانون امہال کام کر رہا ہے) اور جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہراتے جو اس کی راہ میں جتنا کچھ دے سکتے ہیں، بلا تامل دیتے ہیں اور (پھر بھی) ان کے دل ترساں رہتے ہیں۔ کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے، تو بلاشبہ یہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لئے تیز گام ہیں اور یہی ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

. . . .

(۴) سعید وہ ہے جو انجام سے قبل حقیقت انجام کو سوچ لے اور انجام کار سعادت ابدی دسر

76473

Marfat.com

پائے اور شقی و بدبخت وہ ہے جو انجام پر غور کیے بغیر اول غرور و نخوت کا اظہار کرے اور اس انجام بد کو دیکھنے کے بعد ندامت و حسرت کا اظہار کرے اور یہ ندامت و حسرت اس وقت کچھ کام نہ آئے۔ چنانچہ اس واقعہ یا مثال میں بھی منکر کو وہی شقاوت پیش آئی۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ	اور اس کی دولت (ثمرات) گھیرے میں آگئی اور جب کہ اس کے
كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا	باغ کی ٹٹیاں زمین پر گر کے برابر ہوگئیں تو ہاتھ مل کر کہتا
وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا	رہ گیا" افسوس میں نے ان پر کتنی کثیر دولت صرف کی تھی وہ سب
وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ	برباد ہوگئی" اور حسرت کے ساتھ کہتا تھا" کاش کہ میں اپنے پروردگا
بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ٥	کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔"

اور یہی روز بد فرعون کو دیکھنا پڑا کہ وقت گذرنے پر اس نے وہی کہا کہ اگر عذاب کے مشاہدے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت مان لیتا تو اس دردناک عذاب کی نذر نہ ہوتا۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ	یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے اب کہا "میں اقرار
اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ	کرتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے سوا اس ایک ذات کے جس پر بنی
اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ	اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوتا ہوں۔"
اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥ آٰلْئٰنَ وَ	(اللہ نے جواب دیا) اور اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور (تو) فسادیوں
قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ	میں سے تھا۔
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥	

.. ..

Marfat.com

اصحاب القریہ (یا) اصحابِ یٰسین

اصحاب قریہ اور قرآنِ عزیز، واقعہ، واقعہ سے متعلق اقوال، نقد و تبصرہ، موعظت

اصحاب قریہ اور قرآنِ عزیز قرآنِ عزیز (سورۂ یٰسین) میں ایک بہت ہی مختصر واقعہ مذکور ہے جو آیت "وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ" سے شروع ہو کر "فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ" پر ختم ہوتا ہے اور سورۃ کی نسبت سے اس کو "واقعہ اصحاب یٰسین" اور آیات کے اسلوبِ بیان کے مطابق واقعہ "اصحاب قریہ" کہتے ہیں۔

واقعہ قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر بتایا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ایک بستی میں کفر و شرک اور شر و فساد کو دور کرنے اور رشد و ہدایت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر (رسول) کو مامور کیا انھوں نے اہلِ قریہ کو حق کی تلقین کی اور صراطِ مستقیم کی جانب دعوت دی لیکن بستی والوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تب ہم نے ایک ہادی کا اور اضافہ کر دیا اور وہ تین مل کر ایک جماعت ہو گئے اب ان تینوں نے ان کو یقین دلایا کہ بے شبہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں مگر انھوں نے نہ مانا اور ان کا مذاق اڑایا کہ تم بھی آدمی اور ہم بھی آدمی پھر تمہارے اندر وہ کون سی عجیب بات ہے کہ تم پیغمبر بنا دئے گئے یہ سب تمہارا جھوٹ اور تمہاری سازش ہے، انھوں نے کہا کہ خدا اس کا شاہد ہے کہ ہم جھوٹے نہیں وہ دانا و بینا اس کو خوب جانتا ہے مگر تم پھر بھی نہیں مانتے تو ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیں اور راہِ حق دکھا دیں بستی والے کہنے لگے کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں کہ تم نے خواہ مخواہ ہمارے یہاں آ کر گڑبڑ

Marfat.com

پیدا کردی اور اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تم تینوں کو مار ڈالیں گے یا سخت قسم کی تکالیف میں مبتلا کر دینگے
انھوں نے جواب دیا خدا کی نافرمانی کر کے نحوست تو تم خود اپنے اوپر لا چکے ہو اس سے زیادہ نحوست
اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم نصیحت اور خیر خواہی تک کو قبول نہیں کرتے بلکہ اور زیادہ حد سے گذر تے جاتے ہو؟

بستی کے آخری کنارے پر ایک نیک مرد رہتا تھا اس نے جب سنا کہ بستی والے خدا کے رسولوں کو
جھٹلا رہے... اور طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں تو عجلت کے ساتھ وہاں آ پہنچا جس جگہ یہ
گفتگو ہو رہی تھی اور کہنے لگا اے قوم خدائے تعالیٰ کے پیغمبروں کی پیروی کر ان مقدس لوگوں کی پیروی
سے کیوں منہ موڑتی ہے جو تجھ سے اس خدمتِ حق کا کوئی معاوضہ تک نہیں طلب کرتے اور جو خدا
رسیدہ اور ہدایت یافتہ انسان ہیں بتاؤ میں کیوں اس ایک خدا کی ہی پرستش نہ کروں جس نے
مجھ کو نیست سے ہست کیا ہے اور مرنے کے بعد میں اور تم سب اسی کی جانب لوٹ جانے والے
ہیں تم جو ان برگزیدہ انسانوں کی تکذیب کر رہے ہو تو میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا مجھ کو خدائے واحد
کے سوائے معبودانِ باطل کو اپنا خدا مان لینا چاہیے کہ اگر وہ ذاتِ واحد جو نہایت ہی مہربان اور
رحم والا ہے مجھے کسی قسم کا نقصان پہونچانے کا ارادہ کرے تو ان معبودانِ باطل کی نہ سفارش کارگر
ہو سکے اور نہ وہ اس نقصان سے مجھ کو بچا سکیں، اگر تمہارا مقصد یہ ہے تو ایسی صورت میں بلاشبہ
میں تو سخت گمراہی میں پھنس جاؤں گا، لہٰذا کان کھول کر سن لو کہ تم ان مقدس انسانوں کی بات مانو
میں تو اس ذات پر ایمان لے آیا جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔

قوم نے اپنی تکذیب اور مقدس رسولوں کی تصدیق میں نیک مرد کی بے پناہ ہدایت گفتگو سنی تو غیظ و
غضب میں آگئی اور اس کو شہید کر ڈالا۔

واقعہ کا اس حد تک ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے جرأتِ حق کی جزا میں اس کو
جنت عطا کی اور جب اس نے اپنا پاک مقام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو وجد آفریں انداز میں کہنے لگا
کاش کہ میری قوم کے لوگ یہ جان سکتے کہ میرے پروردگار نے مجھ کو مغفرت کا کیسا بیش بہا تحفہ عطا فرمایا
اور میرا کس درجہ اعزاز و اکرام کیا" پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس مردِ نیک کی قوم کی بدکرداری بہ ان کو ہلاک

Marfat.com

کرنے اور سزا دینے کے لئے ہمیں آسمان سے کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی فقط ایک ہولناک چیخ نے ان سب کا کام تمام کر دیا اور وہ جہاں کے تہاں بجھ کر رہ گئے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاید ان بدبختوں نے خدا کے رسولوں کو بھی شہید کر ڈالا تھا جیسا کہ انھوں نے ان کو دھمکی دی تھی اور اگرچہ قرآن عزیز میں یہ مذکور نہیں ہے مگر اس مرد شہید کے ذکر کے بعد چونکہ ان رسولوں کا کوئی مذکور نہیں ہے اس لئے قرینہ یہی شہادت دیتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ
الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ
فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ قَالُوْا
رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ
وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ
قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ
مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالُوْا
طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ
وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

(اے پیغمبر ان (مشرکین مکہ) سے بستی والوں کا واقعہ بیان کر جب کہ ان کے پاس خدا کے رسول آئے۔ جب یہ صورت ہوئی کہ ہم نے اول ان کے پاس دو بھیجے تھے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا تب ہم نے ان دونوں کو تیسرے کے ذریعہ سے قوت (عزت) عطا کی، اب ان تینوں نے بستی والوں سے کہا "ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم کو خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے" بستی والوں نے کہا "بجز اس بات کے کہ تم بھی ہماری طرح ایک انسان ہو کون سی ایسی خوبی ہے کہ تم خدا کے رسول ہو اور رحمن نے تم پر کچھ بھی نازل نہیں کیا اس لئے تم صاف جھوٹے ہو" ان تینوں نے کہا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم یقیناً خدا کے فرستادہ ہیں اور ہمارے ذمہ صرف واضح اور صاف طور پر خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے (زبردستی قبول کرا دینا ہمارا کام نہیں ہے) بستی والے کہنے لگے ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں پس اگر تم اس (تبلیغ) سے باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور سخت قسم کا عذاب چکھائیں گے" انھوں نے کہا تمہاری نحوست تو خود تمہارے ساتھ وابستہ ہے کہ تم کو جو نصیحت کی جاتی ہے اس کو نحوست کہتے ہو بلکہ تم تو حد سے گذر رہے ہو اور شہر کے آخری کنارے

Marfat.com

رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِیْنَ ۙ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا
یَسْـَٔلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ
وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ
وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً اِنْ یُّرِدْ
نِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ
عَنِّیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْـًٔا وَّلَا
یُنْقِذُوْنِ ۔ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ۔ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ
فَاسْمَعُوْنِ ۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ
قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ
بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ
الْمُکْرَمِیْنَ ۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی
قَوْمِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ
جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا
مُنْزِلِیْنَ ۔ اِنْ کَانَتْ اِلَّا
صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ھُمْ
خٰمِدُوْنَ ۔

سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا" اے قوم تم
خدا کے رسولوں کی پیروی کرو، ان کی پیروی کرو جو تم سے
اپنی نیک ہدایت پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتے اور مجھے
کیا بات مانع ہے کہ میں صرف اپنے پیدا کرنے والے ہی
کی پرستش نہ کروں، اس کی پرستش جس کی جانب ہم تم کو لوٹ
جانا ہے، کیا میں اس ذات واحد کے سوائے باطل معبودوں
کو خدا بنالوں کہ اگر رحمان مجھ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے
تو ان باطل معبودوں کی نہ کچھ سفارش چل سکے اور نہ
وہ اس مضرت سے بچا سکیں میں اگر ایسا کروں تو کھلا گمراہ
ہوں بیشک میں تو اپنے اور تمہارے پروردگار پر ایمان
لے آیا۔ تم خوب کان لگا کر سن لو" تب اس کو ہماری جانب
سے، کہا گیا جنت میں بے خطر داخل ہو جا اس نے کہا" کاش
کہ میری قوم جان لیتی کہ میرے پروردگار نے مجھے مغفرت کا
کیسا اچھا تحفہ دیا اور مجھ کو ان لوگوں میں شامل کر لیا جن کو اس
نے اعزاز و اکرام سے نوازا ہے اور ہم نے اس کی موت کے
بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر سزا دینے کے لئے نہیں
اتارا اور ہم کو ایسا کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی (ان کی سزا
کے لئے) اور کچھ نہیں تھا مگر ایک ہولناک چیخ پس وہ دفعتاً بجھ کر
رہ گئے (یعنی ہلاک ہو گئے)

مفسرین اور ارباب سیرت اس واقعہ کے زمانہ اور تفصیلات میں اس درجہ مشکوک اور متردد نظر آتے ہیں کہ ان کے بیانات اور روایات سے واقعہ کی تعیین ناممکن ہو جاتی ہے اس لئے ہم یہی کہہ

Marfat.com

سکتے ہیں قرآن عزیز نے اپنے مقصدِ عظمیٰ "موعظت و عبرت" کے پیش نظر جس قدر بیان کیا ہے وہ ایک صاحبِ بصیرت کے لیے کافی ونشافی ہے۔ خدا کی اس سرزمین پر حق و باطل کے جہاں بہت سے واقعات ہو گذرے ہیں اور اس پیر فلک نے اس سلسلہ میں جتنے ورق بھی الٹے ہیں ان میں ایک یہ واقعہ بھی اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ہو گذرا ہے بستی نیک مرد اور مقدس رسولوں کے نام معلوم ہوئے تب اور نہ ہوئے تب نفسِ واقعہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ تاریخ کے جن اوراق نے نوح اور قوم نوح، ہود اور عاد، صالح اور ثمود، ابراہیم، لوط اور قوم لوط، موسیٰ اور فرعون، عیسیٰ اور بنی اسرائیل کے معرکہ حق و باطل کے تفصیلی حالات و واقعات کو اپنے سینہ میں آج تک محفوظ رکھا ہے اس میں اگر اس واقعہ کا بھی اضافہ ہو جائے جس کا مختصر و مجمل ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے تو کون سی حیرت کی بات اور تعجب کا مقام ہے۔

واقعہ کا حاصل یہی تو ہے کہ چند مقدس پیغمبروں نے ایک بے راہ رو مخلوق کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کی اور اس نے از راہ عناد و گمراہی ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ خدا رسیدہ ہادیوں کو قتل کر دینے سے بھی باز نہ رہے تو اس قسم کے واقعات کو تاریخ نے صرف بنی اسرائیل ہی میں اتنی بار دہرایا ہے کہ تاریخِ اقوام و ملل کا خفی آگاہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے متعلق تردد نہیں کر سکتا۔

واقعہ سے متعلق اقوال ابن اسحاق بروایت کعب احبار و وہب بن منبہ و عبد اللہ بن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ یہ واقعہ شہر انطاکیہ (شام) کا ہے اس شہر کے لوگ بت پرست تھے اور ان کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے تین پیغمبروں صادق صدوق اور شلوم کو بھیجا اور شہر کی آخری سمت سے جو نیک مردان کی تائید کے لیے آیا اس کا نام حبیب تھا پھر کوئی کہتا ہے کہ یہ عابد و زاہد اور مرتاض تھا اور شہر کے کنارے عبادت میں مصروف رہتا تھا اور کسی کا قول ہے کہ وہ ریشمی یا سوتی کپڑا بننے کا کام کرتا تھا اور صاحب صدقات و خیرات تھا[۱] غرض ان کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عیسیٰ[۲]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ [۲] تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۹

Marfat.com

(علیہ السلام) سے بہت قدیم زمانہ کا ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے زمانہ کا ہے اور شہر انطاکیہ ہی کا واقعہ ہے، حضرت مسیح (علیہ السلام) نے اپنے تین حواری شمعون، یوحنا اور پولس کو وہاں بھیجا تھا کہ جاکر ان کو حق کی دعوت دیں اور پیغام الٰہی سنائیں مگر اہل شہر نے قبول نہ کیا اور ان کی ہی بستی کے ایک نیک مرد نے جب ان کو قبول حق کی ترغیب دی تو انھوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور پاؤں سے کچل کر اس کی نعش کی توہین کی اس شخص کا نام حبیب تھا اور یہ نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا کہتے ہیں کہ جبرئیل فرشتہ نے ایسی ہولناک چیخ کی کہ اہل بستی اس کو سن کر جس حالت میں بھی تھے اسی حالت میں مر کر رہ گئے۔[۱]

نقد و تبصرہ | یہ روایات یا اقوال کعب احبار اور وہب بن منبہ کی اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں حتیٰ کہ ابن اسحٰق کے پاس ان کے لئے مکمل مسلسل سند بھی نہیں ہے اس لئے "بلغنی" کہہ کر بیان کرتا ہے اور اس قسم کی روایات میں خواہ مخواہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا نام آجانا اور تفسیری قصص و حکایات کو بغیر سند ان کی جانب منسوب کر دینا تو ایک عام بات ہو گئی ہے۔

یہ ہم نے اس لئے کہا کہ ہر دو واقعات اپنے تفصیلی جزئیات کے لحاظ سے غیر تاریخی ہیں بلکہ بعض تاریخی مسلمات کی تردید کرتے ہیں اور قرآن عزیز کے ظاہر سیاق کے بھی خلاف ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث و مورخ حافظ عماد الدین ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے واقعہ پر تو یہ مشترک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ شہر انطاکیہ ان چار مسیحی شہروں میں سے ہے جن کے متعلق باتفاق علماء سیر و تاریخ یہ ثابت ہے کہ وہ دعوت مسیح کے مرکز شمار کئے جاتے ہیں اس لئے کہ باختلاف زمانہ ان شہروں میں جس وقت دعوت مسیح (علیہ السلام) پہنچی ہے انھوں نے برضا و رغبت اس پر لبیک کہا ہے اور وہ مسیحی پیغام کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ مسیحیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ چار مقامات مقدس مقامات ہیں اور بطریق (پاپائے اعظم) کا دارالخلافہ القدس (بیت المقدس) انطاکیہ، اسکندریہ اور روما (اٹلی) بیت المقدس اس لئے کہ وہ مسیح علیہ السلام کا وطن ہے اور انطاکیہ اس لئے کہ یہ پہلا شہر ہے جس کی کل آبادی ایک

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۳ و تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳۰ و ۲۲۹

ہی وقت میں حضرت مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لائی اور (۳) اسکندریہ اس لئے کہ یہ پہلا شہر ہے جس کے باشندوں نے صلح و آشتی کے ساتھ یہ منظور کیا کہ مسیحی مقدسین بطریق (پوپ) مطران، اسقف، قسیس، شماس اور راہب[۱] یہاں اپنے اختیارات کے ساتھ قیام کریں گے اور روما اس لئے کہ قسطنطین اعظم کا دار السلطنت تھا کہ جس نے عیسائی مذہب کو نئے سانچے میں ڈھال کر فروغ دیا اور دعوت مسیح (علیہ السلام) سے قبل بھی کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انطاکیہ کسی زمانہ میں غضب الٰہی سے برباد و تباہ کر دیا گیا تھا اور بعد میں پھر بارونق شہر بن گیا۔ لہٰذا ہر دو اقوال کے مطابق اس واقعہ کو انطاکیہ سے وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے

اور قتادہ کی روایت پر مسطورہ بالا اعتراض کے علاوہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر سیاق یہ بتا رہا ہے کہ معذّب بستی کی ہدایت کے لئے جو برگزیدہ انسان بھیجے گئے تھے وہ حضرت مسیح (علیہ السلام) یا کسی دوسرے نبی کے فرستادہ یعنی رسولِ خدا کے قاصد و ایلچی نہ تھے بلکہ براہ راست خدا کے پیغمبر اور نبی تھے اس لئے کہ اگر وہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے فرستادہ ہوتے تو قرآن عزیز ضرور اس جانب کوئی اشارہ کرتا مگر ایسا نہیں ہے بلکہ تمام آیات میں ان کے متعلق لفظ اَرْسَلْنَا (ہم نے ان کو بھیجا) استعمال کیا گیا ہے بلکہ رسولوں اور شہر کے باشندوں کے مکالمے کے جملے تو جب ہی بغیر کسی تاویل کے واضح مطلب ادا کرتے ہیں جب کہ ان کو براہِ راست خدا کا رسول مانا جائے۔

وہ یہ کہ ان برگزیدہ انسانوں نے جب خود کو رسول ظاہر کیا تو اہل شہر ان پر وہی پرانا اعتراض وارد کرنے لگے جو ہمیشہ منکرین رسول کہتے چلے آئے ہیں انھوں نے کہا تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو پھر رسول کیسے ہو سکتے ہو اور رحمان نے تم پر کچھ بھی نازل نہیں کیا تم جھوٹ کہتے ہو کہ تم پر خدا کا پیغام نازل ہوتا ہے پس اگر وہ خود خدا کے رسول نہیں تھے بلکہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے حواری تھے تو بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جواباً یہ نہ کہتے "اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری جانب رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں" بلکہ جواب یہ دیتے کہ "ہم تو خدا کے پیغمبر عیسیٰ (علیہ السلام) کے قاصد ہیں اور تم کو دعوتِ حق دینے آئے ہیں۔ رہا انسان

---

[۱] پادریوں کے مناصب اور عہدے ہیں۔

Marfat.com

ہونے کا معاملہ تو اللہ کے پیغمبر انسان ہی ہوتے ہیں۔ فرشتے یا کسی اور مخلوق میں سے نہیں ہوتے"[1]

ابن کثیر نے اس موقع پر ایک تیسرا اعتراض بھی کیا ہے مگر وہ چونکہ ہمارے نزدیک خود محلِ نظر ہے اس لئے نظر انداز کر دیا گیا۔

طبرانی نے معجم میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تین ہستیاں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی نقیب کہلاتی ہیں ایک موسیٰ علیہ السلام کے نقیب یوشع (علیہ السلام) دوسرے اصحاب یٰسین حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نقیب اور تیسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب علی (رضی اللہ عنہ)

تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں سے ہی وابستہ ہے مگر محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بلکہ ناقابل اعتماد ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی حسین الاشقر ہے اور یہ کذاب اور متروک الحدیث ہے[2]۔

امام بخاری نے اگرچہ اس واقعہ سے متعلق کوئی روایت نہیں بیان فرمائی مگر انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں اس واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقدم رکھا ہے اور آیت کو نقل کر کے صرف حل لغات کر دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر اور امام بخاری کا رجحان یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل کا ہے[3] اور غالباً یہی صحیح ہے۔

الحاصل واقعہ کی جزئی تفصیلات کچھ بھی ہوں قرآن نے اس سلسلہ میں جو حصہ نقل کیا ہے وہ اس کے مقصدِ عظمیٰ کو پورا کرتا اور اہلِ مکہ اور ارباب بصیرت کو عبرت و بصیرت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رشد و ہدایت سے اصحاب قریہ کی طرح منہ موڑ کر خسر الدنیا والآخرۃ کا سبب نہ بنیں" اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"

رحمان | اصحابِ قریہ اگرچہ مشرک اور بت پرست تھے مگر ان میں مذہبِ حق کی کچھ جھلک موجود تھی اور ان کے یہاں رحمان کا تصور پایا جاتا تھا کیا عجب ہے کہ بمصداق آیت وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورہ یٰسین و فتح الباری ج ۶ [2] فتح الباری ج ۶ [3] فتح الباری ج ۶ و تفسیر ابن کثیر ج ۳

Marfat.com

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں کہ جہاں ہمارا نذیر نہ پہنچا ہو وہ اس دعوت سے قبل عرصہ تک کسی پیغمبر صادق کے پیرو رہے اور آہستہ آہستہ زمانہ دراز کے بعد شرک میں مبتلا ہو گئے ہوں۔

موعظت (۱) ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں ہمیشہ سے اہل باطل کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ خدا کا پیغمبر انسان نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کسی مافوق الفطرۃ ہستی کو "رسول اللہ" ہونا چاہیئے اسی لئے قوم نوح علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت تک ہر ایک گروہ نے سب سے پہلے اسی پر تعجب یا نفرت کا اظہار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری ہی طرح کا انسان اور لوازمات بشری کا محتاج انسان خدا کا پیغمبر ہو۔ چنانچہ اصحاب قریہ کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ نے بھی یہی کہا" مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ یہ کیسا رسول ہے کہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا اور ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے" اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کیا انسان ہماری ہدایت کریں گے" وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا " اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ متعجب ہو کر کہنے لگے کیا اللہ نے (ہماری طرح کا) ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے" مگر ان کے اس جاہلانہ سوال کا قرآن عزیز نے یہ فیصلہ کن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے اس بحث کا خاتمہ کر دیا" قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا اے پیغمبر کہہ دے کہ اگر ایسا ہوتا کہ زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے یعنی اس سوال کی بنیاد ہی بے وقوفی پر مبنی ہے اس لئے کہ جب دنیا میں انسان بس رہے ہیں اور فرشتوں کی آبادیاں نہیں ہیں تو پھر ان کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر بھی انسان ہی ہونا چاہیئے نہ کہ فرشتہ۔

(۲) جہاں شر و فساد اور فتنہ و گمراہی کے جراثیم بہ کثرت موجود ہوتے ہیں وہاں خیر و سعادت کی بھی کوئی روح ضرور نکل آتی ہے اور وہ کلمہ حق کی تائید میں جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتی چنانچہ جس طرح اصحاب یٰسین کی حمایت میں شہر کے آخری حصہ سے ایک نیک مرد نکل آیا اور اس نے

Marfat.com

اپنی قوم کو نصیحت کی اور اس صلہ میں جان دی اسی طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قیام مصر کے زمانہ میں بھی شہر کے دور دراز سے ایک نیک مرد بھاگ کر آیا تھا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت جان کے لئے نیک صلاح دے کر اپنا فرض ادا کیا تھا "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(۳) حق و باطل کے معرکہ میں حق کی حقانیت اور باطل کی بطالت کا ایک کھلا ہوا مظاہرہ یہ ہوتا ہے کہ حق جوں جوں دلائل و براہین کی روشنی میں اپنی صداقت کو جلوہ گر کرتا جاتا ہے باطل اسی درجہ زیادہ مشتعل ہو کر اور حق کی روشنی سے خیرہ ہو کر دلائل کی جگہ جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر حق کے پرستار اس کی مطلق پروا نہیں کرتے بلکہ وفور جوش اور والہانہ شوق کے ساتھ حق پر جان قربان کر دیتے ہیں، چنانچہ اصحاب قریہ کا واقعہ اس کی بولتی ہوئی شہادت ہے۔

Marfat.com

(حضرت) لقمان (رضی اللہ عنہ)

(سنہ ۳ ق م)

لقمان؛ قرآن عزیز اور حضرت لقمان، نبوت یا حکمت
چند تفسیری مطالب، حکمتِ لقمان، مواعظ

لقمان | لقمان یا حکیم لقمان، اہل عرب کے یہاں ایک مشہور شخصیت ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حالات اور خاندان و نسب سے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور اس اتفاق کے علاوہ کہ وہ ایک بہت بڑے دانا (حکیم) تھے اور ان کے حکیمانہ اقوال صحیفۂ لقمان کے نام سے ان کے درمیان معروف و مشہور تھے ان سے متعلق باقی امور میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔

اور یہ اس لئے کہ تاریخِ قدیم میں لقمان نام کی ایک اور شخصیت کا پتہ چلتا ہے جو عادِ ثانیہ (قوم ہود علیہ السلام) میں ایک نیک بادشاہ ہو گزرا ہے اور خالص عرب نژاد ہے، ابن جریر، ابن کثیر، سہیلی جیسے مورخین کی رائے یہ ہے مشہور لقمان حکیم (افریقی النسل تھا اور عرب میں ایک غلام کی حیثیت میں آیا تھا، چنانچہ یہ حضرات اس کا نسب نامہ اور حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ھو لقمان بن عنقا بن سدون او لقمان بن ثاران بن سدون[۱] وہ لقمان بن عنقا یا ثاران بن سدون ہو

اور کہتے ہیں کہ وہ سوڈان کے نوبی قبیلہ سے تھا اور پستہ قد بھاری بدن سیاہ رنگ تھا ہونٹ موٹے اور ہاتھ پیر بھدے تھے، مگر نہایت نیک، عابد و زاہد صاحبِ حکمت اور دانا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حکمت سے حصۂ وافر عطا فرمایا تھا اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ

---

[۱] روض الانف ج اور ابن کثیر ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ج ۳

Marfat.com

ہیں عہدۂ قضا پر مامور ہو گیا تھا۔

عن ابن عباس قال کان عبدًا حبشیًا نجارًا[1] وعن جابر بن عبد اللہ قال کان لقمان قصیرًا افطس من النوبۃ[1]

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے فرماتے تھے کہ لقمان حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لقمان پستہ قد موٹے ہونٹ والے نوبہ کے قبیلے سے تھے۔

وعن سعید بن المسیب کان لقمان من سودان مصر ذو شافر اعطاہ اللہ الحکمۃ ومنعہ النبوۃ[2]

اور سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ لقمان مصری سوڈانی تھے اور ان کے ہونٹ بہت موٹے تھے اللہ تعالیٰ نے انکو اگرچہ نبوت نہیں عطا کی مگر حکمت و دانائی سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔

عن عبد الرحمٰن بن حرملہ قال جاء اسود الی سعید بن المسیب یسأله فقال له سعید لا تحزن من اجل انك اسود فانه کان من اخیر الناس ثلثۃ من السودان بلال ومھجع مولی عمرؓ ولقمان الحکیم کان اسود نوبیًا ذا شافر[3]

عبد الرحمان بن حرملہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک حبشی سعید بن مسیبؒ کے پاس آنکلا اور کچھ سوال کیا انھوں نے فرمایا تو اس بات سے دل گیر نہ ہو کہ کالا حبشی ہے اس لئے کہ سوڈانیوں میں تین آدمی دنیا کے بہترین انسان ہوئے ہیں بلالؓ، حضرت عمرؓ کا غلام مہجع اور لقمان حکیم جو سوڈانی نوبی تھے اور ان کے لب بہت موٹے اور بھدے تھے۔

اور مشہور مورخ اور صاحبِ مغازی محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد سے یعنی عرب بائدہ کی نسل سے تھے اور غلام نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے۔

---

[1] روض الانف ج اوابن کثیر ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ [3] تاریخ ابن کثیر ج ۲

Marfat.com

قال وهب فلما مات شداد	وہب بن منبہ کہتے ہیں جب شداد بن عاد کا انتقال ہو گیا
بن عاد صار الملك الى اخيه	تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد کو ملی اور اللہ تعالیٰ
لقمان بن عاد وكان اعطى الله	نے لقمان کو وہ چیز عطا فرمائی تھی جو اس زمانہ کے
لقمان ما لم يعط غيره من الناس	انسانوں میں کسی کو نہیں عطا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے
فی زمانہ اعطاه حاسة مائة	اس کو سو انسانوں کی برابر ادراک وحاسہ عطا فرمایا
رجل وكان طويلاً لا يقارب	تھا اور وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ طویل
اهل زمانه	قامت تھے۔
قال ابن وهب قال ابن عباس	وہب کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ
كان لقمان بن عاد بن الملطاط	لقمان بن عاد کا نسب نامہ یہ ہے! ملطاط بن سلک بن
بن السلك بن وائل بن حمير	وائل بن حمیر اور وہ نبی تھے مگر رسول نہیں تھے۔
نبياً غير مرسل[1]	

اور لطف یہ ہے کہ ابن جریر اور ابن کثیر بھی اپنی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا قول نقل کرتے ہیں اور ابن اسحٰق بھی ان ہی کے قول کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور معاصر مورخین میں سے مصنف ارض القرآن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لقمان حکیم اور لقمان بادشاہ ایک ہی شخصیت ہے اور وہ بلا شبہ عادِ ثانیہ کے نیک بادشاہوں میں اور بہت بڑے حکیم و دانا تھے اور عرب میں لقمان کے نام سے جو "صحیفہ" منسوب تھا وہ ان ہی لقمان عاد کا ہے۔ اور وہ اپنے اس دعوے کے مختلف دلائل میں سے ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ شاعر جاہلی سلمی بن ربیعہ کے یہ اشعار اس حقیقت کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

اهلكن طسما وبعده ... غذى بهم وذا جدون

واهل جاش ومارب ... وحی لقمان والتقون

---

[1] کتاب التیجان ۔ ص ۷۰

"حوادثِ زمانہ نے قبیلۂ طسم کو اور اس کے بعد ذاجدون شاہِ یمن کو اہلِ جاش و مارب کو اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا"

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ ایک قبیلہ کا مالک، یمن کا باشندہ اور عظمت و شوکت میں سبا کا مقابل اور یہ تمام باتیں لقمانِ عاد پر صادق آتی ہیں۔

"عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا اس میں چند حسب ذیل فقرے ہیں۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے"۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان، لقمان کے "اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے[1]

قرآن عزیز اور حضرت لقمان

حضرت لقمان کا ذکر قرآن عزیز نے بھی کیا ہے اور قرآن کی ایک سورۃ کا نام اسی تقریب سے سورۂ لقمان ہے اور اگرچہ اس نے اپنے پیش نظر مقصد کی خاطر ان کے نسب و خاندان کی بحث میں جانا پسند نہیں کیا تاہم ان کے حکیمانہ مقولات کا جس انداز میں ذکر کیا ہے اس سے لقمان کی شخصیت پر ایک حد تک روشنی ضرور پڑتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ ان کو بیان کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے کہ مسطورۂ بالا ہر دو رایوں میں سے کون سی رائے صحیح یا قرینِ قیاس ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ	اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (اور کہا کہ) اللہ کا
اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَّشْكُرْ	شکر ادا کر و پس جو شخص اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے
فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ	نفس کے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے

---

[1] ارض القرآن ج ۱ ص ۱۸۱ و ۱۸۲

Marfat.com

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ
قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ
الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَ
وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ
وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝
وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ
اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ
فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ
اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ
اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ
اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى

تو اللہ بے پرواہ ہے مالک حمد ہے اور جس وقت لقمان
نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے بیٹے
اللہ کا شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے
اور ہم نے حکم کیا انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں
"کہ اٹھاتی ہے اس کو اس کی ماں تکلیف در تکلیف جھیل کر
اور دو برس کے اندر دودھ پلاتے رہنا" یہ کہ میرا شکر گزار
بن اور اپنے والدین کا شکر گزار رہو، آخر میری ہی جانب
لوٹنا ہے اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر سختی کریں اس بارہ میں
کہ میرا شریک ٹھہرا کہ جس کے متعلق وہ نادانی اور جہالت
میں ہیں تو اس میں ان دونوں کی پیروی نہ کر اور دنیوی زندگی
میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر اور پیروی اس شخص کی کر کہ
جو صرف میری ہی جانب رجوع کرتا ہے پھر میری ہی جانب
تم سب کو لوٹنا ہے۔ پس میں اس وقت تم کو تمہارے کئے
کی خبر دوں گا "اے میرے بیٹے بلاشبہ اگر رائی کے
دانہ کی برابر بھی کوئی چیز چھوٹی ہوتی ہے اور وہ پتھر
کے اندر یا آسمانوں یا زمینوں میں کہیں بھی ہو اللہ
اس کو لے آتا ہے۔ بے شک اللہ دقیق مشاہدہ
کرنے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے
قائم کر نماز کو اور حکم کر بھلائی کا اور برائی سے منع
کر اور جو تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بلاشبہ یہ عزائم
امور میں سے ہے اور تو اپنے رخساروں کو لوگوں سے

Marfat.com

مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ

(از راہ تکبر) نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل بے شبہ اللہ تعالیٰ کسی تکبر اور شیخی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو نرم و پست کر۔ بے شبہ گدھے کی آواز بہت ہی ناپسندیدہ آواز ہے۔

ان آیات میں لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کی ہیں اور حکمت و دانائی کی باتیں بتائی ہیں ان میں ان باتوں پر بھی زور دیا ہے کہ (۱) لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا چاہیئے یہ نہ ہو کہ از راہِ غرور منہ موڑ لیا جائے (۲) اور نہ خدا کی زمین پر اکڑ کر چلو، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ خدائے تعالیٰ مغرور اور اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (۳) ہمیشہ رفتار میں متواضعانہ میانہ روی قائم رہنی چاہیئے (۴) اور آواز کو گفتگو میں نرم رکھو اس لئے کہ چیخنا چلانا انسانوں کا کام نہیں ہے اگر کرخت اور بے وجہ بلند آواز پسندیدہ چیز ہوتی تو گدھے کی آواز قابل ستائش سمجھی جاتی حالانکہ اس کی آواز بدترین آواز شمار ہوتی ہے۔

حکیم لقمان اگر غلام ہوتے تو اپنے بیٹے غلام زادہ کو یہ نصائح نہ کرتے اس لئے کہ غرور و نخوت، خود بینی و شیخی، کرختگی و خشونت ایسے اوصاف ہیں جو بادشاہوں، شاہزادوں متمول و صاحبِ اقتدار انسانوں کے اندر ہی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور یہ ناخدا ترس اور نشہ دولت میں چور دولت مندوں ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے اور یہ وہ تمام اوصاف و عادات ہیں جو عموماً متکبرین اور جبابرہ کے لئے مخصوص ہیں، غلام اور غلام زادہ کے لئے نہ ان کا موقع ہے اور نہ فرصت کیونکہ ان کا وقت عزیز تو دوسروں کی نیاز مندی اور خدمت گذاری ہی کے لئے وقف ہوتا ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی لئے یہ فرمایا ہے۔

Marfat.com

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اس تفصیل کے بعد جو کہ قرآنِ عزیز سے ماخوذ ہے اب ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ لقمان حکیم اور لقمانِ عاد ایک ہی شخصیت ہے اور وہ عادِ ثانیہ کے نیک نفس بادشاہ اور حضرت ہود علیہ السلام کے پیرو تھے اور حبشی الاصل نہیں بلکہ عربی الاصل تھے اور صاحب سیرت محمد بن اسحاق کی نقل اور شاعر جاہلی سلمی بن ربیعہ کی شہادت اس مسئلہ میں صحیح اور راجح ہیں اور عادِ ثانیہ کے زمانہ کے حجری کتبہ میں جو کہا گیا ہے اس سے مراد وہی صحیفہ لقمان ہے جو عرب میں مشہور و معروف تھا۔

ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ان مرفوعہ روایات کو پیش کر کے ہمارے دعوے کی تردید کی جائے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ لقمان حکیم حبشی الاصل تھے مگر واضح رہے کہ صاحب جرح و تعدیل محدثین نے ان روایات کے رفع کو صحیح تسلیم نہیں کیا اور ان میں سے بعض کو ضعیف اور منکر قرار دیا ہے یعنی محدثین کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہے کہ لقمان حبشی غلام تھے۔

نبوت یا حکمت اگرچہ محمد بن اسحاق کی روایت "عن ابن عباسؓ" میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے لیکن قرآنِ عزیز کا اسلوبِ بیان اس کی موافقت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ سورۂ لقمان میں باوجود اس امر کے کہ ان کی بعض حکیمانہ نصائح اور بلیغانہ وصایا کا ذکر بصراحت مذکور ہے لیکن کسی ایک جملہ میں بھی ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا کہ جو ان کی "نبوت" پر دلالت کرتا ہو اسی لئے جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی دوسرا قول اس قول کے خلاف مذکور ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں۔

والمشهور عن الجمهور انه	اور جمہور کا مشہور قول یہ ہے کہ لقمان خدا کے ولی اور
كان حكيماً ولياً ولم يكن نبياً	حکیم دانا تھے نبی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا قرآن
وقد ذكره الله تعالى فى القرآن	میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف کی اور ان کے اس
فاثنى عليه وحكى من كلامه	کلام کو بیان کیا جس میں انھوں نے اپنے بیٹے کو جو کہ

Marfat.com

فیما وعظ بہ ولدہ الذی	خدا کی مخلوق میں ان کے لئے سب سے زیادہ
ھو احب الخلق الیہ[۵]	محبوب تھا" نصیحت کی ہے۔
"ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ" قال	"وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ" یعنی دانائی اور اسلام
یعنی الفقہ والاسلام ولم	اور وہ نبی نہیں تھے اور نہ ان پر وحی نازل ہوئی اور
یکن نبیا ولم یوحٰ الیہ ھکذا	بہت سے سلف سے یہی ثابت ہے مثلاً مجاھد سعید
نص علی ھذا غیر واحد	بن مسیب اور ابن عباس وغیرہ
من السلف منھم مجاھد	
وسعید بن المسیب وابن عباس	
واللہ اعلم[۵]	

چند تفسیری مطالب (۱) حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو اہم نصیحت کی وہ شرک باللہ سے اجتناب اور توحید کا التزام ہے کیونکہ "دین حق" میں یہی وہ حقیقت ہے جو حنیف کو مشرک سے ممتاز کرتی ہے اور شرک ہی ایسا گناہ ہے جو کسی حالت میں بھی قابلِ بخشش نہیں مگر یہ کہ اس سے تائب ہو جائے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ	بے شک جو خدا کے ساتھ شرک کرتا ہے اس کو
بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ	خدائے تعالیٰ نہیں بخشے گا اور کفر و شرک کے علاوہ
لِمَنْ یَّشَآءُ	گناہ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

(۲) حضرت لقمان نے شرک کو "ظلم عظیم" فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں بخاری کی ایک روایت ہے، وہ یہ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ خدا کی مغفرت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا" تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت شاق گذری اور انھوں نے خدمتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسا تو کوئی شخص بھی نہ ہوگا جس نے خدائے تعالیٰ کے احکام کے پیش نظر کچھ نہ کچھ ظلم نہ کیا ہو، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

[۴]ج ۲ ص ۱۲۵ - [۵] ایضاً

Marfat.com

انہ لیس بذاک الم تسمع الی قول لقمان یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ؎	آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا "اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھیرا، بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آیت "لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" میں ظلم سے مراد "شرک" ہے نہ کہ معصیت صغائر وکبائر۔

(۳) سورۂ لقمان میں "وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ" سے "لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" تک اور پھر یٰبُنَیَّ سے "لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ" تک حضرت لقمان کے مقولات بیان کیے گئے ہیں اور درمیان میں "وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ" سے "اُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" تک بطور جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے تو اس کے لئے وجہ مناسبت یہ ہے کہ جب قرآن نے ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا جس میں باپ نے بیٹے کو پند ونصائح کیے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کو یہ نصیحت کرنا ضروری سمجھا کہ جب باپ اور ماں کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیوی اور اخروی کسی معاملہ میں بھی اولاد کو بے راہ دیکھنا نہیں چاہتے تاکہ انجام کار اولاد کو دکھ جھیلنا نہ پڑے تو اولاد کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ خدا کی صحیح اور حقیقی معرفت کے بعد سب سے زیادہ والدین کی خدمت اور ان کی رضا جوئی کو مقدم سمجھے حتیٰ کہ اگر والدین کافر ومشرک ہوں تب بھی اس کا فرض ہے کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک تواضع اور نیازمندی کو ہاتھ سے نہ دے۔ البتہ اگر وہ دین حق سے اعراض اور شرک کے اختیار پر اصرار کریں تو اس کو قبول نہ کرے اس لئے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت بھی درست نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے "لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" لیکن اس مکالمہ میں بھی اپنے انکار کے وقت نرمی اور حسن خطابت کو نہ چھوڑے اور درشت کلامی اختیار نہ کرے۔

(۴) سورۂ لقمان میں جو نصائح مذکور ہیں ان میں حسن خلق اور تواضع کی ترغیب اور کبر وشیخی

؎ بخاری کتاب التفسیر

Marfat.com

اور بد خلقی کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت لقمان نے امر و نہی میں ان باتوں کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے انتخاب فرمایا ہے کہ کائنات میں جس قدر بھی بھلائی اور برائی پیش آتی ہے ان سب کی جڑ اور بنیاد یہی امور ہیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امتِ مرحومہ کو ان امور کی اہمیت پر بہت زیادہ توجہ دلائی ہے۔

حُسنِ خلق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم حسن الاخلاق[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شبہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ محاسن اخلاق کو درجۂ کمال تک پہونچاؤں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قیل یا رسول اللہ ای المؤمن افضل قال احسنھم خلقاً[2] عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد لیبلغ بحسن خلقہ درجات الآخرۃ وشرف المنازل و انہ لضعیف العبادۃ وانہ لیبلغ بسوء خلقہ درک جہنم وھو عابد[3]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کون سا مسلمان سب سے زیادہ صاحب فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ حسنِ اخلاق رکھتا ہو وہی سب سے زیادہ افضل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ ایک بندہ باوجود عبادت میں کمزور ہونیکے اپنے حسنِ اخلاق کیوجہ سے آخرت کے بلند درجات اور منازل علیا کو حاصل کر لیتا ہے اور عابد ہونیکے باوجود بد خلقی کی وجہ سے جہنم پاتا ہے۔

وقال میمون بن مہران عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ذنب اعظم عند اللہ من سوء الخلق[4]

میمون بن مہران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک بد خلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

---

[1] موطا امام مالکؒ [2] بیہقی [3] معجم طبرانی (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵)، [4] تفسیر ابن کثیر ج ۳

Marfat.com

تواضع	قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوبیٰ للاتقیاء الاخفیاء الذین اذا حضروا لم یعرفوا واذا غابوا لم یتفقدوا واولئک مصابیح مجردون من کل فتنۃ غبراء مشتتۃ[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بشارت ہے نکوکار بےنفس لوگوں کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ مجلس میں موجود ہوں تو کوئی تعارف نہ کرے اور جب غائب ہو جائیں تو کوئی تلاش نہ کرے۔ یہی ہیں روشن چراغ اور ہر تاریک و پراگندہ فتنہ سے محفوظ
کبر و غرور	عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر[2]	عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں وہ شخص ہرگز داخل نہ ہو گا جس کے قلب میں ذرہ کی مقدار بھی غرور و کبر ہو گا۔
	عن عبد اللہ بن عمرو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر اکبہ اللہ علی وجہہ فی النار[3]	حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہے اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اوندھے منہ گرا دے گا۔
	عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ[4]	حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے لباس کو ازراہ غرور زمین پر کھینچتا ہوا چلتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی جانب نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔

[1] ایضاً [2] اصحاب السنن [3] اصحاب السنن [4] مسلم

Marfat.com

(۵) حضرت لقمان نے درشت اور کرخت آواز سے بات چیت کرنے کو بھی منع فرمایا ہے اور یہ بہت واضح بات ہے اس لئے کہ نرم گفتاری حسنِ خلق کا شعبہ اور درشت وکرخت لہجہ بدخلقی کا جز ہے اور اسی بنا پر اس طرز گفتگو کو "صوتِ حمار" سے متشابہ بتایا گیا اور نہیقِ حمار کے متعلق یہ حدیث بہت معروف و مشہور ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم
عن النبی صلی الله علیه	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم مرغ
وسلم قال اذا سمعتم صیاح	کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے فضل طلب کرو اور
الدیکة فاسئلوا الله من فضله	گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو
واذا سمعتم نهیق الحمیر	اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز کرتا ہے
فتعوذوا بالله من الشیطان	
فانها رأت شیطانا [۱]	

یعنی مرغ کی آواز ملائکۃ اللہ کے نزول کی دلیل ہے کیونکہ وہ سحر میں تسبیح کا عادی ہے اور حمار کی آواز نزولِ شیاطین کا پتہ دیتی ہے اس لئے کہ ہر مکروہ اور فطرتِ سلیم کو ناگوار شے شیطان کے لئے محبوب ہے۔

(۶) حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کی ہیں ان میں یہ بھی کہا ہے کہ "زمین پر اکڑ کر نہ چلو" اس مضمون کو قرآن عزیز نے دوسری جگہ عجیب انداز سے بیان کیا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا	اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل تو اپنے اس انداز رفتار سے
إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ	نہ زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا	طویل ہو جائے گا

مغرور انسان کے انداز رفتار کو کس معجزانہ بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے گویا وہ اس طرح چلتا ہے کہ اپنی اکڑی ہوئی بلند گردن کے ذریعہ پہاڑوں کی بلندی سے بھی اونچا ہو جانا چاہتا ہے اور قدم کو اس طرح

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱

Marfat.com

زمین پر رکھتا ہے کہ گویا اس کو پھاڑ ڈالے گا۔ مگر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ان میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکے گا
پھر بلاوجہ اکڑ کر چلنے کے کیا معنی ؟

اور اس کے برعکس متواضع اور با اخلاق انسانوں کی یہ کیفیت ہے کہ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ	اور جو رحمان کے بندے (یعنی حکم بردار بندے) ہیں تو
یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا	زمین پر وقار اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے
وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ	جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ (جہالت سے بچنے کے
قَالُوْا سَلٰمًا (فرقان)	لئے) اسلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

حکمتِ لقمان گذشتہ سطور میں یہ ذکر آچکا ہے کہ عرب میں حکمتِ لقمان کا کافی چرچا تھا اور وہ اکثر مجالس میں ان کے حکیمانہ اقوال کو نقل کرتے رہتے تھے چنانچہ تابعین صحابہ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس سلسلہ کے بعض اقوال منقول ہیں اور ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) حکمت و دانائی مفلس کو بادشاہ بنا دیتی ہے (۲) جب کسی مجلس میں داخل ہو تو اول سلام کرو پھر ایک جانب بیٹھ جاؤ اور جب تک اہلِ مجلس کی گفتگو نہ سن لو خود گفتگو شروع نہ کرو پس اگر وہ خدا کے ذکر میں مشغول ہوں تو تم بھی اس میں سے اپنا حصہ لے لو اور اگر وہ فضولیات میں مشغول ہوں تو وہاں سے علیحدہ ہو جاؤ اور دوسری کسی عمدہ مجلس کو حاصل کرو (۳) اللہ تعالیٰ جب کسی کو امانت دار بنائے تو امین کا فرض ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے (۴) اے بیٹے خدائے تعالیٰ سے ڈر اور ریاکاری سے خدا کے ڈر کا مظاہرہ نہ کر کہ لوگ اس وجہ سے تیری عزت کریں اور تیرا دل حقیقۃً گنہگار ہے (۵) اے بیٹے جاہل سے دوستی نہ کر کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ تجھ کو اس کی جاہلانہ باتیں پسند ہیں اور دانا کے غصہ کو بے پرواہی میں نہ ٹال کہ کہیں وہ تجھ سے جدائی نہ اختیار کرلے (۶) واضح رہے کہ داناؤں کی زبان میں خدا کی طاقت ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی کچھ نہیں بولتا مگر یہ کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ اسی طرح کرنا چاہتا ہو (۷) اے بیٹے خاموشی میں کبھی ندامت اٹھانی نہیں پڑتی اور اگر کلام چاندی ہے تو سکوت سونا ہے (۸) بیٹا ہمیشہ شر سے دور رہو تو شر تم سے دور رہے گا اس لئے کہ شر سے ہی شر پیدا ہوتا ہے (۹)

Marfat.com

بیٹا غیظ و غضب سے بچو اس لئے کہ شدتِ غضب دانا کے قلب کو مردہ بنا دیتی ہے (۱۰) بیٹا خوش کلام بنو، طلاقتِ وجہ اختیار کرو تب تم لوگوں کی نظروں میں اس شخص سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤ گے جو ہر وقت ان کو داد و دہش کرتا رہتا ہو (۱۱) نرم خوئی دانائی کی جڑ ہے (۱۲) جو بوؤ گے وہی کاٹو گے (۱۳) اپنے اور اپنے والد کے دوست کو محبوب رکھو (۱۴) کسی نے لقمان سے دریافت کیا سب سے زیادہ صابر کون شخص ہے؟ کہا جس کے صبر کے پیچھے ایذا نہ ہو، پھر دریافت کیا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ جواب دیا جو دوسروں کے علم کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے پھر سوال کیا سب سے بہتر آدمی کون سا ہے فرمایا "غنی" سائل نے پھر کہا غنی سے مالدار مراد ہے؟ جواب میں کہا نہیں بلکہ غنی وہ ہے جو اپنے اندر خیر کو تلاش کرے تو موجود پائے ورنہ خود کو دوسروں سے مستغنی رکھے (۱۵) کسی نے دریافت کیا بدترین انسان کون سا ہے فرمایا جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اس کو برائی کرتا دیکھ کر برا سمجھیں گے (۱۶) بیٹا تیرے دسترخوان پر ہمیشہ نکوکاروں کا اجتماع رہے تو بہتر ہے اور مشورہ صرف علماء حق ہی سے لینا [۱]

مواعظ (۱) انسان اگر نبی معصوم اور پیغمبر بھی نہ ہو مگر حکمت و دانائی سے مشرف ہو تب بھی خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ عظیم الشان ہے، اسی لئے حضرت لقمان کو یہ عزت ملی کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ان کی ثنا و توصیف فرمائی اور امتِ مرحومہ کے لئے ان کی بعض ان نصائح اور وصایا کو نقل فرمایا جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں حتیٰ کہ قرآن کی ایک سورۃ ان کے نام سے منسوب ہوئی۔

(۲) شرک باللہ تمام بھلائیوں کو مٹا کر انسان کو خدا کے سامنے خالی ہاتھ لے جاتا ہے اس لئے ہمیشہ اس سے پرہیز لازم ہے۔

شرکِ جلی کی طرح شرکِ خفی بھی اعمالِ انسانی کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے اور شرکِ خفی میں ریا، نمائش اور شہرت پسندی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۳) والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی عظمت کو اسلام میں اس درجہ اہمیت حاصل ہے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۳ و تاریخ ابن کثیر ج ۲ ماخوذ از امام احمد

Marfat.com

کہ قرآن عزیز نے ان کو رب مجازی کہا ہے اور ان کی خدمت اور ان کے سامنے سر نیاز جھکا دینے کو والدین کے اسلام و کفر دونوں حالتوں میں ضروری قرار دیا ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر جگہ جگہ اپنے حق یعنی توحید باللہ کے ساتھ ساتھ حقوق والدین کا ذکر کیا اور ان کو تمام حقوق پر مقدم رکھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ	اور حکم کر چکا تیرا رب کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں
اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا	باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہونچ جائے تیرے
يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُ	سامنے بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں تو ان کو
هُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ	"اُف" بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب
اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا	کے ساتھ بات کرو اور ان کے سامنے عاجزی کے
قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا	ساتھ کاندھے جھکا دو نیاز مندانہ طریقہ پر اور کہو اے
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	رب ان پر رحم کر جس طرح پالا انھوں نے مجھ کو چھوٹا
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ	سا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں
صَغِيْرًا۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ	ہے اگر تم نیک نفس ہو گے تو وہ رجوع ہونے
نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ	والوں کو بخشتا ہے۔
فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا	

اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق احادیث تو بہت کثرت سے ذخیرہ حدیث میں پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ یہ کہا گیا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے[1]۔

---

[1] نسائی

Marfat.com

اصحابِ سبت

سنہ ۱۱ ق۔م (تخمیناً)

قرآن عزیز اور اصحاب سبت، سبت اور اس کی حرمت، واقعہ کی تفصیلات
تعینِ مقام، زمانۂ حادثہ، چند تفسیری حقائق، حقیقتِ مسخ، مسخ شدہ اقوام کا
انجام دنیوی، حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ کا مکالمہ، بصائر

قرآن عزیز اور اصحاب سبت

قرآنِ عزیز میں اصحاب سبت کا ذکر سورۂ بقرہ، نسا، مائدہ، اور اعراف میں کیا گیا ہے جس کی تفصیل ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

شمار	سورۃ	آیات	عدد
۱	بقرہ	۶۵-۶۶	۲
۲	نساء	۴۷	۱
۳	مائدہ	۶۰	۱
۴	اعراف	۱۶۳، ۱۶۶	۴
			۸

سبت اور اس کی حرمت

قصص القرآن کے گذشتہ مباحث میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ سے "دینِ حنیف" یعنی خدا کے سچے دین کی تعلیم کا سلسلہ ان کی دو شاخوں بنو اسمٰعیل اور بنو اسحاق کے ذریعہ قوموں اور ملکوں میں پھیلا ہے اس لئے ان دونوں سلسلوں میں "شعائر اللہ" کے

Marfat.com

متعلق یکساں اصول پائے جاتے ہیں مگر حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے صاحبزادہ اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی اولاد نے جو کہ بنی اسرائیل کہلاتی ہے اپنے زمانہ کے انبیاء علیہم السلام سے اختلاف اور جھگڑے کر کے بعض معاملات میں تشدد اور سختی کے احکام اور بعض معاملات میں ملتِ ابراہیمی سے جدا احکام کا بار اپنے کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔ مثلاً حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی امت میں عبادتِ الٰہی کے لئے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ میں یہود، بنی اسرائیل نے اپنی روایتی کج روی کی بنا پر حضرت موسیٰؑ سے یہ اصرار کیا کہ ان کے لئے ہفتہ (سنیچر) کا دن عبادت و برکت کا دن" مقرر کر دیا جائے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پہلے تو ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے غلط اصرار سے باز آجائیں اور ملتِ ابراہیمی کے اس امتیاز کو جو خدا کے برتر کے نزدیک پسندیدہ و مقبول ہے" ہاتھ سے ضائع نہ ہونے دیں لیکن جب ان کا اصرار حد سے متجاوز ہو گیا تو وحیِ الٰہی نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ اطلاع دی کہ خدائے تعالیٰ ان کے اصرارِ بیجا کے نتیجہ میں جمعہ کی سعادت و برکت کو ان سے واپس لے لیتا اور ان کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے ان کے لئے ہفتہ (سنیچر) کو جمعہ کا قائم مقام بنائے دیتا ہے۔ لہٰذا اب آپ ان کو مطلع کر دیں کہ وہ اپنے اس مطلوبہ دن کی عظمت کا پاس و لحاظ کریں اور اس کی حرمت کو قائم رکھیں (کیا) ہم اس دن میں ان کے لئے خرید و فروخت زراعت و تجارت اور شکار کو حرام کرتے اور اس کو صرف عبادت کے لئے مخصوص کئے دیتے ہیں۔

قرآن عزیز نے بھی مختصر الفاظ میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے ہفتہ میں عبادت کے لئے ایک دن مخصوص کرنے کے متعلق اپنے پیغمبر (موسیٰ) علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ (نحل)	بیشک سبت کا دن ان لوگوں کیلئے (عبادت کا دن) مقرر کیا گیا جو اسکے متعلق جھگڑا کرتے تھے اور یقیناً تیرا رب ضرور قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دیگا کہ جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے تھے اس میں حق کیا تھا اور باطل کیا؟

Marfat.com

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تقرر سبت (سنیچر) کے بعد بنی اسرائیل سے عہد میثاق لیا کہ وہ اسکی حرمت کو برقرار رکھیں گے اور عبادتِ الٰہی کے سوا ان باتوں کو اس دن میں اختیار نہیں کرینگے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دیا ہے۔

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ	اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) سے کہا: سبت (ہفتہ) کے بارہ میں
وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا	حد سے نہ گزرنا (خلاف ورزی نہ کرنا) اور ہم نے ان سے اس کے متعلق
غَلِيظًا (آل عمران)	بہت سخت قسم کا عہد و پیمان لیا۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم دنیا میں سب سے آخر آنیوالے ہیں آخرت میں سب سے مقدم ہوں گے خصوصاً اہلِ کتاب سے جو کہ ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور یہ (جمعہ کا دن) ہم سب سے پہلے ان اہلِ کتاب پر فرض کیا گیا تھا مگر انھوں نے اسکے متعلق اختلاف ظاہر کیا اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس (جمعہ کے دن) کو قبول کر لینے کی ہدایت و توفیق دی سو دنیا میں بھی وہ اس معاملہ میں ہم سے پیچھے رہ گئے اس لئے کہ یہود کا روز عبادت جمعہ سے ایک دن بعد (سنیچر) ہے اور نصاریٰ کا اس کے بعد (اتوار) کا دن ہے۔[۱]

عن ابی هریرة وحذیفة (رضی الله	حضرت ابوہریرہ اور حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا رسول اللہ
عنهما) قال قال رسول الله صلی الله	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے گذر چکے
علیه وسلم: اضل الله عن الجمعة من	جمعہ کے دن سے محروم کر دیا سو یہود کے لئے سبت (سنیچر) کا دن ٹھہرا اور
کان قبلنا فکان للیهود یوم السبت	نصاریٰ کے لئے اتوار کا پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں بھیجا اور جمعہ
وکان للنصاریٰ یوم الاحد فجاء الله	کے دن کے متعلق ہماری راہنمائی فرمائی اور اسطرح جمعہ سنیچر اور
بنا فهدانا الله لیوم الجمعة فجعل	اتوار علیحدہ علیحدہ امتوں کے لئے مقرر ہو گئے لہٰذا اسی طرح یہ سب
الجمعة والسبت والاحد وکذلك	امتیں قیامت کے دن ہماری تابع ہونگی اور ہم جو دنیا میں آخر میں
هم تبع لنا یوم القیمة نحن الآخرون	ہیں قیامت میں پاداش عمل کے اعتبار سے مقدم
من اهل الدنیا والاولون یوم القیمة	ہوں گے اور تمام مخلوق سے قبل ہمارا ہی فیصلہ ہوگا۔
والمقضی بینهم قبل الخلائق[۲]	

[۱] بخاری۔ شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ منجانب اللہ تو یہ حکم ہوا تھا کہ ہفتہ میں سے ایک روز عبادت کے لئے مقرر کر لو اور تعیین امم کی فطرت پر چھوڑ دی گئی تھی چنانچہ تمام امم کے مقابلہ میں صرف ہم نے ہی جمعہ کا انتخاب کیا۔ [۲] مسلم

Marfat.com

سبت کی حرمت کے متعلق موسوی قانون میں بنی اسرائیل کو کیا ہدایات تھیں وہ تورات کے اس بیان سے بھی ظاہر ہوتی ہیں ۔

پھر خداوند نے موسیٰ سے ہم کلام ہو کے کہا تو بنی اسرائیل کو فرما اور ان کو کہہ کہ تم میرے سبتوں کو مانو اس لئے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان تمہارے قرنوں میں نشانی ہے تاکہ تم جانو کہ میں خداوند تمہارا پاک کرنے والا ہوں ۔ پس تم سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم سے کٹ جائے ۔ چھ دن کام کرنا لیکن ساتوں دن آرام کے لئے سبت ہے وہ خداوند کے لئے مقدس ہے ۔ پس بنی اسرائیل سبت کو مانیں اور اسے اپنی پشت در پشت عہد ابدی جان کے اس میں آرام کریں میرے اور بنی اسرائیل کے درمیان یہ علامت ابدی ہے[1]

واقعہ کی تفصیلات غرض ایک طویل مدت تک یہود بنی اسرائیل اپنے مطلوبہ روز عبادت (سبت) کی عزت و حرمت میں خدا کے لئے ہوئے عہد و پیمان پر قائم رہے اور جن باتوں کو اس دن میں حرام کر دیا گیا تھا ان سے بچتے رہے مگر آہستہ آہستہ ان کی کج روی اور متمردانہ سرکشی بروئے کار آگئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی" جو کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی معرفت سبت سے متعلق ان پر لازم کئے گئے تھے" خلاف ورزی شروع کر دی اور اگرچہ شروع میں یہ خلاف ورزی انفرادی اور خفیہ طریق پر ہوتی رہی مگر رفتہ رفتہ اس نے علی الاعلان جماعتی حیثیت اختیار کر لی اور بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ اس کو کیا جانے لگا بلکہ بہانے حیلے تراش کر اپنی اس بدعملی پر فخر کیا جانے لگا ، تب خدا کے عذاب نے ان کو آپکڑا اور وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کر دئے گئے ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارک سے عرصہ دراز کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی ۔ چونکہ یہ لوگ ساحل کے باشندے تھے اس لئے مچھلی ان کا قدرتی شکار تھا اور وہ اس کو بہت محبوب مشغلہ سمجھتے اور اس کی خرید و فروخت

[1] خروج باب ۳۱ آیات ۱۲ - ۱۷

Marfat.com

کاروبار کرتے تھے یہ لوگ ہفتہ کے چھے دن مچھلی کا شکار کھیلتے اور سبت کا روز عبادتِ الٰہی میں صرف کرتے اس لئے قدرتی طور پر مچھلیاں چھے روز جان بچانے کی خاطر پانی کی تہہ میں پوشیدہ رہتیں اور سبت کے روز پانی کی سطح پر تیرتی نظر آتی تھیں۔ ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے اس طریقہ سے ان کو آزمایا اور ان کی قوتِ ایمانی کا امتحان لیا حتیٰ کہ سبت کے علاوہ ہفتہ کے باقی دنوں میں مچھلیوں کا حاصل ہونا مشکل تر ہوگیا اور چھے دن یہ کیفیت رہنے لگی کہ گویا قلزم میں مچھلی کا نام و نشان باقی نہیں رہا مگر سبت کے روز وہ اس کثرت سے پانی پر تیرتی نظر آتیں کہ جال اور کانٹے کے بغیر ہاتھوں سے آسانی گرفت میں آسکتی تھیں۔

کچھ دنوں تک تو یہود اس حالت کو صبر آزما طریقہ پر دیکھتے رہے آخر نہ رہ سکے اور ان میں سے بعض بعض نے خفیہ طریقوں سے ایسے حیلے ایجاد کر لئے کہ جس سے یہ بھی ظاہر نہ ہوسکے کہ وہ سبت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور سبت کے دن مچھلیوں کی کثرتِ آمد سے بھی فائدہ اٹھالیں چنانچہ بعض تو یہ کرتے کہ جمعہ کی شام کو قلزم کے قریب گڑھے کھود لیتے اور دریا سے ان گڑھوں تک نہر کی طرح ایک گول نکال لیتے اور جب سبت کے روز سطحِ آب پر مچھلیاں تیرنے لگتیں تو وہ دریا کے پانی کو کھول دیتے تاکہ پانی گڑھوں میں چلا جائے اور اس طرح مچھلیاں بھی پانی کے بہاؤ سے ان میں چلی جائیں اور جب سبت کا دن گذر جاتا تو یک شنبہ (اتوار) کی صبح کو ان مچھلیوں کو گڑھوں میں سے نکال کر کام میں لاتے۔

اور بعض یہ کرتے کہ جمعہ کے روز دریا میں جال اور کانٹے لگا آتے تاکہ سبت کے روز ان میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کی صبح کو ان جالوں اور کانٹوں میں گرفتار مچھلیوں کو پکڑ لاتے اور یہ سب اپنی ان ترکیبوں پر بے حد مسرور نظر آتے تھے چنانچہ جب ان کے علماء حق اور مخلصینِ امت نے ان کو اس حرکت سے روکا تو انھوں نے معترضین کو یہ جواب دیا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ سبت کے دن شکار نہ کرو لہٰذا ہم اس کی تعمیل میں سبت کے دن شکار نہیں کرتے بلکہ اتوار کے روز کرتے ہیں باقی یہ ترکیبیں منع نہیں ہیں اور اگرچہ ان کا دل اور ضمیر ملامت کرتا تھا مگر کجروی یہ جواب دے کر ان کو مطمئن کر دیتی تھی کہ ہمارا یہ حیلہ خدا کے یہاں ضرور چل جائیگا۔

Marfat.com

اصل بات یہ تھی کہ وہ دین کے احکام پر صداقت وسچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور اسی لئے شرعی حیلے نکال کران کے امتثال سے بچنا چاہتے تھے، گویا خود فریبی میں مبتلا تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے، چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ ان چند حیلہ جو انسانوں کی ان حرکات کا علم دوسرے حیلہ ساز افراد کو بھی ہوا اور انھوں نے بھی ان کی تقلید شروع کر دی اور آخر کار بستی کی ایک بہت بڑی جماعت بہانگِ دہل ان حیلوں کی آڑ میں سبت کی حرمت کی خلاف ورزی کرنے لگی۔

اس جماعت کی یہ ذلیل حرکات دیکھ کر بستی ہی میں سے ایک سعادت مند جماعت نے کمر ہمت چست کی اور ان کے مقابل آکر ان کو اس بدعملی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا مگر انھوں نے کچھ پرواہ نہیں کی اور اپنی حرکت پر قائم رہے تب سعادت مند جماعت کے دو حصے ہو گئے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنا اور سمجھانا بے کار ہے یہ باز آنے والے نہیں کیونکہ یہ اس کام کو اگر گناہ سمجھ کر کرتے تب تو یہ توقع تھی کہ شاید کسی وقت باز آکر تائب ہو جائیں۔ لیکن جب کہ یہ شرعی حیلے تراش کر اپنی بدعملی پر نیکی کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم کو یقین ہوتا جاتا ہے کہ اس جماعت پر بہت جلد خدا کا عذاب آنے والا ہے یا یہ ہلاک کر دئے جائیں گے اور یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ لہٰذا اب ان سے کوئی تعرض

یہ سن کر سعادت مند جماعت کے دوسرے حصہ نے کہا کہ ہم اس لئے ان کو برابر نصیحت کرتے رہنا چاہتے ہیں کہ فردائے قیامت میں اپنے پروردگار کے سامنے یہ عذر پیش کر سکیں کہ ہم نے آخر وقت تک ان کو سمجھایا اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا، لیکن انھوں نے کسی طرح نہیں مانا نیز ہم مایوس نہیں ہیں بلکہ توقع رکھتے ہیں کہ عجب نہیں کہ ان کو توفیق نصیب ہو جائے اور یہ اپنی بدعملی سے باز آجائیں۔

بہر حال حیلہ جو جماعت اپنے حیلوں پر قائم رہی اور سبت کی حرمت اور اس دن میں شکار کی ممانعت کے احکام سے قطعاً غافل اور بے پرواہ ہو کر نڈر اور بے باک ہو گئی تب اچانک غیرت حق کو حرکت ہوئی اور مہلت کے قانون نے گرفت کی صورت اختیار کر لی یعنی خدائے تعالیٰ کا حکم

Marfat.com

ہوگیا کہ جس طرح تم نے میرے قانون کی اصل صورت وشکل کو حیلوں کے ذریعہ مسخ کر دیا قانونِ پاداشِ عمل کے مطابق اسی طرح تمہاری صورت وشکل بھی مسخ کر دی جاتی ہے "تاکہ" پاداشِ عمل از جنسِ عمل" کے مظاہرے سے دوسرے لوگ بھی عبرت وبصیرت حاصل کریں چنانچہ حضرتِ حق جل مجدہ نے "کن" کے اشارہ سے ان کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دیا اور وہ انسانی شرف سے محروم ہو کر ذلیل وخوار حیوانوں میں تبدیل ہو گئے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ سعادت مند جماعت کا جو حصہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا رہا اس نے جب یہ دیکھا کہ متمرد اور سرکش جماعت کسی طرح حق پر کان نہیں دھرتی تو مجبور ہو کر اس نے ان سے ترک تعاون کر لیا اور کھانا پینا اور خرید وفروخت غرض ہر قسم کا اشتراک عمل ختم کر دیا حتیٰ کہ اپنے مکانوں کے دروازوں تک کو ان پر بند کر دیا تاکہ کسی قسم کا بھی اشتراک باقی نہ رہے چنانچہ جس دن بدکرداروں پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو ان کے معاملہ کی اس جماعت کو گھنٹوں خبر نہ ہوئی لیکن جب کافی وقت گذر گیا اور اس جانب سے کسی انسان کی نقل وحرکت محسوس نہ ہوئی تب ان کو خیال ہوا کہ معاملہ دگر گوں ہے لہٰذا وہاں جا کر دیکھا تو صورتِ حال اس درجہ عجیب تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے یعنی وہاں انسانوں کی جگہ بندر اور خنزیر تھے جو اپنے ان عزیزوں کو دیکھ کر قدموں میں لوٹتے اور اپنی حالتِ زار کا اشاروں سے اظہار کرتے تھے۔ سعادت مند جماعت نے باحسرت ویاس ان سے کہا کہ کیا ہم تم کو بار بار اس خوفناک عذاب سے نہیں ڈراتے تھے۔ انھوں نے یہ سنا تو حیوانوں کی طرح سر ہلا کر اقرار کیا اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اپنی ذلت ورسوائی کا دردناک نظارہ پیش کیا

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا	اور (اے گروہ یہود) تم بلاشبہ ان اپنے پیشروؤں میں
مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ	سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سبت کے بارہ میں احکام
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝	الٰہی کی حدود سے متجاوز ہو گئے تھے اور ہم نے انکے لئے کہہ دیا تم
فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا	ذلیل بندر ہو جاؤ پس ہم نے اس بستی کے ان بدبخت لوگوں کو
وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ)	گردو پیش کے لوگوں کیلئے عبرت اور خدا سے ڈرنیوالوں کیلئے نصیحت

Marfat.com

وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ۝

(اعراف)

اور اے پیغمبر (بنی اسرائیل سے) اس شہر کے بارہ میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں سبت کے دن لوگ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے سبت کے دن ان کی (مطلوبہ) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آجاتیں مگر جس دن سبت نہ مناتے نہ آتیں اس طرح ہم انھیں آزمائش میں ڈالتے تھے بسبب ان نافرمانی اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نافرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا تم ایسے لوگوں کو (بیکار) نصیحت کیوں کرتے ہو جنھیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کر دیگا یا نہایت سخت عذاب میں مبتلا کرے گا انھوں نے کہا اس لئے کرتے ہیں تاکہ تمہارے پروردگار کے حضور معذرت کر سکیں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور اس لئے بھی کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انھیں کی گئی تھیں تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت کرنیوالوں کو ایک ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنیوالا عذاب تھا بسبب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے پھر جب وہ

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ

(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے کون سب سے بدتر ہو گا وہ شخص ہو گا جس پر خدا نے لعنت کی اور اس پر غضبناک ہوا اور وہ جس میں سے اس نے

Marfat.com

مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِیۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ۝ (مائدہ)

بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دے اور جس نے ان میں سے شیطان (یا بت) کی پوجا کی۔ یہی ہیں بدترین مرتبہ والے اور سیدھے راستہ سے بہت دور بھٹکے ہوئے (یعنی اے بنی اسرائیل ہم بدترین جزا کے مستحق نہیں ہیں بلکہ تم ہو جن کے یہ کچھ اعمال واطوار ہیں)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ۝ (نساء)

اے اہل کتاب تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے تم پر اتاری ہے جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے (یعنی توراۃ) اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور ان کی پیٹھ پر ان کو لگا دیں یا ہم ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

تعیینِ مقام جس بستی پر یہ حادثہ گذرا اس کا نام کیا ہے؟ قرآن عزیز، سورۂ اعراف میں صرف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ساحلِ بحر پر واقع تھی "اَلۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ"، مگر مفسرین نے اس کی تعیین میں متعدد نام لئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ نقل کی جاتی ہے کہ یہ مدین کا واقعہ ہے اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کا نام متنا تھا اور یہ مدین اور عینونا کے درمیان واقع تھا۔[۱]

اور عکرمہ، مجاہد، قتادہ، سدی، کبیر اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے یہ منقول ہے کہ اس بستی کا نام ایلہ تھا اور یہ بحر قلزم کے ساحل پر واقع تھی، عرب جغرافیہ داں کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص طور سینا سے گذر کر مصر کو روانہ ہو تو طور سینا کی جانب ساحلِ بحر پر یہ بستی ملتی تھی یا یوں کہہ لیجے کہ مصر کا باشندہ اگر مکہ کا سفر کرے تو راہ میں یہ شہر پڑتا تھا، یہی قول راجح ہے۔[۲]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ اعراف و تاریخ ابن کثیر ج ۲ [۲] ایضاً در فتح الباری ج ۶

Marfat.com

زمانۂ حادثہ | شاہ عبدالقادر (نوراللہ مرقدہٗ) اور ان کے اتباع میں بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا ہے لیکن ابن جریرؒ ابن کثیرؒ ابو حیانؒ اور امام رازی (رحمہم اللہ) جیسے جلیل القدر مفسرین کے طرز بیان اور خود قرآن عزیز کے اسلوب سے یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورۂ اعراف میں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہاں یہ بتایا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اہلِ بستی تین جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور ان میں سے ایک جماعت سرکش اور حیلہ جو نافرمانوں کو راہِ ہدایت پر قائم رکھنے کی سعی کر رہی تھی پس اگر یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تو یہ بات بعید از قیاس اور بعید از اسلوبِ قرآن تھی کہ وہ ایسے موقعہ پر جب کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت پر مسخ کا عذاب مسلط ہونے کا ذکر کر رہا ہو اس زمانہ کے پیغمبر کا اس سلسلہ میں قطعاً کوئی ذکر نہ کرے اور یہ نہ بتائے کہ نافرمان قوم کے اور ان کے درمیان کیا معاملہ پیش آیا نیز سلف صالحین سے بھی کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے کہ جس سے یہ واضح ہوتا ہو کہ یہ واقعہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ میں پیش آیا اور نہ تاریخ ہی اس کے لئے کوئی مواد بہم پہونچاتی ہے۔ اس لئے مذکورۃ الصدر جلیل المرتبت مفسرین نے بھی اس واقعہ سے متعلق چاروں مقامات میں سے کسی ایک مقام کی تفسیر میں بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ واقعہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ میں پیش آیا ہے۔ پھر نہیں معلوم کہ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے یہ کس جگہ سے اخذ فرمایا کہ یہ واقعہ داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ کا ہے ممکن ہے کہ انھوں نے سورۂ مائدہ کی اس آیت سے یہ اندازہ لگایا ہو۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی بنی اسرائیل میں
عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ	سے وہ لوگ لعنت کئے گئے جنھوں نے کفر کیا
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ	اس لئے کہ وہ نافرمانی کے خوگر تھے اور حد سے
(مائدہ ع)	گذرے ہوئے تھے۔

مگر اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اول تو اس مقام پر بنی اسرائیل کی عام

Marfat.com

گمراہی کا تذکرہ ہے۔ خاص سبت کا واقعہ زیر بحث نہیں ہے۔ دوسرے اس میں صرف داؤد علیہ السلام ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا بھی تذکرہ ہے۔ چنانچہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

یخبر تعالیٰ انہ لعن الکافرین	اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں
من بنی اسرائیل من دھر	پر داؤد علیہ السلام کی زبانی زبور میں عرصۂ دراز کے لعنت
طویل فیما انزلہ علی داؤ	کی گئی اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی بھی انجیل میں اس لئے کہ خدا
نبیہ علیہ السلام وعلی لسان	کی نافرمانیوں، مسلسل سرکشیوں اور مخلوق خدا
عیسیٰ ابن مریم بسبب	پر ظلم کرنے کی وجہ سے اسی قابل تھے کہ ان پر
عصیانہم للہ واعتدائہم	لعنت ہوتی رہے (تاکہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں) عوفی
علی خلقہ قال العوفی عن	کہتے ہیں کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے منقول ہے
ابن عباس لعنوا فی التوراۃ	وہ آیت کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل
والانجیل وفی الزبور وفی	میں سے کفر کرنے والوں پر توراۃ انجیل زبور اور
الفرقان[1] الخ	قرآن سب ہی کتابوں میں لعنت کی گئی ہے۔

الحاصل قرآن کے اسلوب بیان اور جلیل القدر مفسرین کی شرح و تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب سبت کا یہ واقعہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت داؤد (علیہ السلام) کے درمیانی زمانہ میں کسی ایسے وقت پیش آیا جب کہ ایلہ میں کوئی نبی موجود نہیں تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ وہاں کے علماء حق ہی کے سپرد تھا اس لئے قرآن عزیز نے صرف ان ہی کا تذکرہ کیا اور کسی نبی یا پیغمبر کا ذکر نہیں کیا۔

چند تفسیری حقائق (۱) سورۂ بقرہ میں اصحاب سبت کے تذکرہ میں ہے "نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا"۔ تو مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا سے کیا مراد ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کے متعدد اقوال میں سے بہتر قول حضرت

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۱

Marfat.com

عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے منقول ہے یعنی اس سے وہ بستیاں مراد ہیں جو ایلہ کے گردوپیش آباد تھیں اور مشہور تابعی سعید بن جبیر کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس لما بین یدیہا	ابن عباس فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ایلہ کے سامنے
من القری وما خلفہا من القری[1]	اور پیچھے جو بستیاں ہیں ان کے لئے ہم نے اس کو عبرت
وقال سعید بن جبیر ای من	بنا دیا اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اس زمانہ
بحضرتہا من الناس یومئذ[2]	میں جو لوگ تھے ایلہ کو ہم نے ان کے لئے سامان عبرت بنا دیا

(۲) اسی واقعہ سے متعلق سورۂ اعراف میں ہے "کَذٰلِکَ نَبْلُوْھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ" یعنی ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہم نے ان کو امتحان و آزمائش میں مبتلا کر دیا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے جمعہ کو یوم عبادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور سبت (سنیچر) کے یوم عبادت بنائے جانے پر موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا تو ہم نے اگرچہ ان کی بات مان لی لیکن سبت کے معاملہ میں ہم نے ان کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا اور آزمائش کا یہ معاملہ مچھلی کے شکار سے متعلق تھا جس کی تفاصیل تم سن چکے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

ان اللہ انما افترض علی بنی	اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں بنی اسرائیل کی عبادت کے
اسرائیل الیوم الذی افترض	لئے اسی طرح جمعہ کو فرض کیا تھا جس طرح ہم پر فرض
علیکم فی عیدکم الیوم الجمعۃ	کیا ہے مگر انھوں نے مخالفت کر کے اس کو سنیچر کے
فخالفوا الی السبت فعظموہ و	دن سے بدل لیا اور اسکی عظمت کرنے لگے اور جمعہ کے بارہ
ترکوا ما امروا بہ فلما ابوا الا لزوم	میں جو حکم ان کو ملا تھا اس کو نہ مانا پس جب وہ سبت پر
السبت ابتلاھم اللہ فیہ[3]	اڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سلسلہ میں آزمائش میں ڈال دیا

(۳) اسی سورہ میں ہے "بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ" اس آیت کی تفسیر میں دو احتمال بیان کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ یہ اجمال ہے اس تفصیلی عذاب کا جو اگلی آیت کُوْنُوْا قِرَدَۃً

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

خاسئین میں بیان ہوا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اول اہل بستی پر ایک نوع کا عذاب آیا تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ یہ سمجھیں کہ وہ ان حیلوں سے خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کے حکم منسوخ کر رہے ہیں مگر انھوں نے اس عذاب سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی تب ان پر مسخ کا عذاب آگیا' جمہور پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۴) سورۂ مائدہ میں ہے "جَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، فرماتے ہیں کہ معذب گروہ کے نوجوان ..... بندر کی شکل میں مسخ کئے گئے اور بوڑھے "خنزیر" کی صورت میں مسخ ہوئے[۱]

حقیقت مسخ (۵) سورۂ بقرہ' مائدہ اور اعراف میں ہے "کُوۡنُوۡا قِرَدَةً خَاسِئِیۡنَ" "وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ" تو انسان کے بندر یا خنزیر ہو جانے کے کیا معنی ہیں؟ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس سے مسخ حقیقی (صوری) مراد ہے اور مشہور تابعی مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مسخ معنوی مراد ہے یعنی وہ حقیقۃً بندر کی شکل میں تبدیل نہیں ہو گئے تھے بلکہ ان کے قلوب مسخ ہو گئے تھے۔

قال مسخت قلوبهم ولم يمسخوا قردة وانما هو مثل ضربه الله "كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا" وهذا سند جيد من مجاهد وقول غريب خلاف الظاهر من السياق في هذا المقام وفي غيره[۲]

مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے قلوب مسخ ہو گئے تھے اور وہ واقعی بندر نہیں بن گئے تھے اور در اصل یہ ایک مثل ہے جیسا کہ قرآن میں یہ مثل ہے "مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا" یعنی اہل کتاب کے تورات و انجیل پڑھنے اور پھر اس کے مطابق عمل نہ کرنے کی مثال ایسی ہے کہ گویا گدھے پر کتابیں لدی ہوئی ہیں مجاہد کا یہ قول انکی جانب صحیح سند سے ثابت ہے مگر یہ غریب انوکھا اور اوپرا قول ہے اور قرآن کے ان تمام مقامات کے ظاہر کے خلاف ہے جو مختلف سورتوں میں اس سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

---

[۱] ابن کثیر ج ۱ [۲] ایضاً سورۂ بقرہ

جمہور کے خلاف مجاہد اپنے اس قول میں منفرد ہیں اور یہ قول ظاہر قرآن کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ سورۂ بقرہ میں واقعہ مسخ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ یہ عذاب جس طرح سرکش اور نافرمان لوگوں کی پاداشِ عمل کے لئے ضروری تھا اسی طرح اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت تھی کہ یہ لرزہ براندام کر دینے والا واقعہ گرد و پیش کے رہنے والوں کے لیے بھی سامانِ عبرت بن جائے چنانچہ ارشاد ہے "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا" پس اگر مسخ کا یہ عذاب صرف مسخ قلوب تک محدود تھا تو گرد و پیش کے بسنے والے کے لئے یہ کس طرح سامانِ عبرت و خوف بن سکتا تھا کیونکہ قلب کے مسخ ہو جانے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ رشد و ہدایت کے قبول سے محروم ہو جائے اور یہ بات دوسروں کی نگاہ میں مشاہد اور محسوس نہیں ہوا کرتی بلکہ ایک معنوی شئے ہے جس کو دوسرا انسان ثمرہ یا نتیجہ اور یا کافی تجربہ کے بعد ہی معلوم کر سکتا ہے۔ نیز عدم قبولِ ہدایت اور انکارِ ہدایت کا معاملہ تو کچھ ان ہی لوگوں کے لئے مخصوص نہیں ہے یہ تو ہر پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کے وقت پیش آتا رہتا ہے، لہٰذا اگر اصحاب سبت کی پیہم سرکشی کی وجہ سے ان کے قلوب مسخ کر دیے گئے یعنی ان سے قبول ہدایت سلب کر لی گئی تو ان میں وہ کیا خاص بات پیدا ہو گئی تھی کہ جس کی وجہ سے مسخ قلوب کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تعبیر اختیار فرمائی "كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ"

علاوہ ازیں اگر اس تعبیر سے صرف مسخ قلوب ہی مراد ہوتا تو بلحاظِ بلاغت یہ کہہ دینا کافی تھا کہ "کونوا قردۃ" "تم بندر کی طرح ہو جاؤ" یعنی جس طرح "بندر" انسان نما شریر و خبیث حیوان ہے اسی طرح تم بھی ہو کہ صورت انسانوں کی مگر قلب میں شرارت و خباثت بندر کی سی ہے اور قردۃ کی صفت خاسئین۔ ذلیل و رسوا "بندر" کے اضافہ کی قطعاً ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ جب ان کی صورتیں بندر کی شکل میں مسخ ہو کر تبدیل نہیں ہو گئی تھیں تو پھر یہ حکمت صحیح نہیں ہو سکتی کہ اگر فقط قردۃ (بندر) کہا جاتا تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں یہ شبہ باقی رہ جاتا کہ جب کہ بعض پالتو بندر پالنے والوں کی نظروں میں پیارے لگتے ہیں تو کسی انسان کے لئے صرف یہ کہہ دینا کہ وہ بندر سا لگتا ہے مذمت کے موقع پر کافی نہیں ہے اس لئے ضروری ہوا کہ "خاسئین" کہہ کر یہ بتا دیا جائے کہ وہ محبوب بندر نہیں

Marfat.com

بلکہ ذلیل و رسوا بندر بنا دیئے گئے۔

یہ حکمت تو جب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ ان انسانوں کو حقیقی طور پر بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا ہو اور چونکہ بعض لوگ بندر کی حرکات سے خوش ہو کر ان کو پالتے اور محبوب رکھتے ہیں لہٰذا ان معذب انسانوں کو بندر کی شکل میں بھی اس طرح مسخ کیا گیا کہ دیکھنے والا ان سے گھن کھائے اور ان کا اپنے قریب آنا بھی گوارا نہ کرے۔

مجاہدؒ کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ یہ اسی طرح ایک مثل ہے جس طرح "کمثل الحمار یحمل اسفارا" عالم بے عمل کے لئے مثل ہے' یہ قول اس لئے درست نہیں ہے کہ قرآن عزیز نے بعض مواقع میں جو مثالیں بیان کی ہیں یا تو وہ "مثل" کہہ کر ہی بیان ہوئی ہیں مثلاً مسطورہ بالا مثال" یا مثلھم کمثل الذی استوقد نارا" منافقین کی مثال "یا مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا" جیسی مثال اور یا وہاں ایسا صاف اور واضح قرینہ موجود ہوتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ حقیقت حال کو "مثل" کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ" میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص ہدایت کو ہدایت سمجھنے کے باوجود قبول نہیں کرتا وہ کانوں سے سنتا ہے مگر اس پر توجہ نہیں کرتا وہ حق کو آنکھوں سے دیکھتا ہے مگر اس سے آنکھیں پھیر لیتا ہے اور اپنی زندگی کو مسلسل ایسی کجروی اور بغاوت پر قائم رکھتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے گویا اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے پس یہاں یہ واضح قرینہ موجود ہے کہ مشرکین مکہ کے نہ کانوں پر مہر لگی ہوئی تھی اور نہ دلوں پر اور نہ ان کی آنکھوں پر پردے لٹکے ہوئے تھے لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ عادت اللہ یہ جاری ہے کہ جو سمجھ رکھنے کے باوجود نا سمجھ بنتا، شنوا ہونے کے باوجود ناشنوا ہو جاتا اور بینا ہونے کے باوجود حق سے نابینا بنتا ہے اور اس حالت پر مصر رہتا ہے تو خدائے تعالیٰ کی پاداش عمل کا قانون اس کے قلب سمع اور بصر کی اس استعداد کو سلب کر لیتا ہے جو قبول حق کے لئے اس کو خلقت و پیدائش کے وقت عطا ہوئی تھی۔

Marfat.com

لیکن زیر بحث مقام پر "کونوا قردۃ" کو نہ صاف الفاظ میں "مثل کہا گیا ہے اور نہ یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جو "مسخ معنوی" پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ "خاسئین" کو قردۃ کے لئے صفت لانا اس کا قرینہ ہے کہ یہاں بلاشبہ "مسخ حقیقی" مراد ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر اصحاب سبت کا معاملہ محض مسخ معنوی کی حیثیت رکھتا ہے تو اس سے متعلق مثل بیان کرنے کے لئے قردہ (بندر) اور خنزیر (خوک) میں سے کسی ایک حیوان کا ذکر کافی تھا اور ان دونوں میں سے شرارت اور خباثت میں جو زیادہ سمجھا جاتا ہو مثال کے طور پر صرف اسی کو بیان کر دینا چاہیئے تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ سورۂ مائدہ میں یہ بتایا کہ اصحاب سبت میں سے کچھ تو بندر بنا دئے گئے اور کچھ خنزیر کی شکل میں مسخ کر دئے گئے۔ "وجعل منھم القردۃ والخنازیر"

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر ابن کثیر، ابن جریر، ابن حیان، ابن تیمیہ، رازی، آلوسی رحمہم اللہ جیسے متقدمین و متاخرین جلیل القدر مفسرین، مجاہد کے انفرادی قول کو قرآن عزیز کے سیاق و سباق کے خلاف قرار دیتے ہوئے جمہور کے قول کی تائید کرتے ہیں اور اصحاب سبت سے متعلق آیات میں مسخ حقیقی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر (رحمہ اللہ) حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) قتادہ، ربیع بن انس، ابوالعالیہ، ضحاک، اور جمہور کے اقوال نقل کرنے کے بعد یہ تحریر فرماتے ہیں۔

(قلت) والغرض من هذا السياق عن هؤلاء الائمة بيان خلاف ما ذهب اليه مجاهد رحمه الله من ان مسخهم انما كان معنويا لا صوريا بل الصحيح انه معنوي صوري (والله اعلم)	میں کہتا ہوں ان ائمہ تفسیر کے بیانات کو ذکر کرنے سے یہ مقصد ہے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ تمام بالاتفاق مجاہد کے اس قول کے مخالف ہیں "کہ بنی اسرائیل کی زیر بحث جماعت کا مسخ صرف معنوی تھا حقیقی نہ تھا" کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی اور حقیقی دونوں حیثیت سے تھا

Marfat.com

مسئلہ کا یہ پہلو نقل سے تعلق رکھتا ہے۔ رہا عقلی نقطۂ نظر سو اس کے پیش نظر بھی بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہو جانا عقلاً ناممکن اور محال نہیں ہے اس لئے کہ اس مسئلہ میں اگر عقلی استعجاب ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ ایک حقیقت کس طرح دوسری حقیقت میں تبدیل ہو سکتی ہے؟ لیکن تبدیلِ حقائق کا یہ مسئلہ قدیم و جدید فلسفہ کے مسلمات میں سے شمار کیا گیا ہے اور جدید فلسفہ کے نظریۂ ارتقاء THE ThEORY of RVOLUTIn کی اساس و بنیاد تو صرف اسی پر موقوف ہے کہ ایک حقیقت کا دوسری حقیقت میں تبدیل ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ کائنات ہست و بود میں واقع اور درجاتِ ارتقاء کے لحاظ سے ایک حقیقت کا دوسری حقیقت اختیار کر لینا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے پس اگر نظریۂ ارتقاء کے اصول پر ایک گوریلا یا شمپازی قسم کا بندر اپنی حقیقت سے منتقل ہو کر انسانی حقیقت میں بدل جا سکتا ہے تو انسان کا بندر کی حقیقت میں بدل جانا کیوں محال نظر آتا ہے۔

کیا وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہر شے کا ردعمل (Reaction) ممکن بھی ہے اور واقع و مشاہد بھی تو اس اصول پر اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جس طرح ایک ادنیٰ حقیقت اعلیٰ حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح کبھی خصوصی حالات و ناموافق اثرات کی بنا پر اعلیٰ حقیقت، ادنیٰ حقیقت میں منقلب ہو جاتی ہے تو عقلاء جدید کے پاس اس نظریہ کے انکار کے کون سے دلائل ہیں اور یہاں ردِعمل (ری ایکشن) کیوں اپنا اثر نہیں کر سکتا؟

آج کی دنیا میں ایک حقیقت کا دوسری حقیقت میں بدل جانا نہ صرف نظریہ اور تھیوری تک محدود ہے بلکہ روزمرہ لاکھوں کی تعداد میں ہوتا رہتا اور مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اور یہ اس طرح کہ یہ مسئلہ صدیوں تک پیچیدہ رہا ہے کہ انسان کی پیدائش کا ابتدائی تخم (نطفہ) کن کن مدارج سے گزر کر انسان کی شکل اختیار کرتا ہے اور قرآن عزیز نے اس سلسلہ میں جن مدارج کا ذکر کیا ہے مفسرین قدیم ان مدارج کے حقائق بیان کرنے میں یا اجمال سے کام لیتے رہے ہیں اور یا وقت کی تحقیقاتِ علمی جہاں تک قرآن کا ساتھ دیتی رہی ہیں اس کے مطابق کچھ تفصیلات دیتے رہے ہیں لیکن چونکہ یہ سب کچھ نظری اور علمی حدود میں محدود تھا اس لئے قرآن عزیز کے بیان کردہ حقائق کی پوری تشریح سامنے نہیں آئی تھی لیکن اب اس مسئلہ

Marfat.com

ہیں نظریات سے آگے بڑھ کر علمی تحقیقات نے مشاہدہ تک ترقی کر لی ہے اور رحم مادر میں انسانی تخم پر انسان بننے تک جو تطورات و تحولات گذرتے ہیں ان کو سائنس اور علم طب کے جدید آلات کے ذریعہ مشاہدہ کر کے صحیح طور پر معلوم کر لیا گیا ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن عزیز نے اس سلسلہ میں نطفہ، علقہ، مضغہ فکسونا العظام لحما۔ ثم انشاناہ خلقا اٰخر کی جو تعبیرات ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سنائی تھیں حرف بحرف وہی صحیح اور حقیقتِ نفس الامر کے مطابق ہیں گویا علمی تحقیقات کو صدیوں تک اپنی جگہ سے حرکت کرتے کرتے مشاہدہ کی حد میں پہونچ کر آخر اسی جگہ ٹھہرنا پڑا جو قرآن واضح کر چکا تھا اور اس طرح علمی تحقیق کو اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا۔ اور جب تک قرآن کے دئے ہوئے علم الیقین کے ساتھ مطابقت نہ کر لی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکی۔

"پیدائش جنین" کا یہ مسئلہ نشو و ارتقاء کے جن نظریات پر قائم اور عالم مشاہدہ میں آچکا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ جب علقہ، مضغہ اور اسی طرح کے درجات طے کرتا ہے تو یہ اپنے ہر درجہ ادنیٰ میں ایک خاص حقیقت ہوتا ہے اور درجۂ عالی میں منتقل ہو کر بالکل دوسری حقیقت بن جاتا ہے اور اسی طرح حقائق کا تحول و انقلاب ہوتا رہتا ہے لیکن یہ تمام انقلابات ایک مہینہ کے اندر اندر اس طرح ہوتے ہیں کہ گویا اس ابتدائی دور میں ایک انسان کا جنین بھی درجات کے لحاظ سے ویسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ نباتات کا جنین، ایک مچھلی کا، ایک چارپائے کا اور ایک بندر کا اور اس دور کے آخر میں وہ بندر کی اعلیٰ قسم گوریلا اور شمپانزی کے جنین کے بالکل مشابہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے مہینے کے شروع میں ان تمام درجاتِ نباتاتی و حیوانی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ کل تک جو جنین حیوانات کی اعلیٰ قسم کے جنین کے مشابہ تھا ایک بیک انسانی حقیقت میں تبدیل ہونے لگتا اور "ثم انشاناہ خلقا اٰخر" کا مظاہرہ کر کے اعلان کرتا ہے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" اور پھر پورے سات مہینے تک اس جنین میں قدرت مختلف قسم کی نقاشیاں کرتی رہتی اور اس انسانی ڈھانچہ کو مکمل انسان بناتی رہتی ہے اور "جنینِ انسانی" میں جو انقلاباتِ حقائق ہوتا رہتا ہے اور وہ ادنیٰ حقیقت چھوڑ کر اعلیٰ حقیقت اختیار کرتا رہتا ہے اگر بعض

Marfat.com

مرتبہ قدرتِ الٰہی اپنے مصالح کی بنا پر "خلقاً آخر" کا پورا مظاہرہ نہیں کرتی تو آپ سنتے ہیں کہ فلاں شخص کے ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو بیل یا بندر یا بن مانس کی شکل ہے بلکہ بعض مرتبہ بعینہٖ ان حیوانات کی ہی شکل کا بچہ عالم وجود میں آجاتا ہے تو یہ دلیل ہے اس امر کی کہ قدرت کی صناعی نے اس کو اس لئے ادھورا چھوڑ دیا اور مکمل انسانوں کی شکل میں اس حقیقت کو تبدیل نہیں کیا کہ چشم عبرت اس سے عبرت حاصل کرے اور خدا کا شکر ادا کرے کہ اس نے ہم کو انسان بنایا اور عقل و خرد عطا فرما کر کائنات سے ممتاز و مشرف فرمایا ورنہ خدا چاہتا تو ہم بھی رحمِ مادر میں اسی طرح ہو کر رہ جاتے۔ نیز اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو سکے کہ خود انسان کا جنین بھی کن کن جاہانے حقائق کو ترک کر کے انسانی جامہ پہنتا اور تب "انسان" کہلانے کے قابل بنتا ہے۔

پس اگر تبدیلیِ حقائق کا یہ مظاہرہ روز و شب کائناتِ بحر و بر میں ہوتا رہتا ہے تو اگر ایک انسان کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ خاص حالات و تاثرات نے اس میں یہ ردِّ عمل (ری ایکشن) پیدا کر دیا کہ وہ انسانی شکل و صورت کو چھوڑ کر جو کہ اس کی تخلیق کا سب سے بلند اور آخری انقلاب تھا اپنی خلقت کے اس پچھلے درجہ میں منقلب ہو گیا جو کہ حیوانی شکل سے متعلق ہے تو عقل و فلسفہ کا کونسا نظریہ اس کی تردید کر سکتا ہے؟

بہر حال ایک حقیقت کا دوسری حقیقت اختیار کر لینا عقلاً کوئی مستبعد بات نہیں ہے جو مسئلہ مسخ پر دار دہو سکے۔ البتہ یہ امر کہ یہ واقعہ درحقیقت پیش آیا یا نہیں سو اس کا تعلق عقل سے نہیں ہے بلکہ علم تاریخ اور نقل صحیح سے متعلق ہے اور جب کہ قرآن کے علم یقین نے اس واقعہ کا بصراحت اظہار کیا اور جمہور سلف و خلف اس واقعہ کی تفسیر میں مسخ حقیقی کا اعتراف کرتے چلے آتے ہیں تو محض اس لئے کہ عام طور پر ہم ایسے واقعات کا مشاہدہ نہیں کرتے اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی شئے کے مشاہدہ نہ کرنے یا اس کے زیر نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں وہ شئے موجود نہیں ہے یا نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں مشہور طبیب اور ماہر فن زکریا رازی نے جذام (LEDROSY) پر بحث کرتے ہوئے

Marfat.com

اس کی مختلف اقسام میں سے سب سے ردی اور خراب قسم یہ بتائی ہے کہ جسم میں زہر پھیل کر خون اس درجہ فاسد ہو جاتا ہے کہ وہ اعصاب اور شرائین میں تشنج پیدا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے مریض کا جسم ایک گھنونے اور مکروہ صورت بندر کی طرح نظر آنے لگتا ہے اور اس درجہ پر پہونچ کر مرض لاعلاج ہو جاتا ہے۔

زکریا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مرض جذام کے متعلق ان کی یہ تحقیق ذاتی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اطبائے یونان اور قدیم اہل فن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

لہٰذا کیا عجب ہے کہ بنی اسرائیل کی اس جماعت پر خدائے تعالیٰ کا عذاب اس طرح نازل ہوا کہ ایک جانب تو ان کے قلوب مسخ ہو کر قلوب انسانی کے خواص سے محروم کر دئے گئے اور دوسری جانب ان کے جسم بدترین جذام کے ذریعہ اس درجہ خراب کر دئے گئے کہ وہ بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل نظر آنے لگے "کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ"

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صحیح احادیث میں یہ آتا ہے کہ جو قومیں حیوانات کی شکل میں مسخ ہوئی ہیں وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہیں[1] یعنی مسخ کا عذاب ان کے اندر وظاہر کو اس درجہ فاسد اور گندہ کر دیتا ہے کہ وہ پھر جانبر نہیں ہو سکتیں اور جلد ہی موت کی آغوش میں چلی جاتی ہیں۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر مسخ کو معنیً اور صورتاً دونوں حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تناسخ (آواگون) لازم آجاتا ہے حالانکہ یہ باطل اور فاسد عقیدہ ہے یہ شبہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ تناسخ میں روح (جیو) ایک قالب (کالبد) کو چھوڑ کر دوسرے قالب میں چلی جاتی ہے اور انسانی اعمالِ نیک وبد کی پاداش میں جون بدلنے کا یہ سلسلہ ازل سے ابد تک یوں ہی قائم ہے اور رہے گا لیکن مسخ کی صورت میں نہ روح بدلتی ہے اور نہ قالب بدلتا ہے بلکہ وہی قالب (جسم) ایک خاص ہیئت اور حقیقت سے دوسری حقیقت وہیئت میں تبدیل ہو کر موت کی نذر ہو جاتا اور دوسرے مردہ انسانوں کی طرح مالک حقیقی کے سامنے اپنے اعمال کے جواب دہ ہونے کے لئے عالم برزخ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] مسند احمد

Marfat.com

حضرت ابن عباس اور عکرمہؓ کا مکالمہ

عکرمہؒ جو حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) کے شاگرد رشید، ذکی و فہیم اور جلیل القدر تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ ان کی گود میں قرآن عزیز کھلا ہوا رکھا ہے اور ان پر گریہ طاری ہے، یہ دیکھ کر کچھ دیر تو میں ان کی عظمت کی وجہ سے دور بیٹھا رہا مگر جب اس حالت میں ان پر کافی وقت گزر گیا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے قریب جاکر بعد سلام عرض کیا: اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ پر قربان کرے یہ تو فرمایئے کہ آپ کس لئے اس طرح رو رہے ہیں؟ ابن عباسؓ فرمانے لگے میرے ہاتھ میں جو یہ ورق ہیں مجھ کو رُلا رہے ہیں، میں نے دیکھا تو سورۂ اعراف کے ورق تھے، پھر مجھ سے فرمایا تم ایلہ کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا جانتا ہوں اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس بستی میں بنی اسرائیل رہتے تھے ان کے یہاں سبت کے دن مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتی تھیں اور سبت کے بعد پانی کی تہ میں بیٹھ جاتی تھیں اور بمشکل ایک دو ہاتھ آتی تھیں کچھ دن گزرنے پر شیطان نے ان میں سے بعض کو یہ سکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے سبت میں مچھلی کھانے کو منع فرمایا ہے، مچھلی کے شکار کو نہیں منع فرمایا اس لئے انھوں نے یہ کیا کہ سبت کے دن خاموشی کے ساتھ مچھلیاں پکڑ لیتے اور دوسرے دن کھا لیتے[۱]۔ جب یہ حیلہ عام ہو گیا تو اہلِ حق نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ سبت کے دن مچھلی پکڑنا، شکار کرنا اور کھانا سب منع ہے لہٰذا تم اس حیلہ جوئی کو چھوڑ دو ورنہ خدا کا عذاب تم کو برباد کر ڈالے گا۔ مگر جب انھوں نے نہ مانا تو اس دوسری جماعت میں سے ایک جماعت اگلے ہفتہ ان سے جدا ہو گئی اور وہ مع اپنے اہل و عیال ان سے دور جا بسے اور ایک جماعت نے سبت کی خلاف ورزی کو برا تو جانا مگر مخالفین کے ساتھ ہی رہتے سہتے اور ان سے ترک تعلق نہیں کیا۔ چنانچہ داہنے بازو (ایمنون) یعنی ترکِ تعلق کرنے والوں نے جب نافرمانوں کو ڈانٹا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا تو بایاں بازو (ایسرون) کہنے لگا "لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَ اِللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ" تب (ایمنون) نے جواب دیا "مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ" بالآخر ایک روز امر بالمعروف

---

۱ تفسیر ابن کثیر سورۂ اعراف، معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب سبت کے مختلف حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ بھی تھا۔ مؤلف

Marfat.com

کرنے والی جماعت نے مخالفین کو مخاطب کرکے کہا کہ یا تو تم باز آجاؤ ورنہ ہم یقین کرتے ہیں کہ کل تم پر ضرور کوئی عذاب نازل ہو کر رہے گا۔

اس کے بعد سرکشوں پر عذاب نازل ہونے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں دو جماعتوں کے مآل اور انجام کا ذکر فرمایا ہے ایک سرکش اور متمرد انسانوں کی جماعت جو ہلاک اور مسخ کردی گئی اور دوسری (امینون) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والی جماعت کہ اس نے نجات پائی اور عذاب سے محفوظ رہی۔ لیکن تیسری جماعت یعنی ساکتین (ایسرون) کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اور میرے دل میں ان کے متعلق ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں ان کو زبان سے کہنا پسند نہیں کرتا (یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے چونکہ باز رہے اگرچہ خود خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہوئے لہٰذا وہ بھی کہیں عذاب کے مستحق نہیں قرار دیئے گئے اور سرکشوں کے زمرہ میں تو داخل نہیں کرلئے گئے) تب میں نے عرض کیا:
میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ اس بارہ میں اس قدر پریشان نہ ہوں بلاشبہ یہ تیسری جماعت بھی نجات پانے والوں میں ہی رہی اس لئے کہ خود قرآن عزیز ان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ انھوں نے نصیحت کرنے والوں سے یہ کہا "کہ تم ایسی جماعت کو کس لئے نصیحت کرتے ہو جس کی بداعمالیوں کی بنا پر خدائے تعالیٰ یا ان کو ہلاک کرنے والا ہے اور یا کسی سخت عذاب میں ڈالنے والا ہے" تو ان کے متعلق قرآن عزیز کی یہ تعبیر صاف صاف بتا رہی ہے کہ وہ ہلاک نہیں کئے گئے ورنہ تو ان کا ذکر بھی ہلاک ہونے والوں ہی کے ساتھ کیا جاتا نجات پانے والوں کے ساتھ نہ ہوتا۔ نیز یہ جماعت اس عمل بد کے بدکرداروں کی حرکات سے مایوس ہو کر ایسا کہتی تھی اس لئے بھی مستحق عذاب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سنا تو بے حد مسرور ہوئے اور آیات کی اس تفسیر پر مجھ کو خلعت بخشا۔

مسخ شدہ اقوام کا انجام دنیوی جو قومیں خدائے تعالیٰ کے عذاب سے مسخ کردی جاتی ہیں وہ زندہ باقی نہیں رکھی جاتیں بلکہ تین دن کے اندر اندر ان کو فنا کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کی نسل کا سلسلہ جاری نہ ہو اور دنیا میں ان کا وجود خود ان کے لئے بھی عرصہ تک باعث ذلت و خواری نہ رہے چنانچہ

Marfat.com

صحیح روایات میں یہ بصراحت موجود ہے۔

عن ابن مسعود قال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القردۃ والخنازیر من نسل الیہود فقال لا ان اللہ لم یلعن قوماً قط فیمسخھم فکان لھم نسل ولکن ھذا خلق کان فلما غضب اللہ علی الیہود فمسخھم جعلھم مثلھم۔[۵۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہم نے دریافت کیا کہ یہ بندر و خوک مسخ شدہ یہود کی نسل میں سے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر مسخ کی لعنت مسلط کرتا ہے تو اس کی نسل نہیں چلاتا۔ لیکن یہ جانور جدا کی مستقل مخلوق ہیں۔ لہذا جب خدا کا غضب یہود پر نازل ہوا تو ان کو ان جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

لم یمسخ قوماً فیجعل لھم نسلاً ولا عقباً وان القردۃ والخنازیر کانت قبل ذلک[۵۲]

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو مسخ کرتا ہے تو نہ ان کو باقی چھوڑتا ہے اور نہ ان کی نسل چلتی ہے اور بندر اور خوک تو مسخ کے واقعہ سے قبل بھی موجود تھے۔

عن ابن عباس قال ولم یعش مسخ قط فوق ثلاثۃ ایام ولم یاکل ولم یشرب ولم ینسل[۵۳]

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مسخ شدہ انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور نہ انھوں نے اس درمیان میں کھایا پیا اور نہ ان کی نسل کا سلسلہ چلا۔

بصائر (۱) "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" عظیم الشان فریضہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد عظیم بھی اسی فرض کو پورا کرنا ہے اور جب کسی قوم اور امت میں کوئی نبی یا رسول موجود نہ ہو تو پھر علماء امت کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ قرآن عزیز اور صحیح احادیث نے

---

۵۱ مسند احمد، ابوداؤد طیالسی، مسلم ۵۲ مسند احمد، ابوداؤد طیالسی، مسلم ۵۳ ابن کثیر ج ۱

Marfat.com

بھی امت مرحومہ کو اس فرض کی جانب بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ توجہ دلائی ہے اور تعمیل کرنیوالے کو اجر و ثواب کی بشارت اور ترک کرنے والے کو مستحق عقاب و وعید قرار دیا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم دنیا کی بہترین امت ہو جو کائناتِ انسانی کے لئے
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ	پیدا کی گئی ہے تاکہ ان کو بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری
عَنِ الْمُنْكَرِ (الآیہ) آلِ عمران)	باتوں سے باز رکھو۔
لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي	بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ان پر داؤد
إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَ	اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی اس لئے کہ وہ
عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا	نافرمانی کرتے اور خدا کی حدود سے تجاوز
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا	کرتے تھے وہ بری باتوں سے لوگوں کو نہیں روکتے
لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ	تھے اور ان کے یہ کردار بہت ہی برے تھے۔
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (مائدہ)	

عن عدی بن عمیرۃ یقول	عدی بن عمیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سمعت رسول اللہ صلی اللہ	وسلم فرماتے تھے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ خاص خاص لوگوں
علیہ وسلم ان اللہ لا یعذب	کی بداعمالیوں پر عام لوگوں پر عذاب نازل نہیں کرتا
العامۃ بعمل الخاصۃ حتی یروا	البتہ جب ان لوگوں کے سامنے کہ جو ان برائیوں کے
المنکر بین ظہرانیہم وہم	روکنے پر قدرت رکھتے ہیں علی الاعلان معاصی ہونے
قادرون علی ان ینکروہ فلا	لگیں اور وہ نہ روکیں تو بے شک اس وقت خدا
ینکرونہ فاذا فعلوا ذلک عذب	اپنا عذاب عام و خاص سب پر نازل کر دیتا ہے
اللہ الخاصۃ والعامۃ	

عن ابی سعید الخدری ان	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی

Marfat.com

وسلم قال من رأئ المنکر فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔

کو برا عمل کرتا دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ ہاتھ سے روک دے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ زبان سے روکے اور جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دل ہی میں اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

حضرت ابوسعید خذری (رضی اللہ عنہ) کی حدیث اس جانب بھی توجہ دلاتی ہے کہ مسلمانوں میں اتنی قوت اور حاکمانہ اقتدار ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ اگر کسی کو برے عمل اور بدکرداری میں مبتلا دیکھیں تو طاقت وقوت سے اس کو روک دیں اور اگر انھوں نے یہ درجہ اپنی کوتاہیوں کی بدولت کھو دیا ہے تو اس درجہ قوتِ ایمانی ضروری ہے کہ وہ زبان سے اس عملِ بد کے خلاف جہاد کرسکے اور اگر اس درجہ سے بھی محروم ہے تو اس کے بعد سوائے اس کے ایمان کا کوئی اور درجہ نہیں ہے کہ وہ کم از کم اس عملِ بد کو برا سمجھے اور اس پر اظہار رضا نہ کرے۔ لہٰذا اس حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جب ایک شخص کو پہلا یا دوسرا درجہ حاصل ہی نہیں تو پھر دوسرا یا تیسرا جو درجہ بھی حاصل ہے اس کے اختیار کر لینے پر وہ ضعیف یا اضعف الایمان کیوں قرار پاتا ہے۔

(۲) انسان کی مختلف گمراہیوں میں سے بہت بڑی گمراہی یہ بھی ہے کہ احکام الٰہی سے بچنے کے لئے حیلے اور بہانے تراش کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کی سعی کرے کیونکہ اس طرح وہ شریعت حقہ کے اوامر ونواہی کو مسخ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے، قرآن اور توراۃ دونوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اس گمراہی میں بھی پیش پیش اور اس اقدام پر بہت جری تھے اور اسی لئے ان پر مسخ کا عذاب نازل ہوا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بیان کردہ اس واقعہ کی روشنی میں امتِ مرحومہ کو سخت تاکید فرمائی ہے کہ وہ ایسی گمراہی پر ہرگز اقدام نہ کریں اور اپنا دامنِ عمل اس سے بچائے رکھیں۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاترتکبوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی گمراہی کا ہرگز ارتکاب نہ کرنا جس کا یہود نے ارتکاب کیا کہ اللہ کی

Marfat.com

ما ارتکبت الیھود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل۔ | حرام کی ہوئی باتوں کو معمولی حیلوں کے ذریعہ حلال کر لیتے تھے (حالانکہ وہ حلال نہیں ہو جاتی تھیں)

مگر افسوس کہ ہم نے آج اس کو بھی اپنا لیا اور یہود کی طرح ہم نے بھی اللہ کے فرائض سے بچنے کے لئے تراش لئے مثلاً ایسے نول اور سرمایہ داری کے باوجود کہ جس پر خدا کا حکم "واٰتوا الزکوٰۃ" وارد ہوتا صرف زکوٰۃ سے بچنے کے لئے یہ حیلہ نکال لیا کہ اس سرمایہ پر پورا ایک سال اپنی ملکیت نہ ہونے دیا جائے تاکہ "حولان حول" کی شرط پوری نہ ہونے پائے اور چھ ماہ بعد اس کو اپنی بیوی کے نام منتقل کر دیا اور اس سلسلہ کو برابر جاری رکھا اور اس طرح اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ کا لطف اٹھاتے رہے اعاذنا اللہ من ذٰلک)

البتہ فقہائے امت نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کی غرض سے نہیں بلکہ امت کو کسی ضیق اور تنگی سے نکالنے کے لئے استنباط اور اجتہاد صحیح کے ذریعہ جو بعض آسانیاں بہم پہنچائیں اور جو در اصل صاحب شریعت کے اوامر و نواہی کے مقاصد کو فوت نہیں ہونے دیتیں تو وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہیں مگر ان مسائل کے لئے "کتاب الحیل" کی تعبیر صحیح نہیں ہے بلکہ ان کا عنوان... "کتاب تسہیل" ہونا چاہیئے تھا۔

(۳) قرآن عزیز کے مطالعہ سے یہ بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیشہ "پاداش عمل از جنس عمل" ہو جیسا کہ مسئلۂ زیر بحث میں بھی موجود ہے کہ اصحاب سبت نے حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ سبت کے قانون کو مسخ اور محرف کر دیا تھا لہٰذا ان کے لئے سزا بھی "مسخ" ہی تجویز کی گئی، حافظ ابن کثیر اس حقیقت کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

فلما فعلوا ذٰلک مسخھم اللہ	پس جب یہود نے یہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندروں
الیٰ صورۃ القردۃ وھی اشبہ	کی شکل میں مسخ کر دیا اور یہ اس لئے کہ ظاہر شکل میں
شیئ بالاناسی فی الشکل ظاھر	بندر انسان سے زیادہ مشابہ ہے اگرچہ حقیقت

Marfat.com

ولیست بانسان حقیقۃ فلذٰ	ہیں وہ انسان نہیں ہے پس جب کہ ان یہود
لک اعمال ھؤلاء وحیلنھم	کے یہ اعمالِ بد اور حیلے ظاہر میں حق کے مشابہ
لما کانت مشابھۃ للحق فی	اور باطن میں اس کے مخالف ہیں تو ان کو سزا
الظاھر ومخالفۃ فی الباطن	بھی جنسِ عمل ہی سے دی گئی ہے۔
کان جزاءھم من جنس	
العمل	

(۱۴) ادائے فرض میں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ جن کے مقابلہ میں فریضہ ادا کیا جا رہا ہے وہ اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں اس لئے کہ اس کا ادائے فرض کی جزا ہیں یہ کیا کم سعادت ہے کہ وہ شخص بہرحال اجر و ثواب اور رضائے الٰہی سے معزز و مفتخر ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

Marfat.com

اصحاب الرّسّ

تقریباً ۳۶۰۰ ق م یا مدت نامعلوم

رسّ۔ قرآن عزیز اور اصحاب الرّس۔ اصحاب الرّس؟ قول راجح۔ موعظت

رسّ لغت میں "رسّ" کے معنی پرانے کنوئیں کے ہیں اس لئے اصحاب الرس کے معنی ہوئے "کنوئیں والے" قرآن عزیز نے اس نسبت کے ساتھ ایک قوم کی نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں اس کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کیا ہے۔

قرآن عزیز اور اصحاب الرس قرآن عزیز نے سورۂ فرقان اور "ق" میں ان کا ذکر کیا ہے اور جن قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و استہزاء کے سبب ہلاکت و تباہی مول لی ان کی فہرست میں صرف ان کا نام بیان کر دیا ہے اور حالات و واقعات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا (فرقان)

اور عاد ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیانی زمانہ کی بہت سی (قوموں) کو (ہم نے ہلاک کر دیا) اور ہم نے ہر ایک کے واسطے مثالیں بیان کیں اور ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ وَّ

ان سے پہلے بھی نوح کی قوم نے اور کنوئیں والوں نے اور ثمود، عاد، فرعون برادران لوط اصحاب ایکہ اور تبع کی قوم کے (رسولوں کو جھٹلایا ان میں سے ہر ایک نے

Marfat.com

أَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ (ق)
رسولوں کو جھٹلایا پس ان پر عذاب لازم ہوا۔

اصحاب الرس | ان کو اصحاب الرس کیوں کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں علمائے تفسیر کے اقوال اس درجہ مختلف ہیں کہ حقیقتِ حال بجائے منکشف ہونے کے اور زیادہ مستور ہو گئی ہے۔

(۱) ابن جریرؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ رس کے معنی "غار" کے بھی آتے ہیں اس لئے اصحاب اخدود (گڑھوں والے) ہی کو اصحاب الرس بھی کہتے ہیں۔

لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ سورۂ ق میں اصحاب الرس کا ذکر ان قوموں کے ساتھ کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے قبل ہو گذری ہیں اور سورۂ فرقان میں عاد، ثمود اور اصحاب الرس کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے "وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا" اور ان کے درمیانی زمانہ کی بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا" اس کا تقاضا یہ ہے کہ اصحاب الرس کا زمانہ کم از کم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے قبل ہونا چاہئے اور اصحاب الاخدود کا زمانہ عیسیٰ (علیہ السلام) سے صدیوں بعد ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کے ان بیانات میں تصریح ہے کہ اصحاب الرس ہلاک شدہ قوموں میں سے ہیں اور اصحاب الاخدود کے متعلق قولِ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے مشہور ظلم کے بعد فوراً ہلاک نہیں کئے گئے اور ان کو مہلت اور ڈھیل دی گئی کہ وہ باز آجائیں ورنہ پاداشِ عمل کے لئے تیار رہیں جیسا کہ عنقریب واقعہ کی تفصیل سے ظاہر ہو جائیگا۔

(۲) ابن عساکر نے تاریخ میں اپنا رجحان اس روایت کی جانب ظاہر کیا ہے کہ اصحاب الرس عاد سے بھی صدیوں پہلے ایک قوم کا نام ہے، یہ جس جگہ آباد تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حنظلہ بن صفوان کو مبعوث کیا تھا انھوں نے ان میں رہ کر تبلیغ اسلام کی مگر اصحاب الرس نے کسی طرح حق کو قبول نہیں کیا اور پیغمبر خدا کو قتل کر دیا اس پاداش میں وہ سب ہلاک کر دیئے گئے[۱] لیکن اس روایت سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ ان کو "کنویں والے" کیوں کہا گیا اور یہ "نسبت" واقعہ کے ساتھ کیا تعلق رکھتی ہے؟

---

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ فرقان و تاریخ ابن کثیر ج ۱۔

Marfat.com

(۳) ابن ابی حاتم بروایت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نقل کرتے ہیں کہ آذربیجان کے قریب ایک کنواں تھا یہ قصہ چونکہ اس سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہاں کے بسنے والوں کو اصحاب الرس کہتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کے قریب آباد قوم نے اپنے نبی کو چونکہ مسطورہ بالا کنوئیں میں ڈال کر زندہ دفن کر دیا تھا اس لئے ان کو "اصحاب الرس" کہا گیا [۱]

(۴) اور قتادہ کہتے ہیں کہ یمامہ کے علاقہ میں فلج نام کی ایک بستی تھی اصحاب الرس وہیں آباد تھے اور یہ اور اصحاب یاسین (اصحاب القریہ) ایک ہی ہیں اور یہ مختلف نسبتوں سے پکارے جاتے ہیں [۲] ایک روایت عکرمہ سے بھی اس کی تائید میں موجود ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی حاتم اور عکرمہ دونوں کی روایت کا ایک ہی مطلب ہے مگر یہ دونوں رائیں بھی مشکوک ہیں اس لئے کہ قرآن عزیز نے اصحاب القریہ (اصحاب یاسین) اور اصحاب الرس کا تذکرہ جدا جدا کیا ہے اور دونوں تذکروں میں کسی ایک جگہ بھی یہ اشارہ نہیں ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ حالانکہ یہ طرز بیان اصولِ بلاغت کے خلاف ہے کہ ایک ہی معاملہ کو جدا جدا نسبتوں اور کیفیتوں کے ساتھ بیان کیا جائے اور ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ اشارہ موجود نہ ہو کہ یہ مختلف نسبتیں اور تعبیریں ایک ہی معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایسی کوئی تفسیر مذکور ہے جو دونوں کو ایک ظاہر کرتی ہو۔ خصوصاً جب کہ قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ اصحاب الرس کا معاملہ قبل مسیح علیہ السلام ہے اور تاریخ اور تحقیق یہ ثابت کر چکی ہے کہ اصحاب القریہ کا معاملہ مسیح علیہ السلام کے بہت بعد کا ہے [۳]

(۵) ابوبکر عمر بن حسن نقاش اور سہیلی کہتے ہیں کہ اصحاب الرس کی آبادی میں ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کے پانی سے وہ پینے اور کھیتی سیراب کرنے دونوں کا کام لیتے تھے۔ اس بستی کا بادشاہ بہت عادل تھا اور لوگ اس سے بے حد محبت کرتے تھے اس کا جب انتقال ہو گیا تو اہل شہر اس کی موت سے سخت غمگین اور حزین تھے کہ ایک دن شیطان بادشاہ عادل کی شکل بنا کر پہنچا اور اہل شہر کو جمع کر کے تقریر کی کہ میں تم سے کچھ دنوں کے لئے جدا ہو گیا تھا مرا نہیں تھا اب آ گیا ہوں اور ہمیشہ زندہ رہوں گا۔ لوگوں نے انتہا محبت میں یقین کر لیا اور اس کی آمد پر جشن منایا تب شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ مجھ سے پس پردہ باتیں کیا

---

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ فرقان و تاریخ ابن کثیر ج ۱ [۲] ایضاً [۳] یہ بحث عنقریب آنے والی ہے

Marfat.com

کریں چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ پس پردہ بیٹھ کر گمراہی پھیلانے لگا۔ اس وقت بقول سہیلی صاحب "روض الانف" ایک شخص حنظلہ بن صفوان کو خواب میں یہ بتایا گیا کہ ان کو اس آبادی میں راہ ہدایت دکھانے کے لیے پیغمبر بنادیا گیا، صفوان نے ان کے پاس جاکر توحید کی تعلیم اور شرک سے اجتناب کی تلقین کی اور بتایا کہ یہ تمہارا بادشاہ نہیں ہے بلکہ پس پردہ شیطان ہے لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور قبولِ حق کی بجائے پیغمبر خدا پر حملہ کرکے ان کو قتل کر دیا اس پاداش میں ان کو خدا کے عذاب نے تباہ و برباد کر دیا اور کل جس بستی میں چہل پہل تھی اور باغات اور نہروں سے جنگل میں منگل ہو رہا تھا آج وہ جل بھن کر چٹیل میدان نظر آنے لگا جس میں کنوں بھیڑیوں اور شیروں کے مسکن کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

یہ روایت اصولِ روایت و درایت دونوں اعتبار سے ساقط الاعتبار ہے اور من گھڑت داستان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی [۱]

(۶) محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اول الناس ید خل الجنۃ یوم القیامۃ العبد الاسود" (جنت میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوگا وہ ایک سیاہ غلام ہوگا) اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی میں اپنا پیغمبر بھیجا مگر اس کالے کلوٹے غلام کے علاوہ کسی نے اس کو قبول نہیں کیا اور کوئی ایمان نہیں لایا، پھر اہل شہر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نبی کو ایک کنوئیں میں بند کر دیا اور کنوئیں کے منہ پر بہت بھاری پتھر رکھ دیا تاکہ کوئی کھول نہ سکے مگر یہ سیاہ فام غلام جنگل سے لکڑیاں لاتا، بازار میں فروخت کرتا اور ان کی قیمت سے کھانا خرید کر روزانہ کنوئیں پر پہنچکر پتھر کو ہٹاتا اور خدا کے پیغمبر کی خدمت میں کھانا پیش کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر جنگل میں نیند طاری کر دی اور یہ چودہ سال تک اسی حالت میں پڑا رہا۔ یہاں تک تو یہ ہوا اور اُدھر قوم کو اپنی نازیبا حرکت پر افسوس آیا اور انھوں نے پیغمبر خدا کو کنوئیں سے نکال لیا اور توبہ کے بعد ایمان قبول کر لیا اور اسی مدت کے اندر پیغمبر کا انتقال ہوگیا۔ چودہ سال کے بعد جب غلام کی آنکھ کھلی تو اس نے سمجھا کہ میں چند گھنٹے سویا ہوں جلدی سے لکڑیاں چن کر شہر پہونچا دیکھا تو حالات بدلے ہوئے ہیں دریافت کیا تو سارا

[۱] تفسیر ابن کثیر سورۂ فرقان، البدایہ والنہایہ ج ۱

Marfat.com

قصہ معلوم ہوا۔ اسی غلام کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے ایک سیاہ فام غلام جائے گا[۱]

یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے بھی قابلِ جرح ہے اور درایت کے اعتبار سے بھی' چنانچہ محدثین کہتے ہیں کہ یہ طویل داستان خود محمد بن کعب کی جانب سے ہے جس کو انھوں نے اسرائیلیات سے اخذ کرکے بیان کیا ہے' نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے کوئی تعلق نہیں[۲]۔ علاوہ ازیں قرآن عزیز میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اصحاب الرس بھی ہلاک شدہ قوموں میں سے ہیں اور یہ روایت اس کے خلاف ان کو نجات یافتہ بیان کرتی ہے اس لئے قطعاً غلط ہے اور روایت کا وہ حصہ جو قریتین میں "عبد اسود" سے متعلق ہے اگر بسند صحیح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس کا اصحاب الرس کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر اسی قسم کی جرح وارد کی ہے۔

(۷) مشہور مورخ مسعودی کہتا ہے کہ اصحاب الرس حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں اور یہ دو قبیلے تھے ایک قیدماں (قیدماہ) اور دوسرا یامین یا رعویل اور یہ یمن میں آباد تھے۔

لیکن مسعودی نے صرف اسی قدر تعارف پر اکتفا کیا ہے اور تاریخی حیثیت سے نہیں بتایا کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر قیدماہ اور رعویل کو اصحاب الرس کہتا ہے اور ان کو "رس" کے ساتھ کیا تعلق ہے" یہ صحیح ہے کہ حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام قیدماہ بھی ہے۔ لیکن توراۃ اور تاریخ دونوں اس بات سے خاموش ہیں کہ اس کی اولاد کو اصحاب الرس بھی کہا جاتا ہے۔ لہذا مسعودی کا قول دلیل کا محتاج ہے۔

مگر صاحب ارض القرآن نے صرف اس بنا پر کہ مسعودی نے اپنی رائے تذبذب اور تردد کے ساتھ بیان نہیں کی اسی قول کو ترجیح دی ہے[۳]

(۸) مصر کے ایک مشہور معاصر عالم فرج اللہ زکی کردی کہتے ہیں کہ لفظ رس "ارس" کی تخفیف ہے

---

[۱] مروج الذہب ص ۸۶ حاشیہ الکامل ج ۱ [۲] [۳] ارض القرآن ج ۲ ص ۵۶

Marfat.com

اور یہ اس مشہور شہر کا نام ہے جو قفقاز کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس وادی ارس میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا جس کا نام ابراہیم زردشت تھا انھوں نے اپنی قوم کو دینِ حق کی دعوت دی مگر قوم نے انکار کیا اور ان کی دعوت و ارشاد کے مقابلہ میں اور زیادہ سرکشی اور بغاوت اختیار کرلی چنانچہ قوم نے اس کی سزا پائی اور ہلاک کردی گئی۔ اس کے بعد ان کی دعوت کا میدان عمل اس مخصوص علاقہ قفقاز (آذربائجان وغیرہ) سے کل ایران تک وسیع ہوگیا، زردشت کا صحیفہ اگرچہ محرف ہوچکا ہے مگر اس کا ایک حصہ اب بھی قدیم فارسی میں مکتوب موجود ہے[1] اور اس صحیفہ میں اب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دین اسلام کی بشارت کا ذکر پایا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

عنقریب عرب میں ایک "نبی عظیم" مبعوث ہوگا اور جب اس کی شریعت پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گذر جائے گا اور دوسرا ہزار شروع ہوگا تو اس دین میں ایسی باتیں پیدا ہوجائیں گی کہ یہ پہچاننا مشکل ہوجائے گا کہ کیا یہ دین وہی دین ہے جو اپنے قرن اوّل میں تھا یعنی بدعات وا ہوا اور رسوم قبیحہ پیدا ہوجائے گی)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی اصل اور حقیقی تعلیم حق "تھی اور اسی لئے انھوں نے بعثتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت دی اور بعض ایسی تفصیلات کا بھی ذکر کیا جو آج حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہیں مگر دوسرے ادیان و ملل کی طرح ان کے متبعین نے بھی اس تعلیمِ حق کو مسخ و محرّف کر ڈالا ان کے متبعین مجوس (پارسی) اب بھی ایران و ہندوستان میں پائے جاتے ہیں[2]

علامہ زکی کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کتب تفسیر میں ایک قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحاب الرس آذربیجان کے قریب ایک کنوئیں کی نسبت سے مشہور تھے لہذا ممکن ہے کہ یہ "نہر ارس" ہی سے مراد ہو اور ابن کثیر میں ہے۔

واصحاب الرس قال	بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آذربیجان میں ایک پرانا کنواں
بیر باذر بیجان	"رس" تھا اس وادی میں رہنے والے اسی وجہ سے اصحاب الرس کہلاتے تھے

---

[1] اوستا کی جانب اشارہ ہے [2] حاشیہ تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴ - ۲۴ مختصراً

Marfat.com

بلکہ خود ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ" کے تحت میں زردشت کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے۔

والمجوس یقال انھم کانوا یومنون	اور مجوس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر مبعوث
بنبی لھم یقال لہ زرادشت	پیغمبر زردشت پر اول ایمان لے آئے تھے اس کے بعد
ثم کفروا بشرعہ فرفع من	انھوں نے کفر کی راہ اختیار کرلی پس اللہ تعالیٰ نے اس
بین اظھرھم[۲] واللہ اعلم	پیغمبر کو ان کے درمیان سے اٹھالیا۔ واللہ اعلم

ادیان و ملل کی تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم زردشت کی اصل تعلیم انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم حق ہی کے مطابق تھی اور وہ یرمیاہ (علیہ السلام) یا دانیال (اکبر) علیہ السلام کے تلمیذ اور فیض یافت تھے ذوالقرنین کے واقعہ میں انشاء اللہ تعالیٰ قدرے تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

قول فیصل اس مسئلہ میں قرآن کا ظاہر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل ہو گذرا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیانی زمانہ کی کسی قوم کا تذکرہ ہے یا کسی قدیم العہد قوم کا تو قرآن نے اس سے تعرض نہیں کیا اور مسطورہ بالا تفسیری روایات سے اس کا قطعی فیصلہ ناممکن ہے البتہ میرا وجدان آخری قول کو راجح سمجھتا ہے۔

بہرحال قرآن کا جو مقصد موعظت و عبرت ہے وہ اپنی جگہ صاف اور واضح ہے اور یہ تاریخی تعینات و مباحث اس کے لئے موقوف علیہ نہیں ہیں بلکہ ایک عبرت نگاہ اور گوش حق نیوش کے لئے یہ کافی و شافی ہے کہ جو قومیں اس دنیا میں خدا کے برتر کے پیغام حق کو ٹھکراتی اور اس کے خلاف بغاوت و سرکشی کا علم بلند کرتی ہیں اور مسلسل مہلت اور ڈھیل دینے کے باوجود وہ اپنی متکبرانہ اور مفسدانہ زندگی کو ترک کر کے صالح اور پاک زندگی بسر کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتیں تو پھر ان پر خدائے تعالیٰ کی سخت گرفت "بطش شدید" آجاتی ہے اور وہ بے یار و مددگار ہلاک و برباد کر دی جاتی ہیں۔

---

[۱] نساء [۲] تفسیر ابن کثیر ج ص ۵۶۵

Marfat.com

موعظت | کائناتِ انسانی کے پاس جس وقت سے اپنی تاریخ کا ذخیرہ موجود ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ دنیا کی جس قوم نے بھی خدا کے پیغامِ حق کے ساتھ استہزا کا معاملہ کیا اور خدا کے پیغمبروں اور ہادیوں کے ساتھ سرکشی اور شرارت کو جائز رکھا ان کی زبردست طاقت و شوکت اور عظیم الشان تمدن کے باوجود قدرت کے ہاتھوں نے ہلاک و برباد کر کے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا اور آسمانی یا زمینی عبرتناک عذاب نے صفحۂ عالم سے ان کو حرفِ غلط کی طرح محو کر دیا مگر یہ عجیب بات ہے کہ اپنے پیشروؤں کے ہیبت ناک انجام کو دیکھنے اور سننے کے باوجود ان کی وارث قوموں نے پھر تاریخ کو دہرایا اور وہی ستم کی حرکات کو اختیار کیا جن کے انجام میں ان کے پیشروؤں کو روزِ بد دیکھنا پڑا تھا "ان هذا لشيئ عجيب"

(۲) ایک حساس دل و دماغ کے لئے یہ تازیانۂ عبرت کافی ہے کہ اس دنیا میں جب کہ کسی شے کو بقا نہیں ہے اور ہر شے کے لئے فنا لازم تو پھر کبر و نخوت اور انانیت کے کیا معنی؟ اور جو مقدس ہستیاں اپنے اوصافِ کریمانہ اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ خدمتِ خلق اور ہدایت و رشد کو بغیر کسی دنیوی لالچ و توقع کے انجام دیتی ہیں ان کے ساتھ تحقیر و تضحیک کا برتاؤ عقل کے کس فیصلہ کے مطابق ہے؟

اگر انسان اس زندگی میں ان دو حقیقتوں کی معرفت حاصل کرے تو حیاتِ ابدی و سرمدی میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور یہی وہ رموزِ زندگی ہیں جن پر گامزن ہو کر تو ہیں "اصحاب الجنۃ" کہلائیں اور ان سے غافل رہ کر "اصحب النار" کہلانے کی سزاوار ہوئیں۔

Marfat.com

بیت المقدس اور یہود

۶۰۴ ؁ ق م تا ۵۶۱ ؁ ق م و ۷۰ ؁ء تا ۱۳۵ ؁ء

تمہید۔ بیت المقدس (یروشلم) قرآن عزیز اور شرارت یہود کے دو اہم معاملے۔ شرارت یہود کا پہلا دور۔ غلامی کے بعد نجات۔ شرارت یہود کا دوسرا دور۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل۔ پاداش عمل تعبیر از زرین موقعہ اور یہود کی روگردانی ابدی ذلت و خسران۔ بصائر۔

تمہید۔ جن اصحابِ ذوق نے قصص القرآن جلد اول و دوم کا مطالعہ فرمایا ہے ان کی نظر سے یہ پوشیدہ نہ رہا ہو گا کہ قرآنِ عزیز اقوامِ ماضیہ کے تاریخی واقعات یعنی ان کے رشد و ہدایات کے قبول و انکار اور اس کے نیک و بد نتائج و ثمرات کے حالات پیش نظر لانے اور ان سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی جگہ جگہ ترغیب دیتا ہے اور خود بھی اسی لئے گذشتہ قوموں کے ان واقعات کو بکثرت بیان کرتا ہے جو اس مقصدِ عظمیٰ کے لئے مفید اور عبرت آموز ہیں اور اگر ان وقائع میں حقائق کے ساتھ غلط اور دور از کار داستانیں شامل ہو گئی ہیں تو ان کی اصلاح بھی کرتا جاتا ہے چنانچہ بہت سی وہ پیچیدگیاں جو گذشتہ اقوام و امم، ان کے مواطن و مساکن، اور ان سے متعلق حالات میں صحیح اور غلط واقعات کے خلط ملط سے پیدا ہو چکی تھیں قرآن عزیز نے ان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تمام پیچیدگیاں دور ہو کر حقیقتِ حال روشن سے روشن تر نظر آنے لگی چنانچہ ان واقعات سے متعلق اصل حقائق کا اظہار ہو جانے کے صدیوں بعد جب علم الآثار (Archaeology) علم طبقات الارض (GEOLOGY) اور تاریخی مشاہدات و تجربات کے ذریعہ ان اقوام و امم کے حالات ناقابلِ انکار درجہ تک روشنی میں آئے تو دنیا کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ قرآن عزیز نے ان سے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا اور اس کے بیان میں حقیقت

Marfat.com

سے سر مو تجاوز ثابت نہیں ہوا۔ رقیم (پیٹرا) کی تاریخ ماضی اصحاب الحجر کے واقعات، عاد و ثمود کا تمدن اور مقام تاریخ، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل اور فرعون مصر کی آویزش کے واقعات اور سد عرم کے حالات، غرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے "تاریخی وقائع ہیں جو مسطورہ بالا حقیقت کے لئے زندہ جاوید شہادت ہیں۔

پس کیا یہ قرآن عزیز کے کلام الٰہی ہونے کی ایک ناقابل تردید شہادت نہیں ہے کہ ایک "امی" انسان ایک ایسے ملک میں جہاں ہر قسم کے علمی ذرائع مفقود و معدوم ہیں دنیا کی قوموں کو رشد و ہدایت کے سلسلہ میں اقوام ماضیہ اور امم سابقہ کے ایسے تاریخی واقعات سناتا ہے جن کے ایک حرف کی بھی تردید نہیں ہو سکی اور صدیوں تک علماء تحقیق نے کروڑوں اور اربوں روپیہ اور اپنے قیمتی وقت اور عمر کو صرف کر کے جب ان حالات کو جدید "علوم انکشاف" کے ذریعہ مشاہدہ کی حد تک حاصل کیا تو ان کو بالآخر یہ اقرار کرنا پڑا کہ قرآن نے ان سے متعلق جو کچھ کہا اور جس قدر کہا بلاشبہ علم تحقیق اس کے آگے ایک شوشہ بھی اضافہ نہیں کر سکا چہ جائیکہ اس کے خلاف ثابت کر سکتا

بہر حال اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر گذشتہ اقوام کے حالات ظاہر کر کے عبرت آموز قلب اور بصیرت افروز نگاہ کے لئے بہت کچھ سامانِ رشد و ہدایت عطا فرمایا تاکہ موجودہ امم و اقوام سرکش اور مفسد قوموں کے نتائج بد اور ہولناک پاداشِ عمل سے عبرت حاصل کریں اور نیکوکار و خیر اندیش قوموں کے حالات و واقعات اور ان کے ثمراتِ خیر کو اختیار کر کے دین و دنیا کی فوز و فلاح کو اپنا سرمایہ بنائیں اور چونکہ قرآنِ عزیز کا مقصد صرف موعظت و تذکیر ہے نہ کہ اقوام و امم کی مکمل تاریخ اس لئے اس نے نہ دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ بیان کی ہے اور نہ جن قوموں کی تاریخ سے تعرض کیا ہے ان کی پوری تاریخ کو پیش کیا ہے کیونکہ یہ اس کے موضوع اور مقصد سے خارج ہے وہ رشد و ہدایت اقوام کے لئے بلاشبہ ایک مکمل صحیفہ قانون ہے مگر تاریخ و جغرافیہ یا فلسفہ و سائنس کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں وہ سب کچھ بھی موجود ہو جس کا فلسفہ و تاریخ کی کتابوں میں ہونا ضروری ہے۔

الحاصل اممِ ماضیہ کے ان حالات و واقعات میں سے جو بدکردار اور نیک کردار انسانوں کے درمیان

Marfat.com

امتیاز پیدا کرتے اور قوموں کی انفرادی و اجتماعی اصلاح و انقلاب کے لئے سرمایہ عبرت و بصیرت ثابت ہوتے ہیں ایک اہم واقعہ وہ بھی ہے جو یہود بنی اسرائیل کی پیہم شرارتوں اور فساد انگیزیوں کی بنا پر دو مرتبہ مقدس ہیکل اور یروشلم (بیت المقدس) کی تباہی و بربادی اور خود ان کی غلامی و رسوائی کی شکل میں ظاہر ہوا اور جس نے ان کی قومی ذلت اور اجتماعی ہلاکت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگا دی۔

بیت المقدس | بیت المقدس کی تعمیر کا واقعہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے واقعات کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، یہ پاک جگہ اپنے ہیکل (مسجد) کی وجہ سے بنی اسرائیل کا قبلہ رہی ہے اور یہ مقدس مقام بے شمار انبیاء (بنی اسرائیل) کا مہبط و مدفن ہے اور اس کی عظمت نہ صرف یہود و نصاریٰ ہی کی نگاہ میں ہے بلکہ اس کو مسلمان بھی مقام مقدس مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ اسراء (معراج) نے اس کے تقدس کو اور بھی زیادہ چار چاند لگا دیئے ہیں اور جب بھی کوئی مسلمان سورۂ اسراء کو تلاوت کرتا ہے اس کے قلب میں اس مقام کا تقدس و جلال اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے اس ذات کے لئے جس نے اپنے بندہ (محمد
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَ	اقصیٰ تک سیر کرائی وہ مسجد اقصیٰ جس کے اطراف کو ہم نے
کْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا	بڑی برکت دی ہے اور اس لئے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○	دکھائے بلاشبہ وہی ذات ہے جو دیکھنے والی سننے والی ہے

بیت المقدس کی اس مسجد کو "مسجد اقصیٰ" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مکہ (حجاز) سے بہت دور فاصلہ پر واقع ہے۔

معراج کے واقعہ میں جب قرآن نے "بیت المقدس" کا ذکر کیا تو ساتھ ہی اس جانب بھی توجہ دلائی کہ بنی اسرائیل کی دعوت و تبلیغ کا یہ مقام اور بنی اسرائیل کا قبلۂ صلوٰۃ جو تمہارے نزدیک بھی عظمت و تقدیس سے معمور ہے یہود کی مفسدانہ سرگرمیوں اور احکام الٰہی کے خلاف مسلسل بغاوتوں اور شرارتوں کی وجہ سے دو مرتبہ تباہی و بربادی اور اہانت سے دوچار ہو چکا ہے اور نہ صرف یہ مقام بلکہ خود یہ بھی مشرکوں اور عیسائیوں کے

Marfat.com

ہاتھوں حد درجہ ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں مگر ان کو پھر بھی عبرت و بصیرت حاصل نہیں ہوئی اور آج جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ عامہ ان کو رشد و ہدایت اور دین و دنیا کی عزت و عظمت کا پیغام سنا رہی ہے یہ اس کے ساتھ نفرت و حقارت ہی کا معاملہ کر رہے ہیں اور پہلے ساتھوں کی طرح اب بھی غفلت اور سرکشی اختیار کر کے ابدی ذلت و خسران کو دعوت دے رہے ہیں۔

قرآن عزیز کہتا ہے کہ ہم نے کتاب (صحف انبیاء علیہم السلام) میں پہلے سے بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ سخت فتنہ و فساد اور سرکشی و بغاوت کرو گے اور خدا کے اس مقدس مقام میں فتنہ ساماں ہو گے اور اس کی پاداش میں دونوں مرتبہ تم کو ذلت و ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور جس سرزمین کو تم بہت زیادہ محبوب رکھتے ہو یہ بھی دو مرتبہ ظالموں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گی۔

اس کے بعد ہم پھر ایک مرتبہ تم پر رحم کریں گے اور سعادت و فلاح کی طرف دعوت دیں گے پس اگر تم نے گذشتہ واقعات سے عبرت و موعظت حاصل کر کے اس دعوتِ حق پر لبیک کہا اور اس کو بطیبِ خاطر قبول کیا تو دنیا کی کوئی طاقت تمہاری اس سعادت کو نہیں سلب کر سکتی اور اگر تمہاری تاریخی کجروی اور سرکشی اور حق کے ساتھ بغاوت اور مخالفت نے تمہارا ساتھ نہ چھوڑا اور گذرے ہوئے واقعات کی طرح اس مرتبہ بھی تم نے فساد و گمراہی کو اپنایا تو ہماری جانب سے بھی پاداشِ عمل کا قانون اسی طرح پھر دہرایا جائے گا اور اس کے بعد تم پر ابدی ذلت و رسوائی کی مہر لگا دی جائے گی اور یہ سب کچھ تو دنیا کا معاملہ ہے اور ایسے سرکشوں کے لیے آخرت میں بہت برا ٹھکانا "جہنم" ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اور ہم نے کتاب (صحفِ انبیاء) میں بنی اسرائیل کو اس
فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي	فیصلہ کی خبر دیدی تھی کہ تم ضرور ملک میں شر و فساد
الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ	پھیلاؤ گے اور بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے پھر
عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ	جب دو وقتوں میں سے پہلا وقت آ گیا تو اے بنی اسرائیل
اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ	ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیے جو بڑے
اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا	ہی خوفناک تھے۔ پس وہ تمہاری آبادیوں کے

Marfat.com

خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا
مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ
عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ
وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ
اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا
وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ
كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا
مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ
عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ
حَصِيْرًا ۝

اندر پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ تو اسی لئے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔ پھر (دیکھو) ہم نے زمانہ کی گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کر دی اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی اور تمہیں پھر سے بنا دیا کہ بڑے جتھے والے ہو گئے اگر تم نے بھلائی کے کام کئے تو اپنے ہی لئے کئے اور اگر برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لئے کیں۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو بھیجا تاکہ تمہارے چہروں کو رسوائی کی کالک پھیر دیں اور اسی طرح (ہیکل) مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے اور جو کچھ پائیں توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آ جاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی فساد کی طرف لوٹ آؤ گے تو ہماری طرف سے پاداشِ عمل لوٹ آئے گی اور ہم نے منکرین حق کے لئے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے۔

اس مقام پر "الکتاب" سے مراد انبیاء بنی اسرائیل کے وہ صحیفے ہیں جن میں یہود کے دو مرتبہ سخت فساد اور سرکشی کرنے اور اس کی بدولت بیت المقدس کی بربادی اور ان کے ہلاک اور غلام بن کر ذلیل رسوا ہونے کے متعلق وہ پیشین گوئیاں کی گئی تھیں جو بذریعہ الہام و وحی ان کو خدا کی جانب سے معلوم ہوئی تھیں چنانچہ موجودہ توراۃ میں یسعیاہ، یرمیاہ، حزقیل اور زکریا[1] علیہم السلام کے صحیفوں میں وہ اب بھی مذکور ہیں اور ان صحیفوں کا بیشتر حصہ اسی قسم کی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے اور ان تینوں صحیفوں میں دو مرتبہ کے ان فسادات اور فسادات سے متعلق خدائے تعالیٰ کی جانب سے سخت سزا کا جس تفصیل کے

[1] یحییٰ علیہ السلام کے والد نہیں ہیں دوسرے نبی ہیں۔

Marfat.com

ساتھ ذکر ہے اس سے حرف بحرف قرآن عزیز کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے یسعیاہ کی کتاب میں یہود کی پہلی شرارت دفساد کا ذکر اس طرح شروع ہوتا ہے۔

رویا یسعیاہ بن اموص کی جو اس نے یہوداہ اور یروشلم کی بابت یہوداہ کے بادشاہوں عزیاہ اور یوتام اور آخز اور حزقیاہ کے دنوں میں دیکھی۔ سن لے آسمانو اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا اور پوسا پھر انھوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے مالک کی چراگاہ کو مگر بنی اسرائیل نہیں جانتے میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے آہ خطاکار گروہ ایک قوم جو گناہوں سے لدی ہوئی ہے بدکاروں کی نسل، خراب اولاد کہ انھوں نے خداوند کو ترک کیا اسرائیل کے قدوس کو ہلاک جانا اور اس سے بالکل پھر گئے تھے[۱]

اور پھر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے جو سزا ان کو ملنے والی تھی اس کا ذکر اسی مکاشفہ میں اس طرح ہے

تمہارا ملک اجاڑ ہے، تمہاری بستیاں جل گئیں، پردیسی لوگ تمہاری زمین کو تمہارے سامنے نگلتے ہیں وہ ویران ہے گویا کہ اسے اجنبی لوگوں نے اجاڑا ہے اور صیہون کی بیٹی چھوڑی گئی ہے[۲]

اور یرمیاہ کی کتاب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ سے شروع کی گئی ہے۔

کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ دیکھ میں اتر کے بادشاہوں کے سارے خاندانوں کو بلاؤں گا اور وہ آئیں گے اور ہر ایک اپنا اپنا تخت یروشلم کے پھاٹکوں میں داخل ہونے کی راہ پر اور اس کی سب دیواروں کے گرداگرد اور یہوداہ کے تمام شہروں کے مقابل قائم کرے گا اور میں ان (یہود) کی ساری شرارت کی بابت کہ انھوں نے مجھے چھوڑا ہے اور بیگانے خداؤں کے سامنے لوبان جلایا اور اپنے ہی ہاتھوں کے کاموں کو سجدہ کیا اپنی عدالت ظاہر کر کے ان پر حکم کروں گا[۳]

[۱] باب ۱ آیات ۴-۱ [۲] صیہون شام کے ملک میں مشہور پہاڑ ہے باب ۱ آیات ۸-۷ [۳] باب ۱ آیات ۱۶-۱۵

Marfat.com

دیکھو تم جھوٹی باتوں پر جو سود مند نہیں ہو سکتیں اعتماد کرتے ہو۔ کیا تم چوری کرو گے خون کرو گے زناکاری کرو گے جھوٹی قسمیں کھاؤ گے اور بعل (بت) کے آگے لوبان جلاؤ گے اور غیر معبودوں کی جنھیں تم نہیں جانتے پیروی کرو گے؟ اور میرے حضور اس گھر میں جو میرے نام کا کہلاتا ہے آکے کھڑے ہو گے اور کہو گے کہ ہم نے خلاصی پائی تاکہ نفرت کے کام کرو [1]

اے یروشلم (بیت المقدس) اپنے بال منڈا اور پھینک دے اور اونچی جگہوں پر جا کے نوحہ کر کیونکہ خداوند نے اس نسل کو جس پر اس کا قہر پڑا تھا مردود کیا اور ترک کر دیا ہے کہ بنی یہوداہ نے میری نظر میں برائی کی خداوند کہتا ہے اس گھر میں جو میرے نام کا کہلاتا ہے انھوں نے اپنی مکروہات رکھیں کہ اسے ناپاک کریں [2]

اس لئے رب الافواج یوں کہتا ہے لہٰذا تم نے میری باتیں نہ سنیں" دیکھ میں اتر کے سارے گھرانوں کو اور شاہ بابل بنوکدنذر کو بلا بھیجوں گا۔

اور حزقیل کی کتاب میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے یہی یروشلم ہے میں نے اسے قوموں اور مملکتوں کے درمیان جو اس کے آس پاس ہیں رکھا ہے۔ لیکن اس نے میری عدالتوں کو شرارت کر کے قوموں کی بہ نسبت زیادہ ٹال دیا اور میری شریعتوں کو اس پاس کی مملکتوں کی بہ نسبت زیادہ عدول کیا کہ انھوں نے میری عدالتوں کو حقیر جانا اور میری شریعتوں پر عمل نہیں کیا۔ سو خداوند یہوداہ یہ کہتا ہے ازبس کہ تم نے ان قوموں کی نسبت سے جو تمہارے گرد و پیش ہیں زیادہ بغاوت کی اور میری شریعتوں پر نہ چلے ...... سو خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں ہاں میں ہی تیرا مخالف ہوں اور تیرے درمیان سب قوموں کی آنکھوں کے سامنے تجھے سزا دونگا [3]

اور زکریاہ نبی کی کتاب میں یہود کے دوسرے فساد اور بیت المقدس کی دوبارہ تباہی کے متعلق یہ پیشین گوئی درج ہے۔

[1] باب ۷ آیات ۱۱-۸ [2] باب ۷ آیات ۱۱-۸ باب ۲۵ آیات ۹-۸ [3] باب ۵ آیات ۹-۵

Marfat.com

دیکھو خداوند کا دن آتا ہے اور تیری لوٹ کا مال تیرے درمیان بانٹا جائے گا اور میں ساری قوموں کو فراہم کروں گا کہ یروشلم پر چڑھیں اور لڑیں اور شہر لیا جائے گا اور گھر کے گھر لوٹے جائیں گے اور عورتیں بے حرمت کی جائیں گی اور آدھا شہر اسیر ہو کے جائے گا پھر وہ جو باقی رہ جائیں گے شہر میں کاٹے نہ جائیں گے تب خداوند خروج کرے گا اور ان قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا۔ جس طرح سابق میں جنگ کے دن لڑا تھا۔ [۱]

یہ ہے خلاصہ ان مکاشفات یا پیشین گوئیوں کا جو انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بڑی تفصیلات کے ساتھ مذکور ہیں اور جن کا اجمالی تذکرہ قرآن عزیز (سورۂ بنی اسرائیل) میں بھی بصورت تصدیق موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان مکاشفات اور پیشین گوئیوں کا ظہور کس کس زمانہ میں ہوا اور کس طرح ہوا تو مفسرین میں سے ابن کثیر کے طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہود کی ان دو شر انگیزیوں میں سے ایک کو بعثت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل زمانہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور دوسری کو زمانۂ بعثت صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول فرماتے ہیں اور پھر پہلے واقعہ کے متعلق اپنی جانب سے فیصلہ دیتے ہوئے مفسرین کے تین قول نقل کرتے ہیں (۱) قتادہ کہتے ہیں کہ یہود کی پہلی شرارت کی سزا میں جالوت کا حملہ ہوا جس نے یہود کو بہت مصیبت میں ڈال دیا تھا مگر داؤد علیہ السلام کی بدولت اس کے فتنہ سے ان کو نجات ملی یہ واقعہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا (۲) سعید بن جبیرؒ کی رائے ہے کہ پہلا وعدۂ الٰہی جو بادشاہ عمل بدیہود پر نافذ ہوا موصل و نینوی کے مشہور قاہر بادشاہ سنجاریب کے حملہ کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے فلسطین کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوا تھا مگر جب یہود اور شاہ یہود خرقیاہ نے اپنے زمانہ کے نبی سعیاہ علیہ السلام کے ہاتھ پر توبہ و انابت کی اور وہ سچائی کے ساتھ اپنی بداعمالیوں اور بدکاریوں سے باز آ گئے تب خدائے تعالیٰ نے ان پر سے اس بلا کو ٹال دیا اور محاصرہ ترک کر کے واپس ہوا (۳) سعید بن جبیر ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بخت نصر (بنوکدنذر) شاہ بابل

[۱] باب ۱۴ - آیات ۳ - ۱

کا وہ مشہور حملہ ہے جس نے نہ صرف فلسطین اور شام کے تمام علاقے کو تاراج کر دیا تھا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی بلکہ یہود کی قومیت و نسل کو بھی برباد کر ڈالا اور ہزاروں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا تھا مگر یرمیاہ علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق ستر برس کے بعد یہود کو خورس شاہِ فارس نے بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کو دوبارہ آزادی شادمانی اور خوش عیشی نصیب ہوئی اور خورس کے حکم سے بیت المقدس بھی دوبارہ تعمیر ہوا اور اس نے حضرت دانیال علیہ السلام کو ان کا سردار بنا کر یروشلم واپس کر دیا [۱]

اور قاضی بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین نے پہلی مرتبہ کے معاملہ کو سنجاریب یا بخت نصر سے متعلق کیا ہے اور دوسرے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ فارس کے ملوک الطوائف میں سے ہردوس بادشاہ کے زمانہ میں پیش آیا جب کہ اس نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا اور یہود اس کی مقاومت سے عاجز رہے مگر جب انھوں نے اپنے زمانہ کے پیغمبر کے سامنے سچی توبہ کی اور نیک کردار زندگی اختیار کرنے کا پختہ عہد و پیمان کیا تو ان سے یہ مصیبت ٹال دی گئی اور یہود کی شر انگیزیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان پر یہ بلائیں اس وقت لائی گئیں جب کہ وہ اپنی شرارت میں اس درجہ بڑھ گئے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے قتل سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ میں شعیاہ یا یرمیا کو قتل کیا تھا اور دوسری مرتبہ زکریا یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے قتل پر بھی آمادہ تھے [۲] اور " وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا " میں اس تیسرے واقعہ کا تذکرہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا یعنی یہود نے اپنی الہامی کتابوں میں آپ کی نبوت و رسالت کے حالات و علامات جان لینے کے باوجود آپ کا انکار کیا اور بدعہدیاں کر کے آپ کو اور مسلمانوں کو ہر قسم کی ایذائیں پہونچائیں نتیجہ یہ نکلا کہ اس مرتبہ جب ٹھکرائے گئے تو پھر کبھی نہ ابھرے اور نہ قیامت تک کبھی صاحب حکومت ہو سکیں گے [۳]

دوسری رائے یہ ہے کہ یہود کی پہلی شرارت اور اس کی پاداش کا معاملہ بخت نصر کے حملۂ بیت المقدس

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۲ و تاریخ ابن کثیر ج ۲ [۲] " ان ہر دو انبیاء میں سے کوئی بھی قتل نہیں کئے گئے " [۳] بیضاوی سورہ اسریٰ

Marfat.com

سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری مرتبہ کا معاملہ طیطوس (ٹیٹس) رومی کے حملہ سے متعلق ہے اور یہی رائے صحیح اور قرآن عزیز کی آیات اور تاریخی نقول کے مطابق ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن عزیز نے اس معاملہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے حسب ذیل باتیں خصوصیت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) "الکتاب" میں یہ خبر دیدی گئی تھی کہ یہود دو مرتبہ سخت شر انگیزی اور فساد کریں گے "وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا"

(۲) جب انھوں نے پہلی مرتبہ شر و فساد کیا تو ہم نے ان پر ایسی قاہرانہ طاقت مسلط کر دی کہ اس نے ان کی بستیوں میں گھس کر ان کو اور ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر ڈالا" فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا"

(۳) اس تباہی کے بعد (ان کی توبہ و انابت پر) ہم نے ان کو سابق کی طرح پھر حکومت و طاقت بھی بخشی اور مال و متاع کی بہتات سے بھی مستفیض کیا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ ٱلْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَٰكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا"

(۴) اور ان کو یہ بھی بتا دیا کہ سرکشی اور فساد سے پرہیز اور امن دوستی اور خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کے قبول کا بازاثر ہم کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ اس کی خلاف ورزی میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی اطاعت و انقیاد سے تم ہی کو فائدہ پہونچتا ہے" إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا"

(۵) مگر انھوں نے دوسری مرتبہ پھر بد عہدی کی اور خدا کی نافرمانی اور فساد فی الارض میں دوبارہ بے باک ہو گئے تو ہم نے بھی پہلے کی طرح ان پر ایک ظالم طاقت کو مسلط کر دیا جس نے سابق ظالم حکمراں کی طرح دوبارہ بیت المقدس اور اس کے ہیکل (مسجد) کو بھی برباد کیا اور ان کو بھی ذلیل و رسوا کر کے ان کی سرکشی کا سر کچل دیا۔" فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ ٱلْءَاخِرَةِ لِيَسُۥٓـُٔوا۟ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا۟ مَا عَلَوْا۟ تَتْبِيرًا"

(۶) اور اگرچہ یہود کی یہ تباہی بظاہر حال ابدی معلوم ہو لیکن خدائے تعالیٰ کی رحمت تیسری مرتبہ اور دفعہ

Marfat.com

دے گی کہ وہ عزت و سربلندی حاصل کریں اور ان کی مایوسی مبدل بہ کامرانی ہو جائے لیکن اگر انھوں نے اس کو بھی ٹھکرا دیا تو بے شک پھر اس کا قانون "پاداشِ عمل" بھی ان کو ضرور سزا دے گا اور وہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے اور پھر یقیناً رہتی دنیا تک ذلیل و خوار ہی رہیں گے اور دارِ آخرت میں تو جہنم ایسے ہی متکبروں کے لئے تیار کی گئی ہے عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا۔"

ان تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کی شر انگیزیوں پر بصورتِ سزا و عذاب جن جابر و قاہر بادشاہوں کو مسلط کیا گیا انھوں نے دونوں مرتبہ بیت المقدس (یروشلم) کو ضرور تباہ و برباد کیا "وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا" اس لیے جن اقوال میں پہلے واقعہ کا مصداق آشوری حکمراں "سنجاریب" یا "جالوت" کو بتایا گیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکا چہ جائیکہ وہ اس کو تباہ و برباد کرتا چنانچہ جالوت کے متعلق تو قرآن کی تصریحات بھی اس کی تائید کرتی ہیں اور سیر و تاریخ کی نقول بھی جیسا کہ ہم حضرت سموئیل علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں اسی طرح سنجاریب کے متعلق "یسعیاہ کی کتاب" میں یہ موجود ہے۔

پس شاہ حزقیاہ کے ملازم یسعیاہ پاس آئے۔ تب یسعیاہ نے انھیں فرمایا تم اپنے آقا سے کہو خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو ان باتوں سے جنھیں شاہِ آشور (سنجاریب) کے جوانوں نے کہہ کے میری تکفیر کی ہراساں مت ہو دیکھ میں اس میں روح ڈالوں گا اور وہ ایک افواہ سن کے اپنی مملکت کو پھر جائے گا اور میں اسے اس ہی کی سرزمین میں تلوار سے مروا ڈالوں گا۔ . . . سو خداوند شاہِ آشور (سنجاریب) کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ وہ اس شہر (یروشلم) میں نہ آئے گا نہ اس کے اندر تیر چلائے گا نہ پھر پکڑ کے اس کے سامنے ظاہر ہوگا اور نہ اس کے مقابل دمدمہ باندھے گا بلکہ جس راہ سے وہ آیا اسی راہ سے پھر جائے گا اور اس شہر میں نہ آ سکے گا۔ تب سنجریب (سنجاریب) شاہِ آشور نے کوچ کیا اور چلا گیا اور پھر گیا اور نینوی میں آ رہا۔[1]

[1] باب ۳۷ آیات ۷-۵ و آیات ۳۱-۳۳ و آیات ۳۸-۳۷

Marfat.com

اور قاضی بیضاوی کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کہ یہود سے متعلق دوسرے حادثہ کا مصداق فارس کے ملوک الطوائف میں سے شاہِ ہردوس ہے اس لئے کہ تاریخ وسیر میں ملوک الطوائف کے عہد میں کسی ایسے بادشاہ کا ذکر نہیں پایا جاتا جس نے بیت المقدس پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کیا اور اس کو تباہ و برباد کر ڈالا ہو۔

ان اقوال کے برعکس توراۃ (صحائف انبیاء) اور سیر و تاریخ کی نقول سے باتفاق یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلسطین اور سرزمین یہوداہ کی تباہی اور ہیکل کی بربادی صرف دو بادشاہوں کے ہاتھوں ہوئی ہے اور نہ صرف شہروں کی بربادی بلکہ یہودی قومیت کی وہ تباہی و بربادی جو دنیا کے انقلابات کی تاریخ میں اہم جگہ رکھتی ہے۔ ایک بابل کے قاہر بادشاہ بنوکدنذر (بخت نصر) کے ہاتھ سے اور یہ تقریباً ۶۰۰ ق م کا واقعہ ہے اور دوسری طیطوس رومی کے ہاتھوں سے اور یہ واقعہ رفع مسیح علیہ السلام سے تقریباً ستر سال بعد پیش آیا اور ان ہی دو حادثوں میں یہود، یہودی قومیت اور یہودی مذہب پر وہ سب کچھ ہو گذرا جس کی اطلاع پہلے سے توراۃ (صحف انبیاء) میں دیدی گئی تھی اور جس کی تصدیق کے لئے قرآن عزیز بھی شہادت دے رہا ہے۔

اس لئے بلا خوفِ تردید یہ کہنا صحیح ہے کہ یہود کی بدکرداریوں کے نتیجہ میں جابر و قاہر بادشاہوں کے ہاتھوں ان کی تباہی و بربادی کے جو دو سانحے پیش آئے اور جن کا ذکر سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں ہے وہ بلاشبہ بخت نصر اور طیطوس (ٹیٹس) ہی سے تعلق رکھتے ہیں تو اب ازبس ضروری ہے کہ ان ہر دو واقعات کی تفصیلات بیان کر کے یہ دکھایا جائے کہ اس زمانہ میں یہود کی شر انگیزیاں اور مفسدانہ کارگذاریاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ ان دونوں تباہ کن حوادث میں ان پر جو کچھ گذرا وہ ان کی بداعمالیوں ہی کا ثمرہ اور نتیجہ تھا اور پاداشِ عمل ہی نے ان دو طاقتوں کی شکل میں نمودِ ظہور کیا تھا . . . .

شرارتِ یہود کا پہلا دور	اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانونِ قدرت کا ہمیشہ سے یہ اٹل فیصلہ رہا ہے کہ جب بداخلاقی، فتنہ و فساد، خون ریزی، جبر و ظلم اور حق کے مقابلہ میں بغض و حسد کسی جماعت

کا قومی مزاج بن جاتے ہیں اور چند افراد میں نہیں بلکہ پوری قوم کے اندر یہ امور نشو ونما پا جاتے ہیں ....
تو پھر قبولِ حق کی صحیح استعداد ان سے سلب کر لی جاتی ہے اور وہ اس درجہ بے خوف اور بے باک ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس خدا کے سچے پیغمبر دعوتِ حق اور پیغامِ الٰہی سنانے آتے ہیں تو وہ صرف اس دعوت سے منہ ہی نہیں موڑ لیتے بلکہ ان انبیاء و رسل کو قتل تک کر دینے سے گریز نہیں کرتے اور شرک وطغیان کو راہِ عمل بنا کر اولیاء الرحمان کی جگہ اولیاء الشیطان بن جاتے ہیں جب ان کی حالت اس درجہ تک پہونچ جاتی ہے تو اب خدائے برتر کا قانون "پاداشِ عمل" بروئے کار آتا ہے اور آخرت کے عذابِ الیم کے علاوہ دنیا میں ہی ان کو ایسی ہلاکت و بربادی سے دوچار کر دیتا ہے کہ اس قوم کا تمام کبر و غرور اور شر و فساد کی شعلہ سامانیاں ذلت و خواری کے ساتھ خاک کر دی جاتی ہیں اور ان کی قومی زندگی کو قعرِ مذلت میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی آنکھیں مشاہدہ کر لیں اور عبرت آموز قلب بھی یہ سمجھ لیں کہ حقیقی عزت و سربلندی کے مالک تم نہیں ہو اور ذلت و عزت تمہارے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس قادرِ مطلق ہستی کے قبضہ میں ہے جو کائناتِ ہست و بود کا خالق و مالک ہے اور جس کا یہ اعلان ہے کہ بدکاروں کے لئے انجام کار ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور حقیقی عزت نیکوکاروں ہی کیلئے ہے اور وہی اس حقیقت کے پیشِ نظر جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے "وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"

پس جب ہم اس قانونِ فطرت کو پیشِ نظر رکھ کر یہود بنی اسرائیل کے اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں جو زیرِ بحث واقعات سے متعلق ہے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے کہ ان کی قومی زندگی کا قوام مسطورہ بالا بداخلاقیوں سے ہی بنا تھا اور وہ اپنی اس زندگی پر فخر و مباہات کرتے تھے چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کے بعد ان کی مذہبی اور اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ جھوٹ، فریب، ظلم و سرکشی اور فساد و فتنہ انگیزی ان کا شعار بن گئے تھے حتیٰ کہ شرک و بت پرستی تک ان میں رچ گئی تھی لیکن اس کے باوجود عرصۂ دراز تک خدائے تعالیٰ کے "قانونِ مہلت" نے ان کو مہلت دی کہ وہ اپنی حالت کی اصلاح کر لیں اور اس کی صفت "رحمت" نے ان سے منہ

Marfat.com

نہیں موڑا بلکہ ان کی رشد وہدایت اور اصلاح اخلاق واعمال کے لئے نبیوں اور پیغمبروں کا سلسلہ قائم رکھا
ذہ براہ ان کو نیکو کاری کی ترغیب دیتے اور بدکاری سے اجتناب کی تلقین کرتے رہتے تھے تاکہ ان کو دین و دنیا
کی سر بلندی حاصل ہو اور وہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے دوسروں کے لئے اسوۂ حسنہ
بن سکیں مگر یہود پر ان کے ارشاد و تبلیغ کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی سرکشی اور نافرمانی ترقی پذیر ہوتی گئی
اور ان کے علماء و احبار نے سیم و زر کی خاطر خدائے برتر کے احکام میں تلبیس شروع کر دی اور حلال کو حرام اور
حرام کو حلال بنانے میں بے خوف ہو گئے اور عوام نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال کر گمراہی کو اپنا امام
بنا لیا اور بے باکی کے ساتھ ہر قسم کی بداخلاقی کو اپنا لیا اور آخر کار ان کے خواص و عوام اس انتہائی شقاوت
و بدبختی پر اتر آئے کہ خدا کے معصوم پیغمبروں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کی تکذیب کر کے ان کے خون
ناحق پر فخر و مباہات کرنے لگے۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں جگہ جگہ ان کی بدکرداریوں اور نافرمانیوں کا
اس طرح ذکر موجود ہے۔

بنی اسرائیل نہیں جانتے، میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے آہ خطاکار گروہ ایک قوم جو گناہوں
سے لدی ہوئی ہے بدکرداروں کی نسل خراب اولاد کہ انھوں نے خدا کو ترک کیا، اسرائیل
کے قدوس کو حقیر جانا اس سے بالکل پھر گئے [1]

اے میری امت تیرے پیشوا تجھ کو گمراہ کرتے ہیں اور تیرے راہ گیروں کی راہ مارتے ہیں خداوند
کھڑا ہے کہ مقدمہ پیش کرے اور وہ لوگوں کی عدالت کرنے پر مستعد ہے [2]

کیونکہ وہ جو ان کے پیشوا ہیں ان سے خطاکاری کراتے ہیں اور وہ جو ان کی پیروی کرتے ہیں
نگلے جاتے ہیں گے سو خداوند ان کے جوانوں سے خوشنود نہیں اور وہ ان کے یتیموں اور ان کی
بیواؤں پر رحم نہ کرے گا کہ ان میں ہر ایک بے دین ہے اور بدکردار ہے [3]

اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں اس طرح مذکور ہے۔

---

[1] باب آیات ۴، ۳ [2] باب آیات ۱۳-۱۲ [3] باب آیات ۱۷-۱۶

Marfat.com

اور خداوند نے اپنے سارے خدمت گذار نبیوں کو تمہارے پاس بھیجا، صبح سویرے اٹھ کے بھیجا، پر تم نے نہ سنا نہ سننے کو اپنا کان لگایا، انھوں نے کہا کہ ہر ایک اپنی بری راہ سے اور اپنے کاموں کی برائی سے باز آؤ اور اس سرزمین میں جسے خدا نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو ہمیشہ کے لئے دیا بستے رہو اور تم بیگانے باطل معبودوں کا پیچھا نہ کرو کہ ان کی بندگی اور ان کو سجدہ کرنے لگو اور اپنے ہاتھوں کے کاموں سے مجھے غصہ نہ دلاؤ اور میں تم پر کچھ ضرر نہ پہنچاؤں گا۔ پھر تم نے میری نہ سنی، خداوند کہتا ہے تاکہ اپنے ہاتھوں کے کاموں سے اپنے زیان کے لئے مجھے غصہ دلاؤ[۵۱]

اور ایسا ہوا کہ جب یرمیاہ ساری باتیں کہہ چکا جو خداوند نے اسے حکم دیا تھا کہ ساری قوم سے کہے تب کاہنوں اور نبیوں (جھوٹے مدعیان نبوت) اور ساری قوم نے اس کو پکڑا اور کہا کہ تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔ تو نے خداوند کا نام لے کر کس لئے نبوت کی ہے اور یہ کہا کہ یہ گھر (یروشلم) سیلا کی مانند ہو جائے گا اور یہ شہر ویران کیا جائے گا[۵۲]

کیونکہ اے یہوداہ جتنے تیرے شہر ہیں اتنے ہی تیرے معبود ہیں تم کاہے کو مجھ سے حجت کرو گے تم سب مجھ سے پھر گئے ہو خداوند کہتا ہے میں نے تمہارے لڑکوں کو عبث مارا پیٹا ہے وہ تربیت پذیر نہیں ہوئے، تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے (یعنی تم نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے سچے پیغمبروں کو قتل کیا ہے)۔

یہود کی سرکشی اور خدا سے بغاوت کے یہ افسوس ناک حالات تھے جن پر خدا کی جانب سے بار بار ان کو تنبیہ کی جاتی اور مہلت سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی جاتی رہی لیکن ان پر الٹا ہی اثر ہوتا رہا اور ان کی بیحیائی اور بیباکیاں بڑھتی ہی رہی تب یکایک غیرت حق نے قہر اور بطش شدید کی شکل اختیار کر لی اور اس کا زبردست ہاتھ انجام ساتویں صدی قبل مسیح کے آخری دور میں بابل (عراق) کی حکومت پر ایک زبردست جری

---

[۵۱] باب ۲۵ آیات ۷،۴ [۵۲] باب ۲۶ آیات

Marfat.com

سالم و جابر بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کا نام بنوکدنذر یا بنوکدنزار تھا اور عرب اس کو بخت نصر کہتے تھے اگرچہ اس زمانہ میں بابل کی حکومت بذات خود ایک متمدن اور زبردست حکومت شمار ہوتی تھی مگر اس سے قریب نینوی کی مشہور طاقت کی تباہی کے بعد تو اس کو اور زیادہ قوت و شوکت حاصل ہوئی اور وہ ایک عظیم الشان شہنشاہیت تسلیم کر لی گئی حتیٰ کہ ایران کی مختلف قبائل حکومتیں بھی اس کی باج گزار اور ماتحت حکومتیں سمجھی جانے لگیں۔

بنوکدنذر کی شمشیر کشورستان نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا اور اس کی نظریں شام و فلسطین کے علاقوں پر پڑنے لگیں جو یہودیا کا علاقہ کہلاتا اور بنی اسرائیل کے مذہب اور قومیت کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ وہ اس کی جانب بڑھا۔ جب یہودیا کی سرزمین کے باشندوں نے یہ سنا تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کو موت کا نقشہ نظر آنے لگا اور اب وہ سمجھے کہ یسعیاہ اور یرمیاہ (علیہما السلام) نے ہماری بدکاریوں پر متنبہ کرتے ہوئے جس سزا اور عذاب الٰہی کا ذکر کیا تھا اور جس سے ناراض ہو کر ہم نے یرمیاہ (علیہما السلام) کو قید خانہ میں ڈال رکھا ہے وہ وقت آ پہنچا مگر شومیِ قسمت دیکھیے کہ انھوں نے اس حالت کو دیکھ کر اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں پر اظہار ندامت اور درگاہ الٰہی میں توبہ و انابت کی جانب پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مادی طاقت کے اسباب و وسائل پر بھروسہ کیا اور شاہِ بابل کی مقاومت کے لیے آمادہ ہو گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فلسطین و شام کے شہروں اور آبادیوں کو ویران اور مسمار کرتا ہوا بیت المقدس (یروشلم) کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ اب شاہ یہودا یکونیاہ[1] بن یہویقیم کو بجز اطاعت کوئی چارہ نہ رہا۔ بنوکدنذر یروشلم میں لشکر سمیت داخل ہوا اور بادشاہ، سردار اور تمام امراء کو قید کر لیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لشکریوں نے تمام مال و متاع اور ہیکل کی تمام اشیاء کو لوٹ لیا اور توراۃ کے تمام نسخوں کو آگ میں جلا کر خاک کر دیا اور ہزارہا انسانوں کو قتل اور باختلافِ روایت ایک لاکھ سے زائد یہودیوں کو جن میں بوڑھے، بچے، عورتیں اور مرد سب ہی تھے، بھیڑ بکری کی طرح ہنکاتا ہوا پیادہ پا بابل لے گیا اور ان سب کو غلام و باندی بنا لیا، علاقہ فلسطین و شام کے لاکھوں انسانوں کو قتل و غارت کرنے کے

[1] باب ۲۴ آیت ۱

Marfat.com

علاوہ صرف دمشق میں اس نے بے تعداد یہودیوں کو تہ تیغ کیا حتیٰ کہ خود یہودیوں کی زبان پر یہ تھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کرنے کی سزا ہے جو ہم کو شاہ بابل کی شمشیرِ براں کے ذریعہ دی جا رہی ہے۔

غرض شاہِ بابل کے اس حملہ نے یہوداہ کا ملک ہی ویران نہیں کیا بلکہ ان کے مذہب اور قوم کو بھی پارہ پارہ کردیا، چنانچہ یہود کے ان قیدیوں میں حضرت دانیال (اصغر) حضرت عزیر اور بعض دوسرے وہ بزرگ بھی تھے جن کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے قیام بابل کے زمانہ میں یہود کی اصلاح کے لئے نبوت سے سرفراز کیا گیا، تاکہ وہ اس بت پرست شاہنشاہی کی غلامی میں طاقت و آزادی سے محرومی کے ساتھ ساتھ دین و مذہب سے بھی محروم نہ ہو جائیں۔[۵]

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ جب بنوکدنزر (بخت نصر) بیت المقدس میں داخل ہو کر سب کچھ برباد کر چکا تو اس کو اطلاع دی گئی کہ یہود نے اپنے ایک نبی یرمیاہ (علیہ السلام) کو اس بنیاد پر قید کر رکھا ہے کہ انھوں نے تیری آمد اور حملہ سے قبل اپنی قوم کو ان تمام باتوں کی خبر دیدی تھی جو آج پیش آئیں، یہ سن کر شاہ بابل نے ان کو زندان سے نکالا اور ان سے بات چیت کرکے بیحد متاثر ہوا اور اصرار کیا کہ اگر وہ بابل چلنے پر آمادہ ہوں تو ان کو حکومت میں منصبِ جلیل دیا جائے گا اور ان کی کیاست و فراست سے فائدہ اٹھایا جائے گا مگر حضرت یرمیاہ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ تیرے ہاتھوں میری بدقسمت قوم کا جو حال ہوا ہے اس کے بعد میرے لئے بابل جانا میری زندگی کا سب سے بدترین سانحہ ہوگا، میں تو اب ان ہی کھنڈرات پر زندگی گذاروں گا، پس اے بادشاہ تو مجھ سے اس بارہ میں اصرار نہ کر، شاہِ بابل یہ سن کر خاموش رہا اور بابل کو روانہ ہو گیا۔[۶]

غلامی سے نجات

بابل کی غلامی کا یہ زمانہ یہود کے لئے کس درجہ یاس انگیز حسرت زا اور عبرت ناک رہا ہوگا، اس کا حقیقی اندازہ ہمارے اور آپ کے لئے بہت مشکل ہے بظاہر کوئی سہارا نہیں تھا کہ جس کے بل بوتہ پر وہ اپنی اس حالت میں انقلاب پیدا کر سکتے البتہ جب کہ وہ یسعیاہ اور یرمیاہ (علیہما السلام) کے مکاشفات

---

[۵] تاریخ ابن کثیر ج ۲ [۶] ایضاً

پیشین گوئیوں کی ابتدائی صداقت کا تجربہ کر چکے بلکہ اپنی زندگی پر ان کو گذرتا ہوا دیکھ چکے تو ان کے لئے
یدکی ایک یہ جھلک ضرور باقی تھی کہ ان مکاشفوں اور پیشین گوئیوں میں ساتھ ہی یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ
ود بابل میں ستر برس غلام رہیں گے اور ستر برس گذرنے پر فارس سے ایک بادشاہ کا ظہور ہوگا جو خدا کا
ح اور اس کا چرواہا کہلائے گا اور وہ یہوداور یروشلم کا نجات دہندہ ہوگا۔
یہ پیشین گوئی حضرت یسعیاہ نے واقعہ سے تقریباً ایک سو ساٹھ برس اور حضرت یرمیاہ نے ساٹھ برس
بل یہوداہ کو ان کی تباہی و بربادی کی پیشین گوئی کے ساتھ ساتھ سنادی تھی حتیٰ کہ قیام بابل کے دوران میں

ے شاہ بابل نے یہوداور یروشلم کے ساتھ جو کچھ کیا اس کی خبر یہود کو پہلے سے دیدی گئی تھی اور بتا دیا گیا تھا کہ
تمہاری بدکاریوں کا اگر یہی حال رہا تو تم ایک بت پرست بادشاہ بنوکدنزر کے ہاتھوں ذلیل ورسوا کیے جاؤ گے یہ
پیشین گوئی بھی یسعیاہ اور یرمیاہ کے صحیفوں میں آج تک موجود ہے۔
تب یسعیاہ نبی نے حزقیاہ بادشاہ کے پاس آکر اس سے کہا کہ ان شخصوں نے کیا کہا اور وہ کہاں سے تیرے پاس
آئے؟ حزقیاہ نے جواب دیا کہ ایک دور ملک بابل ہی سے میرے پاس آئے تب اس نے کہا کہ انھوں نے تیرے
گھر میں کیا کیا دیکھا؟ حزقیا نے جواب دیا سب کچھ کہ جو میرے گھر میں ہے انھوں نے دیکھا تب یسعیاہ نے حزقیاہ کو
کہا کہ رب الافواج کا کلام سن۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ وہ سب کچھ جو کہ تیرے گھر یروشلم ایں ہے اور جو کچھ تیرے
باپ دادوں نے آج کے دن تک ذخیرہ کر رکھا ہے اٹھا کے بابل کو لے جائیں گے۔ خداوند فرماتا ہے کوئی چیز
باقی نہ چھوٹے گی اور وہ تیرے بیٹوں میں سے جو تیری نسل سے ہوں گے اور تجھ سے پیدا ہوں گے لیجائیں گے
اور وہ شاہ بابل کے قصر میں خواجہ سرا ہوں گے (باب ۳۹ آیات ۷-۳
یہ پیشین گوئی حضرت یسعیاہ نے اس وقت کی تھی جب کہ بنوکدنزر سے بہت پہلے بابل کے بادشاہ مردوکنے یہودا
کے بادشاہ حزقیا کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے اسی طرح حضرت یرمیاہ کی کتاب میں ہے۔
اس لئے رب الافواج یوں کہتا ہے تم نے میری باتیں نہیں سنیں تو دیکھو میں شمال کے سارے گھرانوں کو اور بنوکدنزر کو
جو کہ میرا غلام ہے بلا بھیجوں گا خداوند کہتا ہے اور میں انھیں اس سرزمین اور اس کے باشندوں پر اور ان ساری قوموں پر جو

Marfat.com

پیشین گوئی کے ظہور سے تھوڑے زمانہ قبل دانیال (علیہ السلام) نے اپنے مکاشفہ میں اس شاہ فارس کو ایک ایسے مینڈھے کی شکل میں دیکھا تھا جس کے دو سینگ (قرنین) ہیں اور جبرئیل علیہ السلام نے اس کی یہ تعبیر دی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ مادہ (میڈیا) اور فارس دو بادشاہتوں کو ملا کر بادشاہی کرے گا اور اسی مکاشفہ میں انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک اور بکرا ہے جس کی پیشانی پر صرف ایک سینگ ہے اور اس نے دو سینگ والے مینڈھے کو مغلوب کر لیا ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس کی تعبیر یہ دی کہ یہ ایک ایسا زبردست بادشاہ ہوگا جو ایران کی اس شاہنشاہی کا خاتمہ کر کے اس پر قابض ہو جائے گا (یعنی سکندر یونانی)

چنانچہ یرمیاہ کی کتاب میں بصراحت یہ مدت مذکور ہے۔

اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کریں گی ؎۱

اور ایسا ہوگا" خداوند کہتا ہے" کہ جب ستر برس ہو گئے میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں (بابلیوں) کی زمین کو ان کی بدکرداری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑ دوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے ؎۲

خداوند یوں کہتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا اور تمہیں اس مکان میں پھر لانے سے اپنی اچھی بات تم پر قائم کروں گا ؎۳

اور ان ہی پیشین گوئیوں میں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہود کو بابل کی غلامی سے نجات دینے والی ہستی کا ایران سے ظہور ہوگا اور اس کا نام خورس ہوگا اس کی حکومت اور شاہنشاہیت کا فروغ خداوند اسرائیل کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہوگا اور جو بات ان کے گذشتہ بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوئی اس کو نصیب ہوگی کیونکہ وہ خدا کا چرواہا، مسیح (مبارک) اور بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہوگا۔ چنانچہ یسعیاہ کی کتاب میں اس کے ظہور کی خبر صاف الفاظ میں اس طرح دی گئی ہے۔

؎۱ باب ۲۵ آیات ۱۱ ؎۲ باب ۲۵ آیات ۱۲-۱۳ ؎۳ باب ۲۹ آیات ۱۰-۱۱

Marfat.com

(میں خداوند بنی اسرائیل کا خدا) یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ آباد کی جائے گی اور یہوداہ کے
شہروں کی بابت کہتا ہوں کہ وہ بنائے جائیں گے اور میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا جو
سمندر کو کہتا ہوں کہ سوکھ جا اور میں تیری ندیاں سوکھا ڈالوں گا۔ جو خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ
میرا چرواہا ہے اور وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائیگی
خداوند اپنے "مسیح" خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس
کے قابو میں کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دہرائے ہوئے دروازے اس کے لئے
کھول دوں اور وہ دروازے بند نہ کئے جائیں گے .... میں ہی خداوند ہوں
اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا تاکہ لوگ
سورج نکلنے کی اطراف سے اور سورج کے غروب ہونے کی اطراف تک جانیں کہ میرے سوا کوئی نہیں
میں ہی خداوند ہوں .... میں نے اس کو صداقت کے لئے برپا کیا ہے اور میں اس کی
ساری راہیں آراستہ کروں گا وہ میرا شہر بنائے گا اور میرے اسیروں کو بغیر قیمت اور عوض لئے
چھڑائے گا .... اے اسرائیل کے خدا اے نجات دینے والے وہ سب کے سب پشیمان
اور سراسیمہ بھی ہوں گے وہ جو بت تراش (اہل بابل) ہیں سب کے سب گھبرا جائیں گے پھر اسرائیل
خداوند میں ہو کے ابدی نجات کے ساتھ رہائی پائے گا [۱]
گذرو آستانہ سے گذرو، لوگوں کے لئے راہ راست کرو اور شاہراہ اونچی کرو، پتھر سرکا دو قوموں
کے لئے جھنڈا کھڑا کرو، دیکھو خداوند دنیا کی سرحدوں تک منادی کرتا ہے کہ صیہون کی بیٹی کو کہو
دیکھو تیرا نجات دینے والا آتا ہے دیکھ اس کا اجر اس کے ساتھ اور اس کا کام اس کے آگے ہے [۲]
بابل کی بابت وہ الہامی بات جسے اموص کے بیٹے یسعیاہ نے رویا میں دیکھا ....
میں نے اپنے مخصوص کیے ہوؤں کو حکم کیا۔ میں نے اپنے بہادروں کو جو میری خداوندی سے مسرور

---

[۱] یسعیاہ باب ۴۴ آیت ۲۸-۲۶ و باب ۴۵ آیات ۱۳- [۲] باب ۶۲ آیات ۱۱-۱۰

ہیں کہ وہ میرے قہر کو انجام دیں ...... رب الافواج جنگی لشکر کی موجودات لیتا ہے وہ دور ملک سے آسمان کی انتہا کی طرف سے آتے ہیں ...... دیکھو میں مادیوں (میڈیا والوں کو) ان پہ چڑھاؤں گا جو کہ روپیہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور سونے سے خوش نہیں ہوتے[1]

اور یرمیاہ کی کتاب میں مذکور ہے۔

دیکھ میں اتر کی سرزمین سے بڑی قوموں کے ایک گروہ کو برپا کروں گا اور بابل پہ لاؤں گا.. ...... کسدستان (بابل) لوٹا جائے گا سب جو اسے لوٹیں گے آسودہ ہوں گے" خداوند کہتا ہے[2] "اس لئے خداوند یوں کہتا ہے دیکھ میں تیری حجت ثابت کروں گا اور تیرا انتقام لوں اور اس (بابل) کے دریا سکھا دوں گا اور اس کے سوتے خشک کر دوں گا اور بابل کھنڈر ہو جائے گا اور گیدڑوں کا مقام اور حیرانی کا باعث ہوگا اور اس میں کوئی نہ بسے گا ...... کیونکہ حملہ آور اتر سے اس پر چڑھے ہیں ...... بابل سے رونے کی آواز اور بڑی ہلاکت کی صدا کسدیوں کی سرزمین سے آتی ہے کیونکہ خداوند بابل کو غارت کرتا ہے ...... بابل کے بھاری شہر کی دیواریں سراسر ڈھائی جائیں گی اور اس کے بلند پھاٹک آگ سے جلا دئے جائیں گے[1]

توراۃ کے ان بیان کردہ واقعات کی تصدیق تاریخ کے روشن صفحات اس طرح کرتے ہیں کہ تقریباً ۶۳۵ء قبل مسیح ایران میں قبائلی طرز حکومت رائج تھا اور ایران دو حصوں پہ تقسیم تھا جہاں دو چھوٹی ریاستیں قائم تھیں ان میں سے شمال مغربی حصہ میڈیا (مادہ یا مادات) کہلاتا تھا اور جنوبی حصہ پارس کے نام سے موسوم تھا مگر اس دور میں چونکہ بابل (نینوی) کی حکومتیں زبردست اور قاہر حکومتیں تھیں اس لئے یہ دونوں ریاستیں نینوی کی حکومت کے زیر اثر اور ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن جب ۶۱۲ء ق م نینوی تباہ ہوگیا اور آشوری حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو اگرچہ میڈیا کو آزادی نصیب ہوگئی اور وہاں قومی حکومت کے جذبات ابھرنے لگے اور ایک حکمران شاہی خاندان بھی پیدا ہوگیا تاہم پارس اور میڈیا دونوں ریاستوں کو آزاد سلطنت

---

[1] باب ۵۱

Marfat.com

قائم کر لینے کی جراًت نہ ہو سکی اور بابلی حکومت کو بجائے فروغ ہو گیا گویا نینوی کی تباہی نے بابل کی طاقت کو بہت بڑی شاہنشاہیت میں تبدیل کر دیا جس کے سامنے یہ ریاستیں بے اثر ہی رہیں یہ کیفیت ۵۶۰ھ تک رہی لیکن ۵۵۹ھ ق م میں اچانک میڈیا کے رئیس کمبوجیہ (کیقباد) کے جانشین کے ارش (خورس) نے غیر معمولی حالات کے ساتھ ظہور کیا اور چند ہی روز میں میڈیا اور فارس کی ریاستوں نے برضا و رغبت اس کو اپنا واحد شاہنشاہ تسلیم کر لیا اور وہ بغیر کسی خونریزی کے ایشیائے کوچک کے تمام علاقوں کا زبردست اور خود مختار شاہنشاہ بن گیا۔

اہل فارس اس کو کے ارش اور گورش کہتے ہیں لیکن یہ یونانی میں سائرس اور عبرانی میں خورس اور عربی میں کیخسرو کے ناموں سے مشہور ہے۔

کے ارش کے ظہور سے یونانی اور یہودی دو قومیں خصوصیت کے ساتھ متعارف ہیں اس لئے کہ ان دونوں قوموں پر اس کی حکومت کا موافق اور مخالف حیثیت سے نمایاں اثر پڑا اور یہود کے لئے تو اس کا عروج و ظہور خوشحالی آزادی اور امن و اطمینان کا بہت بڑا سبب بنا اسی لئے وہ اس کی شخصیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کے انبیاء کے صحیفوں میں اس کو "خدا کا چرواہا"، "مسیح اور بنی اسرائیل کا نجات دہندہ" کہا گیا ہے۔ مگر اہل عرب قبل از اسلام اس کی شخصیت سے زیادہ متعارف نہیں تھے اور بعد از اسلام جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا تب بھی ان کو اس کی شخصیت کے تعارف سے اس لئے واسطہ نہیں پڑا کہ یہ ایران کے دور اول کا ہیرو ہے اور مسلمانوں کی فتوحات کا تعلق تمام تر ایران کے تیسرے دور سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں اس کے نام اور شخصیت کے تعین میں بھی اختلاف نظر آتا ہے چنانچہ بعض مورخین عرب نے اس کو بہمن بن اسفندیار کہا ہے اور بعض نے ذوالقرنین کی شخصیت پر بحث کرتے ہوئے اس کا نام کیقباد بیان کیا ہے حالانکہ ایران و یونان کے وہ مورخین جو کے ارش کے معاصر ہیں کیقباد (کمبوجیہ) اس کے باپ اور اس کے بیٹے کا نام بتاتے ہیں اور بعض عرب مورخین نے اس کو لہراسپ بن کشتاسپ بتایا ہے[1]

---

[1] یہ مسئلہ ذوالقرنین کی بحث میں زیادہ واضح کیا جائے گا۔

Marfat.com

غرض جب گورستش باخورس میڈیا (ماہات) اور پارس دونوں ریاستوں کو ملا کر ایک زبردست اور خودمختار بادشاہ ہوگیا تو یہ وہ وقت ہے کہ بابل کے تختِ سلطنت پر بنوکدنضر بخت نصر کا ایک جانشین بیل شازار سریر آرائے سلطنت تھا۔

یہ بادشاہ بخت نصر کی طرح اگرچہ جری اور بہادر نہیں تھا مگر ظلم اور عیاشی میں اس سے بھی آگے تھا حتیٰ کہ خود اس کی اپنی رعایا اس کے اعمالِ بد سے سخت پریشان اور اس کے ظلم سے عاجز اور ہر وقت انقلاب کی خواہاں رہتی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت دانیال اپنی الہامی پیشین گوئیوں کریمانہ اخلاق، عالی صفات اور غیر معمولی فہم و فراست کی وجہ سے پبلک میں اس درجہ مقبول تھے کہ حکومت کے نظام کار میں دخیل اور مشیر بن گئے تھے۔ انھوں نے بیل شازار کو ہر چند سمجھایا اور بداعمالیوں سے روکا اور ڈرایا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا اور ایک دن اس نے یہ نوبت پہونچادی کہ اپنی محبوبہ کے اصرار پر یروشلم کے مقدس ظروف کو جو "بخت نصر لوٹ کر لایا تھا" مجلسِ نشاط میں منگوا کر ان میں شراب پی اور ان کی توہین کی مگر ابھی وہ شراب نوشی میں مشغول ہی تھا کہ اس نے شمع کافوری کی روشنی میں یہ منظر اپنی آنکھ سے دیکھا کہ بغیر کسی شکل و صورت کے سامنے آئے ہوئے ایک ہاتھ غیب سے ظاہر ہوا اور اس نے محل کی دیوار پر چند جملے لکھ دیئے یہ دیکھکر بادشاہ پر بہت ہیبت طاری ہوگئی اور اس نے فوراً نجومیوں کاہنوں، جوتشیوں اور بڑے بڑے عقلاء و حکماء کو جمع کیا اور ان سے اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر کا مفہوم معلوم کرنا چاہا لیکن کوئی اس عقدہ کو حل نہ کر سکا اور وہ بھی بادشاہ کی طرح حیران رہ گئے تب ملکہ نے کہا کہ آپ اس برگزیدہ انسان دانیال کو بلائیں جس کی باتیں ہمیشہ سچی ہوتی ہیں اور جو اپنے اعمال و کردار میں بے نظیر انسان ہے وہی اس کو حل کر سکتا ہے۔

حضرت دانیال دربار میں پہونچے تو بادشاہ نے واقعہ نقل کیا اور کہا کہ اگر تم اس کو حل کر دو تو میں تم کو دولت و ثروت سے مالامال کر دوں گا۔ دانیال علیہ السلام نے ہنس کر جواب دیا کہ مجھے بادشاہ کی دولت درکار نہیں ہے میں بغیر کسی عوض کے ہی بادشاہ کے اس عقدہ کو حل کر دوں گا اے بادشاہ گوشِ ہوش سے سن خدا نے تجھ کو قوت اور دولت دونوں سے حصہ وافر عطا فرمایا اور نبیوں کی اولاد تک تیرے

Marfat.com

حوالہ کر دی مگر تو نے خدا کا شکر ادا نہ کیا اور جس نیک کرداری کی تجھ سے توقع ہو سکتی تھی وہ تو نے پوری نہ کی اور حد یہ ہے کہ تو نے مجلس نشاط میں یروشلم کے ظروف کی توہین کر کے گویا یروشلم کے خدا کو چیلنج کیا چنانچہ اس کی جانب سے تجھ کو وہ جواب ملا جو تو نے نوشتہ میں دیکھا نوشتہ کہتا ہے کہ ہم نے تجھ کو وزن کیا مگر تو پورا نہ اترا اور کم نکلا ہم نے تیری حکومت کا حساب کیا اور اس کو تمام کر ڈالا اور ہم نے تیری حکومت پارہ پارہ کر کے فارس اور میڈیا کے بادشاہ کو بخش دی۔[۱]

چنانچہ اس واقعہ کو چند دن بھی نہ گذرے تھے کہ بابل کی رعایا نے چند افسروں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خورس کے پاس جائیں اور اس سے عرض کریں کہ آپ کی ایمان داری، عدل وانصاف اور رعایا پروری کی شہرت نے ہم کو مجبور کیا ہے کہ ہم آپ کو دعوت دیں کہ آپ ہم کو بیل شا نزار کے مظالم سے نجات دلا کر اپنی رعایا بنا لیجئے۔ خورس کے پاس یہ وفد اس وقت پہنچا جب کہ وہ مشرق کی مہم سر کرنے میں مشغول تھا اس نے وفد کی درخواست کو سنا اور قبول کیا اور مشرقی مہم سے فارغ ہو کر بابل پہونچا اور اس کی مستحکم اور نہ تسخیر ہونے والی دوہری شہر پناہ کو منہدم کر کے حکومت بابل کا خاتمہ کر دیا اور تمام رعایا کو امن دے کر ان کو بیل شا نزار کے مظالم سے نجات دلائی جس کا بابل کی رعایا نے بے حد شکریہ ادا کیا اور بخوشی اس کی اطاعت قبول کر لی۔[۲]

جب خورس بابل کے شہر میں فاتحانہ داخل ہوا تو دانیال علیہ السلام نے اس کو توراۃ (صحف انبیاء) کی وہ پیشین گوئیاں دکھائیں جو حضرت یسعیاہ اور حضرت یرمیاہ نے یہود کو غلامی سے نجات دلانے والی ہستی کے متعلق کی تھیں خورس ان کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور اس نے اعلان کر دیا کہ تمام یہود آزاد ہیں کہ وہ ملک شام و فلسطین کو واپس چلے جائیں اور وہاں جا کر خدا کے مقدس گھر یروشلم (بیت المقدس) اور اس کے ہیکل (مسجد) کو دوبارہ تعمیر کریں اور اس سلسلہ کے تمام اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا کئے جائیں اور یہ بھی اعلان کیا کہ یہی دین۔ دین حق ہے اور یروشلم کا خدا ہی سچا خدا ہے۔

"عزرا کی کتاب" میں ہے کہ اگرچہ خورس کی بدولت یہود کو دوبارہ آزادی اور خوش حالی نصیب

---

[۱] نوشتہ کے الفاظ یہ ہیں "منی منی تقیل اوفیر سین" دانی ایل کی کتاب باب ۵ آیات ۲۵-۲۸

[۲] تاریخ کے یہ واقعات معہ حوالجات ذوالقرنین کی بحث میں مفصل بیان ہوں گے۔

Marfat.com

ہوئی اور ہیکل کی تعمیر بھی شاہی خزانہ سے شروع ہو گئی مگر ابھی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ خورس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا کیقباد دکمبوجیہ بھی جلد مر گیا تب آٹھ سال کے اندر ہی دارا جو خورس کا چچا زاد بھائی تھا اس کا جانشین ہوا اس درمیان میں بعض مخالف افسروں نے یروشلم کی تعمیر کو حکماً روک دیا۔ تب حجی نبی اور زکریا نبی نے دارا کے دربار میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں تعمیر بیت المقدس کے متعلق لکھتے ہوئے اس کو بتایا تھا کہ سرکاری دفتر میں خورس کا وہ حکم نامہ ضرور موجود ہوگا جس میں بیت المقدس کی تعمیر کا حکم اور خزانہ شاہی سے اخراجات کا ذکر کیا گیا ہے آپ اس کو نکلوائیں اور اپنے متعلقہ افسروں کو حکم دیں کہ جو بھی اس کی تعمیر میں حائل ہو رہے ہیں ان کو روک دیں تاکہ ہم باطمینان اس کی تعمیر کر سکیں چنانچہ دارا نے جب خورس کا حکم نامہ دفتر سے طلب کیا تو اس میں یہ تحریر تھا۔

خورس بادشاہ کی سلطنت کے پہلے سال مجھ خورس بادشاہ نے خدا کے گھر کی بابت جو یروشلم میں ہے یہ حکم کیا کہ وہ گھر اور وہ مکان جہاں قربانیاں کرتے ہیں بنایا جائے اور اس کی بنیادیں مضبوطی سے ڈالی جائیں اور خرچ بادشاہ کے خزانہ سے دیا جائے اور خدا کے گھر کے سنہرے روپہلے برتن بھی جنھیں بنوکدنضر یروشلم کی ہیکل سے نکال لایا اور بابل میں لا رکھا سو پھیر دئے جائیں اور یروشلم کی ہیکل میں اپنی اپنی جگہ رکھ دئے جائیں یعنی خدا کے گھر میں رکھ دئے جائیں ؎۲

پس اس حکم کے مطابق دارا نے یروشلم کی تکمیل کا حکم دیا اور افسروں کو سختی کے ساتھ روک دیا کہ کوئی اس میں ہرگز مزاحم نہ ہو اور یروشلم اور خدا نے یروشلم کے ساتھ اپنی اور اپنے پیشرو کی عقیدت کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔

میں ایک اور حکم کرتا ہوں کہ جو شخص اس فرمان کو ٹال دے اس کے گھر پر سے کوئی لٹھا کھینچ کر نکالا جائے اور وہ کھڑا کیا جائے اور وہ کھڑا کیا جائے اور وہ اس پر پھانسی دیا جائے اس بات کے لئے اس کا گھر

؎۱ یہ زکریا یحییٰ علیہ السلام کے والد نہیں ہیں بلکہ دوسرے نبی ہیں ؎۲ عزرا باب ۶ آیات ۵-۱

Marfat.com

کوڑے کا ڈھیر کر دیا جائے پھر وہ خدا جس نے اپنا نام وہاں رکھا ہے سب بادشاہوں اور لوگوں کو جو اس حکم کو بدل کے خدا کا وہ گھر جو یروشلم میں ہے بگاڑنے کو ہاتھ بڑھاتے ہوں غارت کرے میں دارا حکم دے چکا اس پر جلد عمل کرنا چاہیئے لے

چنانچہ جلد ہی حجیؔ اور زکریاہ (علیہما السلام) انبیاء بنی اسرائیل کی نگرانی میں دارا کے نہر پار کے صوبہ دار تتنی اور شتر بوزنی اور ان کے رفقا نے اس تعمیر کو مکمل کرا دیا۔ عزرا کی کتاب میں ہے۔

چنانچہ انھوں نے اسرائیل کے خدا کے حکم کے مطابق اور فارس کے بادشاہ خورس اور دارا اور ارتخششتا کے حکم کے مطابق تعمیر کی اور کام کو انجام تک پہونچایا کے

یہود بنی اسرائیل کو اب پھر ایک بار امن و اطمینان نصیب ہوا اور انھوں نے ارض یہوداہ میں دوبارہ اپنی حکومت کو استوار کیا اور چونکہ شاہ بابل نے توراۃ کے تمام نسخوں کو بھی جلا کر خاک کر دیا تھا اور ستر برس تک وہ خدا کی اس کتاب سے محروم رہے تھے اس لئے ان کے اصرار پر حضرت عزیر (عزرا) علیہ السلام نے اپنی یادداشت سے از سر نو اس کو تحریر کیا۔

شرارت یہود کا دوسرا دور

یہود کی قومی خصائل و عادات سے متعلق کافی معلومات کے بعد آپ کے لئے یہ بات حیرت انگیز نہیں ہوسکتی کہ اتنی سخت ٹھوکر کھانے اور ذلت و رسوائی کی اس عبرت ناک سزا کو برداشت کرنے کے باوجود جن کی تفصیلات ابھی سپرد قلم ہو چکی ہیں۔ ان کی چشم عبرت اور گوش حق نیوش میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی اور ان کی حالت اس آیت کا مصداق ثابت ہوئی لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا یعنی آہستہ آہستہ انھوں نے پھر ظلم و فساد اور بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی اور گذشتہ بداخلاقیوں اور بد کرداریوں کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

کچھ یہ بھی نہیں تھا کہ کوئی ان کو سمجھانے اور تنبیہ کرنے والا نہیں تھا کیونکہ خدائے تعالیٰ کے سچے

لے باب ۶ آیت ۱۲-۱۱ کے باب ۶ آیات ۱۴-۱۳

پیغمبروں کا سلسلہ ان میں جاری تھا اور وہ ان کو سیدھی راہ پر لگانے اور بری راہ سے بچانے کے لئے برابر پند و نصیحت اور موعظت و بصیرت کا حق ادا کرتے رہتے تھے مگر ان کے قومی مزاج کا توازن اس درجہ خراب ہو چکا تھا کہ ان پر کسی اچھی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا اور بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے وہ پیغمبرانِ حق کا مذاق اڑانے، باطل کوشی کو شیرِ مادر سمجھتے اور اپنی حرکات پر شرمندہ ہونے کی بجائے فخر کرتے رہتے تھے پھر صورتِ حال اس حد پر جا کر بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ اسی درمیان میں ایک ایسا ہوش ربا حادثہ پیش آ گیا جس نے یہود کی دنائت اور باطل کوشی کو دوست دشمن دونوں کی نگاہ میں بخوبی روشن کر دیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل

اس ہوش ربا حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے یہ عہد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تبلیغ و دعوت کا عہد تھا اور ارضِ یہودیہ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مواعظ کا یہ اثر ہو رہا تھا کہ بنی اسرائیل کے قلوب مسخر ہوتے جاتے تھے اور وہ جس جانب بھی نکل جاتے تھے جماعتِ کثیر ان پر پروانہ وار نثار ہونے لگتی تھی ادھر تو یہ حالت تھی اور دوسری جانب یہودیہ کا بادشاہ ہیرودیس نہایت ہی بدکار اور ظالم تھا وہ حضرت یحییٰ کی مقبولیت دیکھ دیکھ کر لرزہ بر اندام تھا اور خوف کھاتا تھا کہ کہیں یہودیہ کی بادشاہت میرے ہاتھ سے نکل کر اس مردِ ہادی کے پاس نہ چلی جائے سوءِ اتفاق کہ ہیرودیس کے سوتیلے بھائی کا انتقال ہو گیا اس کی بیوی بیحد حسین تھی اور ہیرودیس کی بھاوج ہونے کے علاوہ اس کی علاتی بھتیجی بھی تھی ہیرودیس اس پر عاشق ہو گیا اور اس سے عقد کر لیا ...... چونکہ یہ عقد اسرائیلی ملت کے خلاف تھا اس لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سرِ دربار اس کو اس حرکت پر ملامت کی اور خدا کے خوف سے ڈرایا۔ ہیرودیس کی محبوبہ نے یہ سنا تو غم و غصہ سے بے تاب ہو گئی اور ہیرودیس کو آمادہ کیا کہ وہ یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دے ہیرودیس اگرچہ اس نصیحت سے خود بھی بہت برافروختہ تھا مگر اس ارادہ میں متامل تھا لیکن محبوبہ کے اصرار پر اس نے حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کا سر قلم کر کے اور طشت میں رکھ کر اس کے پاس بھجوا دیا سخت حیرت کا مقام ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی محبوبیت عام کے باوجود کسی اسرائیلی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ہیرودیس کی اس ملعون حرکت پر اس کو روکے یا ملامت

Marfat.com

کرے۔ بلکہ ایک جماعت نے اس کے اس ملعون عمل کو بنظرِ استحسان دیکھا۔ اب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت و تبلیغ کا وقت آگیا اور انھوں نے علی الاعلان یہود کی بدعات مشرکانہ رسوم ظالمانہ خصائل اور بددینی کے خلاف جہادِ لسانی شروع کر دیا۔ یہود میں یہ صلاحیت کہاں تھی کہ وہ امرِ حق پر لبیک کہتے۔ چنانچہ مختصر سی تعداد کے ماسوا بھاری اکثریت نے ان کی مخالفت شروع کر دی اسی درمیان میں نبطی بادشاہ حارث نے جو ہیرودیس کی پہلی بیوی کے رشتہ سے اس کا خسر تھا اس پر چڑھائی کر دی اور سخت کشت و خون کر کے ہیرودیس کو ہزیمتِ فاش دی جس نے ہیرودیس کی قوت کا خاتمہ کر دیا تاہم یہودیہ کی ریاست رومیوں کے بل بوتے پر قائم رہی اس وقت اگرچہ عام طور پر یہودیہ کہتے تھے کہ ہیرودیس اور اسرائیلیوں کو یہ ذلت و ہزیمت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خونِ ناحق کی پاداش میں پیش آئی لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس حادثہ سے کوئی سبق نہیں لیا اور وہ اپنے ظالمانہ مقاصد سے باز نہ آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں بغض و عناد کے ساتھ سرگرم رہے تاآنکہ شاہِ یہودیہ پلاطس سے ان کے قتل کی اجازت حاصل کر کے ان کا محاصرہ کر لیا مگر خدائے تعالیٰ نے ان کے ارادوں کو ناکام بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا[۱]

پاداشِ عمل آخر پاداشِ عمل سامنے آئی اور اب خود یہودیوں کے باہم خانہ جنگی شروع ہو گئی، وجہ یہ پیش آئی کہ اس دور میں یہود کے تین فرقے ہو گئے تھے ایک فقہا کی جماعت تھی اور ان کو "فریسی" کہتے تھے اور دوسری جماعت اصحابِ ظاہر کی تھی جو الہامی الفاظ کے ظاہر پر جمود کرتے تھے ان کو "صدوقی" کہتے تھے اور تیسری جماعت مرتاض راہبوں کی تھی ان میں سے فریسی اور صدوقی کا اختلاف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ ان میں سخت خونریزیاں ہونے لگیں، شاہ یہودیہ جس گروہ کا طرفدار ہو جاتا تھا وہ دوسرے گروہ کو بے دریغ قتل کرتا تھا آخر یہ جنگ اس قدر بڑھی کہ شاہ یہودیہ کو باغیوں

---

[۱] تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۲ تا ۱۷

Marfat.com

کے خلاف رومیوں سے مدد لینی پڑتی تھی اور بت پرستوں کے ہاتھوں یہودیوں کو قتل کرایا جاتا تھا چنانچہ اس کشمکش میں رفع عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ستر سال بعد یہود کے دو مدعیانِ حق یوحنان اور شمعون کے درمیان سخت معرکۂ جنگ وجدل برپا ہوا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تخت روم پر اس کا ایک بہادر جرنیل اسپانوس قیصری کر رہا تھا اور ارض یہودیہ میں یوحنان کو کامیابی ہو گئی تھی جو نہایت سفاک اور بدکار تھا اور اس کے ظالم ساتھیوں کے ہاتھوں ارض قدس کی تمام گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں اس حالت میں یہود نے اسپانوس سے مدد چاہی اور اس نے اپنے بیٹے طیطوس (ٹیٹس) کو ارض مقدس کی فتح پر مامور کیا، وہ آگے بڑھا اور ارض یہودیہ کے قریب جا کر اپنے ایک قاصد نیقانو کو صلح کے لئے بھیجا۔ یہود کا پارۂ ظلم وستم بہت چڑھا ہوا تھا انھوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اب طیطوس غضب ناک ہو گیا اور اس نے کہا کہ بلا لحاظ کسی فرقہ کے تمام یہود کا استیصال کر کے جاؤں گا تاکہ ہمیشہ کے لئے اس سرزمین سے یہ جھگڑا پاک ہو جائے چنانچہ بقول مورخین اس نے بیت المقدس پر اس قدر سخت حملہ کیا کہ شہر پناہ منہدم ہو گئی ہیکل کی دیواریں شکستہ ہو گئیں، محاصرہ کی طوالت سے ہزاروں یہود بھوکے مر گئے اور ہزاروں فرار ہو کر بے وطن ہو گئے اور جو بچے تھے وہ تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے رومیوں نے ہیکل کی بے حرمتی کی اور جہاں خدائے واحد کی عبادت ہوتی تھی وہاں بت جا کر رکھ دئے[1]

غرض یہ وہ شکست تھی کہ پھر یہود کبھی نہ ابھرے اور اپنی کمینہ اور ظالمانہ حرکات، علانیہ فسق وفجور اور نبیوں کے قتل کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔

تیسرا اندرین موقعہ اور یہود کی روگردانی

کچھ عرصہ بعد رومیوں نے بت پرستی ترک کر کے عیسائیت اختیار کر لی اور اس طرح ان کے عروج وترقی نے یہودی قومیت اور مذہب دونوں کو مغلوب و مقہور بنا دیا۔

[1] ابن خلدون ج ۲

آپ ابھی مطالعہ کر چکے ہیں کہ جب طیطوس رومی نے بیت المقدس کو برباد کر دیا تو یہودیوں کی ایک کافی تعداد وہاں سے بھاگ کر اطراف وجوانب میں جابسی تھی ان ہی میں سے بعض وہ قبائل بھی ہیں جو یثرب (حجاز) اور اس کے قرب وجوار میں ساکن ہو گئے تھے یہ اور ان سے قبل وبعد جو قبائل یہود یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے ان کے اس انتخاب سکونت کے متعلق مورخین کی رائے یہ ہے کہ یہود کو توراۃ اور قدیم صحیفوں سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سرزمین نبی آخر الزماں کا دار الہجرۃ بنے گی اور یہود نبی آخر الزماں کے اس درجہ منتظر تھے اور ان کے یہاں ان کی آمد کی اس قدر شہرت تھی کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تبلیغ ودعوت کے ذریعہ پیغام الٰہی سنانا شروع کیا تو یہود نے جمع ہو کر ان سے صاف کہا کہ ہم تین نبیوں کا انتظار کر رہے ہیں ایک مسیح کا دوسرے ایلیاس کا اور تیسرے اس مشہور ومعروف نبی آخر الزماں کا جس کی آمد کی شہرت ہمارے درمیان اس قدر ہے کہ ہم اس کے نام لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اور صرف اس کی جانب اشارہ کر دینے سے ہر ایک یہودی اس کو پہچان لیتا ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

اور یوحنا (یحییٰ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن[1] اور لیوی[2] یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انھوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیا (الیاس) ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے[3]؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں پس انھوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں؟[4]

توراۃ، انجیل، صحائف انبیا اور تاریخ یہود میں اور بھی بہت سے شواہد موجود ہیں کہ جن سے یہ تحقیق ہوتا ہے کہ یہود کو ایسے پیغمبر کا انتظار تھا جو نبی آخر الزماں ہو گا اور حجاز میں مبعوث ہو گا اسی وجہ سے جب بھی وہ اپنے مرکز سے منتشر ہوئے ہیں تو ان کی ایک معقول تعداد اسی کے انتظار میں یثرب میں جابسی[5]

[1،2] یہ یہود کے مذہبی مناصب ہیں [3] توراۃ میں اس کا لقب فارقلیط (احمد) ہے [4] باب آیات ۲۱-۱۹

[5] یہ بحث اپنے موقعہ پر تفصیل سے آئے گی۔

Marfat.com

ابدی ذلت وخسران | پس کس درجہ بدبخت و بدقسمت ہے وہ جماعت جس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت سے تقریباً پانچ سو ستر سال تو اس انتظار میں گذارے کہ یثرب کی اس سرزمین میں جب خدائے تعالیٰ کا وہ پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کر کے آئے گا تو ہم اس کی پیروی کر کے اپنی قومی اور مذہبی عظمت و وقار کو پھر ایک بار حاصل کریں گے حتیٰ کہ یثرب کے قبائل اوس وخزرج کے مقابلہ میں بھی اسی کی نصرت و مدد کے منتظر رہتے تھے مگر جب وہ نبی برحق آیا اور اس نے موسیٰ وعیسیٰ (علیہما السلام) اور توراۃ وانجیل کی تصدیق کرتے ہوئے ان کو پیغام حق سنایا تو سب سے پہلے انہوں (یہود) نے ہی ان کے خلاف بغض وعناد کا مظاہرہ کیا اور اس کی آواز پر کان نہ دھرتے ہوئے اس کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور نتیجہ میں ابدی ذلت وحرماں نصیبی کو مول لیا۔

اللہ تعالیٰ نے تو شروع ہی میں ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ دو مرتبہ کی سرکشی اور اس کے انجام کے بعد ہم تم کو ایک موقعہ اور عنایت کریں گے پس اگر تم اس وقت سنبھل گئے اور تم نے خدا کی فرماں برداری کا ثبوت دیا اور خدا کے پیغمبر کی صداقت کا اقرار کر کے دینِ حق کو قبول کر لیا تو ہم بھی تمہاری عظمتِ رفتہ کو واپس لے آئیں گے اور دین ودنیا کی سعادت سے بہرہ اندوز کریں گے لیکن اگر تم نے اس موقعہ کو بھی گنوا دیا اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی قدیم شرارتوں کا مظاہرہ کیا تو ہم بھی پاداشِ عمل کا قانون نافذ کر دینگے "وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا"

غرض جب یہود نے اس مرتبہ بھی اپنی قومی سرشت کو ہاتھ سے نہ دیا تو خدائے تعالیٰ نے بھی ان کے حق میں یہ آخری فیصلہ سنا دیا "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ"

اور یہی ہوا بھی کہ قوم یہود کو نہ پھر کبھی عزت نصیب ہوئی اور نہ حکومت اور آج بھی وہ امریکہ اور یورپ میں بڑے بڑے سرمایہ دار ہونے کے باوجود قومی عزت وحکومت سے محروم ہیں اور قیامت تک محروم رہیں گے اور دنیا کی جو حکومت وطاقت بھی اپنے ناپاک مقاصد کی خاطر مسطورہ بالا فیصلہ کو چیلنج کر کے ان کو برسرِ حکومت واقتدار لانا چاہے گی وہ کبھی اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور بہت ممکن ہے کہ خود بھی قہرِ الٰہی کا شکار ہو کر یہود ہی کی طرح ذلت وخسران میں

Marfat.com

مبتلا ہو جائے اور دوسروں کے لیے عبرت و بصیرت بنے " وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ "

بہر حال اہلِ ذوق ان حقائق کے بعد بآسانی یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن عزیز کی زیر بحث آیات کا مصداق جو کہ بیت المقدس کی تباہی اور یہود کی بربادی سے تعلق رکھتا ہے تاریخی اعتبار سے بخت نصر اور طیطیس رومی سے ہی متعلق ہے اور باقی اقوال بلحاظ تاریخ آیات کا صحیح مصداق نہیں بنتے " فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَلْبَابِ ۔

بصائر

(۱) اگرچہ دنیا " دار العمل " ہے " دار الجزاء " نہیں ہے تاہم خدائے تعالیٰ کبھی کبھی دنیا میں بھی مجرموں کو ان کی پاداشِ عمل میں اس طرح کس دیا کرتے ہیں کہ خود ان کو اور ان کے معاصرین کو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ ان کے جرائم کی سزا ہے اور ان کی تاریخی زندگی بعد میں آنے والوں کے لیے سامانِ عبرت و بصیرت بن جاتی ہے خصوصاً غرور اور ظلم یہ دو ایسے سخت جرائم اور ام الخبائث ہیں کہ مغرور اور ظالم کو آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی ضرور اپنی بد عملیوں کا کچھ نہ کچھ خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ انفرادی کبر و ظلم کی پاداش شخص و فرد کی زندگی سے متعلق ہوتی ہے اور قومی و اجتماعی کبر و ظلم کی پاداش قومی اور اجتماعی زندگی سے وابستہ ہوتی ہے اس لیے اول الذکر کی مدت میں زیادہ عرصہ نہیں ہوتا مگر ثانی الذکر کی مدت کبھی ایسی طویل نظر آتی ہے کہ مظلوم قوم اور جماعت مایوسی کی حد تک پہونچ جاتی ہے اور اس کی نظر سے یہ نکتہ اوجھل ہو جاتا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال اور عزت و ذلت اور کامرانی و ناکامی کی عمر افراد و اشخاص کی عمر کی طرح نہیں ہوتی بلکہ طویل ہوتی ہے تاہم بعض حالات میں عبرت و بصیرت کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اس مدت کو کبھی مختصر بھی کر دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ یہود کی زیر بحث تاریخ کے واقعات و حالات اس کی زندۂ جاوید شہادت ہیں اور قابلِ صد ہزار عبرت و بصیرت ۔

(۲) منکرینِ حق اور باطل پرست قوموں کو اگر عبرت و بصیرت کے پیش نظر دنیا میں کسی قسم کی سزا دی جاتی یا ان کو عذابِ الٰہی میں پکڑا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان پر سے آخرت کا عذاب (عذاب جہنم) ٹل جاتا اور معاف ہو جاتا ہے بلکہ وہ اسی طرح قائم رہتا ہے جو اپنے وقت پر ہو کر رہیگا

Marfat.com

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا "

(۳) اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اس کی بدکرداریوں اور اس کے مظالم و مفاسد کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرنا اور اپنے پاداشِ عمل کے قانون کو ان پر نازل کرنا چاہتا ہے تو سنت اللہ یہ جاری ہے کہ وہ بداعمالیوں کے بعد فوراً ہی ایسا نہیں کرتا بلکہ ایک عرصہ تک اس کو مہلت دیتا اور ہادیوں اور پیغمبروں کی معرفت ان کو ترغیب و ترہیب کی راہ سے ہدایت پر لانے کے تمام مواقع بہم پہونچاتا ہے تاکہ خدا کی حجت ہر طرح تمام ہو جائے پس اگر اس کے بعد بھی ان کی سرکشی اور بغاوت اور ظلم و عدوان کا تسلسل اسی طرح قائم رہتا ہے تو اس کی "بطشِ شدید" اچانک مجرم قوم کو اس طرح دبوچ لیتی ہے کہ پھر کیفر کردار پر پہونچے بغیر رستگاری ناممکن ہو جاتی ہے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مشاہدہ کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس طریقۂ انقلاب کے ذریعہ وہ الٹ دئے جائیں گے۔

Marfat.com

ذوالقرنین

۵۶۱ سنہ ق م

تمہید۔ ذوالقرنین سے متعلق سوال کی نوعیت ......
ذوالقرنین اور سکندر مقدونی۔ ذوالقرنین اور ادوار میں علمائے سلف کی رائے، متاخرین کی رائے، یہود وقریش اور انتخاب سوالات، ذوالقرنین اور انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں، خورس اور تاریخی شواہد۔ مغربی مہم مشرقی مہم شمالی مہم فتح بابل۔ خورس کا مذہب۔ ایرانِ قدیم کا مذہب۔ ذوالقرنین اور قرآن عزیز یاجوج وماجوج۔ سدّ۔ یاجوج وماجوج کا آخری خروج

تمہید یہ واقعہ اپنی دلچسپ تاریخی روایت کے لحاظ سے تین اہم حصوں پر منقسم ہے ذوالقرنین کی شخصیت؛ سدّ ذوالقرنین؛ یاجوج وماجوج؛ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر سہ مسائل کو جدا جدا بیان کرکے اس واقعہ کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔

زیر بحث مسائل اور علماء اسلام سلف میں اگرچہ مسائلِ زیر بحث کے متعلق ایسے اقوال بہ کثرت ملتے ہیں جو ان مسائل کی تفسیر وتفصیل کی غرض سے بیان کئے گئے ہیں لیکن علماء متاخرین نے اس سلسلہ میں دو جداجدا راہیں اختیار کرلی ہیں، ایک جماعت، سلف کے بعض اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ کہہ دینے پر اکتفا کرتی ہے کہ زیر بحث مسائل سے متعلق منقول اقوال چونکہ قرآن کی بیان کردہ شخصیت ذوالقرنین کے ساتھ پوری طرح مطابقت نہیں کرتے اس لئے ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ ایک جانب یہ یقین واعتقاد رکھیں کہ قرآن عزیز نے جس حد تک ذوالقرنین کی شخصیت سدّ اور یاجوج وماجوج پر روشنی ڈال دی ہے وہ بلاشبہ حق ہے اور باقی تفصیلات یعنی اس کی شخصیت

Marfat.com

کا تاریخی مصداق، سدّ کا جائے وقوع اور قوم یاجوج وماجوج کا تعین، سو ان کے علم کو سپرد بخدا کر دینا چاہیئے کیونکہ "تفویض" کا طریقہ ہی اسلم طریقہ ہے لیکن جب ایک تحقیق طلب طبیعت اس پر قانع نظر نہیں آتی اور وہ اضطراب و تردد میں پڑ جاتی ہے تو یہ جماعت اس کو مطمئن کرنے کے لئے اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ جب کہ دنیوی اسباب علم اور وسائل معلومات کے اس حیرت زا دور میں بھی محققین علم الآثار (Archaeology) کو یہ اعتراف ہے کہ ابھی وہ اس دنیا کے مستور تاریخی خزانوں اور نظروں سے اوجھل تاریخی حقائق کے معلوم کرنے میں سمندر میں سے قطرہ کی مقدار حاصل کر پائے ہیں اور جب کہ ہم چند صدی قبل تک دنیا کے چوتھے برِاعظم امریکہ کی دریافت سے بھی قاصر رہے تھے تو کون سے تعجب کی بات ہے اگر ابھی تک دنیا اور موجودہ علوم تحقیق سدّ ذوالقرنین کو نہ پا سکے اور یاجوج وماجوج کے متعلق ان کا علمِ تحقیق ابھی تک قاصر رہا ہو اور وہ ذوالقرنین کی شخصیت کا تعین نہ کر سکے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ پہلے دو امور وقتِ موعود تک یعنی قریب بہ قیامت منکشف ہو کر ہمارے سامنے آجائیں اور ان دونوں کے انکشاف سے ذوالقرنین کی شخصیت کا بھی بآسانی تاریخی تعین ہو جائے پھر کون سی وجہ ہے کہ اگر ہم ان امور کی تاریخی تفصیلات کو آج نہ بیان کر سکیں تو اس بنا پر ان امور کو محض افسانوی داستان سمجھ لیا جائے۔ خصوصاً جب کہ قرآن عزیز وحی الٰہی کے علم ویقین کے ذریعہ ان کے وجود کی اطلاع دیتا ہے اور جب کہ اہلِ علم کا یہ مسلّمہ نظریہ ہے کہ ہمارا کسی شئے کو نہ جاننا اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ شئے حقیقتاً بھی وجود نہیں رکھتی بس ایک مسلمان کے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ نفس مسئلہ پر یقین کرتے ہوئے تفصیلات کو سپرد بخدا کر دے اور منکرینِ وحی الٰہی کے لئے زیادہ سے زیادہ توقف کی گنجائش ہو سکتی ہے نہ کہ انکار پر اصرار کی۔

اس کے برعکس علماء اسلام میں سے دوسری جماعت ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہے اور وہ قرآن عزیز کی عطا کردہ روشنی میں ان کے حقائق کی تفصیلات کو واضح کرنا نہایت ضروری جانتی اور قرآنِ حکیم کی اہم تفسیری خدمت یقین کرتی ہے اس کا خیال ہے کہ مسائل زیرِ بحث میں تفویض کے طریقہ کو اختیار کر کے ہم اپنی ذمہ داری سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہو سکتے اور یہ اس لئے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے

Marfat.com

معاملہ کو یہود کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور اسی بنا پر وہ اسلوب بیان اختیار کیا ہے جس سے سوال کرنے والی جماعت اس اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے کہ "نبی امی" نے وحی الٰہی کے ذریعہ ان ہر سہ مسائل کے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں بلاشبہ وہ صحیح ہیں اور سورۂ بنی اسرائیل میں "روح" کے سوال پر قرآن کا جواب اس کے برعکس اسلوب پر مذکور ہے اور دریافت کرنے والوں کو صرف اس قدر بتا کر کہ "روح" خدا کے حکم وامر میں سے ایک ایسی شے ہے جو اس کے حکم سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ مزید تفصیلات کو ان کی عقول کے لحاظ سے غیر ضروری قرار دے دیا ہے لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عزیز ذوالقرنین سے متعلق تفصیلات کے درپے ہے اور یہود کو یا مشرکین اور یہود دونوں کو ان کی معلومات کے مطابق مطمئن کرنا چاہتا بلکہ اس سلسلہ میں ان کے یہاں بعض تفصیلات نے جو افسانوی شکل اختیار کر لی تھی اس کے خلاف حقائقِ واقعیہ کو کھول دینا چاہتا ہے۔

نیز اس لئے بھی یہ مسائل محتاج تحقیق ہیں کہ قرآنِ حکیم کے اسلوبِ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہود اس تاریخی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کی قومی اور مذہبی زندگی کا اس کے ساتھ گہرا تعلق تھا تب بھی انھوں نے اس مسئلہ کو مشرکین کی اعانت کے لئے اس لئے انتخاب کیا کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بآسانی امتحان ہو جائے گا، پس جو معاملہ آج سے تیرہ چودہ سو سال پہلے تک لوگوں کی معلومات میں تھا اور جس کی تفصیلات وہ تو بہیں بخوبی جانتی تھیں اس کے متعلق یہ کہہ کر سبکدوش اور قرآن کے بیان کردہ اس اہم واقعہ کی تفسیر سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا کہ جب کہ ہم خدا کی زمین کے بہت سے حصوں سے ابھی تک ناواقف ہیں تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق شخصیتیں اور مقامات بھی اسی طرح غیر معلوم ہوں اور ہم ابھی تک ان کا پتہ لگانے سے قاصر رہے ہوں۔ چنانچہ علماء محققین .... مثلاً حافظ ابن تیمیہ ابن کثیر، ابو حیان، ابن عبدالبر، امام رازی، حافظ ابن حجر، الشیخ بدرالدین عینی، ابن ہشام اور سہیلی رحمہم اللہ ان مسائل کی تحقیق و تدقیق کے درپے نظر آتے اور اس بارہ میں اپنے رجحان کے مطابق فیصلہ دینا چاہتے ہیں۔

مسائلِ زیرِ بحث سے متعلق ہمارا خیال ان ہی علماء تحقیق کی پیروی پہ آمادہ ہے بلکہ ہم ان مسائل

Marfat.com

کے متعلق اس لئے اور بھی زیادہ تحقیق و تدقیق کے خواہش مند ہیں کہ جن مستشرقین یورپ نے قرآنِ عزیز کے الہامی کتاب ہونے کے خلاف زہر چکانی کی ہے اور اپنے مزعومہ دلائل سے جہاں اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ثابت کیا ہے وہیں یہ بھی ہرزہ سرائی کی ہے کہ قرآن کے بعض بیان کردہ واقعات حقائق نہیں ہیں بلکہ اہلِ عرب کے مشہور افسانوں کو حقیقت کے نام سے بیان کر دیا گیا ہے۔

اسلامی مسائل میں مستشرقینِ یورپ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اکثر تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے چند ایسے مقدمات وضع کر لیتے ہیں جن سے ان کو اپنے مزعومات اور خیالات میں مدد ملے اور اسلام بلکہ قرآن عزیز کے بیان کردہ حقائق کی تردید کی جا سکے۔ چنانچہ اصحاب رقیم (پیٹرا) کے متعلق قرآن عزیز نے جب چند حقائق کا اظہار کیا اور موعظت و عبرت کے لئے وہ ان کے حالات و واقعات کو روشنی میں لایا تو انھوں نے اپنی ناواقفیت وجہل کو چھپانے یا تعصب کی راہ سے قرآن کو جھٹلانے کے لئے رقیم (پیٹرا) کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور جسارتِ بیجا کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے سنے سنائے جھوٹے قصے کو وحی الٰہی کہہ کر بیان کر دیا ہے مگر جب قدرت کے ہاتھوں نے قرآن کے اعلانِ حق کے تیرہ سو سال کے بعد پیٹرا کو ٹھیک اسی مقام پر ظاہر کر دیا اور اس کے عظیم الشان کھنڈر اپنے وجود کا اعلان کرنے لگے تو ان کو حقیقت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ندامت و شرمساری کے ساتھ قرآن عزیز کے اعلانِ حق کو تسلیم کئے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہا۔

اسی طرح جب قرآن عزیز نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک مصر میں فراعنۂ مصر اور قبطیوں کے غلام رہے ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) نے صدیوں کے بعد ان کو غلامی سے نجات دلائی اور اس مسئلہ میں توراۃ نے بھی ایک حد تک قرآن اور وحی الٰہی کے علم یقین کا ساتھ دیا تو اس کے باوجود ان مدعیانِ علم نے ایک عرصہ تک مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا انکار کیا اور علم حقیقی کی تکذیب کے درپے رہ کر اس کا مذاق اڑایا مگر مصری حفریات نے جب فرعون کے مشہور سنگی کتبہ کا انکشاف کرایا اور کتبہ کی کندہ عبارت نے بنی اسرائیل کی غلامی پر ایک حد تک روشنی ڈالی تو آہستہ

Marfat.com

آہستہ جہل نے علم کے سامنے شکست قبول کرلی اور اب ان نظریات میں بھی تبدیلی ہونے لگی جو فلسفۂ تاریخ کے نام پر محض ظن وتخمین سے قائم کئے گئے تھے اور جن کو علم کا درجہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ اب انکار اقرار کی شکل میں تبدیل ہونے لگا ہے۔

ٹھیک اسی طرح ذوالقرنین یاجوج وماجوج اور سد کا معاملہ ہے قرآن عزیز نے سورۂ کہف میں ایک ایسے بادشاہ کا ذکر کیا ہے جس کا لقب ذوالقرنین ہے اور جس نے مشرق ومغرب تک فتوحات کیں اور دوران فتوحات میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں کے بسنے والوں نے اس سے یہ شکایت کی کہ یاجوج وماجوج ہم کو ستاتے اور وحشیانہ حملے کرکے فساد مچاتے اور بربادی لاتے ہیں آپ ہم کو ان سے نجات دلائیے ذوالقرنین نے یہ سن کر ان کو تسلی وتشفی دی اور لوہے اور تانبے کو پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی سد قائم کردی کہ شکایت کرنے والے یاجوج وماجوج کے فتنہ سے محفوظ ہوگئے۔

مستشرقین یورپ نے جب اس واقعہ کا مطالعہ کیا تو حسب عادت اپنے پیشرو مشرکین مکہ اور کفار عرب کی طرح فوراً یہ کہہ دیا۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ — یہ قرآن کچھ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں

اور بڑے زور وشور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ ذوالقرنین کا یہ قصہ اخبارِ قرآنی کے اعجاز اور عبرت وموعظت کے لئے حقیقی واقعہ نہیں ہے بلکہ عرب کی ایک فرسودہ داستان اور بے سروپا کہانی کو وحی الٰہی کی حیثیت دیدی گئی ہے ورنہ تاریخی دنیا میں ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کی شخصیتیں اور سدِّ ذوالقرنین کا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

پس ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض ہوجاتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ذاتی اعتقاد کی بنا پر بلکہ تاریخی نقطۂ نگاہ کے مطابق یہ واضح کرے کہ دوسرے تاریخی مسائل کی طرح قرآن عزیز کا عطا کیا ہوا علم ویقین اس مسئلہ میں بھی اپنی جگہ اٹل اور علم ویقین کے درجہ کی حقیقت ہے اور معترضین کا انکار بلاشبہ جہل، ظن وتخمین اور باطل مزعومات کا طومار ہے اور ان تاریخی حقائق کا انکار صرف بے جا تعصب پر مبنی ہے نہ کہ اظہارِ حقیقت کے پیش نظر۔

Marfat.com

ذوالقرنین ذوالقرنین کی شخصیت پر بحث کرنے سے قبل حل طلب اہم سوال یہ ہے کہ قرآن عزیز نے اس معاملہ کی جانب کس لیئے توجہ کی اور اگر از خود نہیں بلکہ کسی سوال کے جواب پر توجہ مبذول کی تو سائل کون ہیں اور کس بنیاد پر انھوں نے اس سوال کا انتخاب کیا؟ یہی وہ سوال ہے جو در اصل اس معاملہ کی کلید ہے اور اگرچہ بہ سلسلۂ شان نزول مفسرین اور ارباب سیر نے اس کی جانب توجہ فرمائی ہے مگر تحقیقِ شخصیت کے وقت ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت سدّ کا تعین اور یاجوج وماجوج کی تحقیق اگرچہ تین مستقل مسائل ہیں تاہم یہ تینوں اس طرح باہم مربوط ہیں کہ اگر کسی ایک کے متعلق واضح تحقیق سامنے آجائے تو قرآن عزیز کی تفصیلات کی روشنی میں باقی دو مسائل کے حل میں بہت زیادہ سہولت ہو جاتی ہے۔

ذوالقرنین سے متعلق سوال کی نوعیت محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کیا ہے کہ قریش مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو علماء یہود کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ تم خود کو اہلِ کتاب کہتے ہو اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارے پاس زمانۂ سابق کے پیغمبروں کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم کو یہ بتائیں کہ ان کے دعویٰ پیغمبری کی صداقت کے متعلق آپ حضرات کی الہامی کتابوں میں کوئی تذکرہ یا علامات موجود ہیں یا نہیں؟ چنانچہ قریش کے وفد نے یثرب پہونچ کر علماء یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا احبار یہود نے ان سے کہا تم اور باتوں کو چھوڑ دو ہم تم کو تین سوالات بتائے دیتے ہیں اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا کہ وہ ضرور اپنے دعوے میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں اور تم پر ان کی پیروی واجب ہے اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکیں تو وہ کاذب ہیں پھر تم کو اختیار ہے کہ جو معاملہ ان کے ساتھ چاہو کرو، وہ سوالات یہ ہیں (۱) اس شخص کا حال بیان کیجیے جو مشرق و مغرب تک فتوحات کرتا چلا گیا؟ (۲) ان چند نوجوانوں پر کیا گذرا جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے؟ (۳) روح کے متعلق بیان کیجیے"؟ وفد مکہ واپس آیا اور اس نے قریش کو یہودی علماء کی گفتگو سنائی قریش نے سن کر کہا "اب ہمارے لیے محمد (صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم) کے بارہ میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ یہود کے ان سوالات کے جوابات ایک امی انسان جب ہی دے سکتا ہے کہ درحقیقت اس پر خدا کی جانب سے وحی آتی ہو" چنانچہ قریش مکہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر تینوں سوالات پیش کر دیئے ان ہی سوالات کے جوابات کے لئے آپ پر سورۂ کہف کا نزول ہوا[۱]

محدثین نے اس روایت کے مختلف طریقوں کو بیان کر کے اس کی تحسین فرمائی ہے اور سدی کے طریق روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے۔

قال قالت الیھود اخبرنا عن	یہود نے کہا "ہم کو اس نبی کا حال بتایئے جس کا ذکر اللہ
نبی لم یذکرہ اللہ فی التوراۃ	تعالیٰ نے توراۃ میں صرف ایک ہی جگہ کیا ہے" نبی اکرم
الا فی مکان واحد قال	صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ "کون"؟ یہود نے
ومن قالوا "ذوالقرنین"[۲]	کہا ذوالقرنین"

یہود کے اس بلاواسطہ سوال کے متعلق محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ راوی نے اختصار سے کام لیا ہے صحیح تفصیل یہ ہے کہ ان سوالات کا انتخاب یہود نے کیا تھا مگر قریش کی زبان سے ادا کرائے گئے اور یہ ہو سکتا ہے کہ سوال میں لفظ توراۃ دیکھ کر پیچھے کے کسی راوی نے اپنے وہم سے ان سوالات کو بلاواسطہ یہود کی جانب سے سمجھ لیا ہو۔

غرض اس روایت سے تین اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے (الف) یہ کہ ذوالقرنین سے متعلق سوال اگرچہ قریش کی زبان سے ادا ہوا لیکن اصل میں یہ یہود کی جانب سے تھا (ب) یہ ایسے شخص سے متعلق سوال تھا جس کو توراۃ میں صرف ایک جگہ "ذوالقرنین" کہا گیا ہے (ج) اس شخص کو قرآن نے اپنی جانب سے ذوالقرنین کا لقب نہیں دیا بلکہ سوال کرنے والوں کے سوال کے پیش نظر اس کو دہرایا ہے چنانچہ قرآن کا یہ اسلوبِ بیان بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ	وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کا حال بتاؤ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۲ - ۲۱ و درمنثور ج ۳ [۲] قرطبی قلمی سورۂ کہف

Marfat.com

ذوالقرنین اور سکندر مقدونی

ذوالقرنین کس شخصیت کا لقب ہے اس بحث سے قبل یہ معلوم رہنا ازبس ضروری ہے کہ بعض حضرات کو یہ سخت مغالطہ ہوگیا ہے کہ سکندر مقدونی ہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن سورۂ کہف میں کیا گیا ہے، یہ قول باتفاق جمہور علماء سلف وخلف قطعاً باطل اور جہالت پر مبنی ہے اس لئے کہ قرآن کی تصریحات کے مطابق ذوالقرنین صاحبِ ایمان اور مردصالح بادشاہ تھا اور سکندر مقدونی مشرک اور جابر بادشاہ گزرا ہے جس کے شرک وظلم کی صحیح تاریخ خود اس کے بعض امرائے دربار نے بھی مرتب کی ہے اور تمام معاصرانہ شہادتیں بھی اس کے بت پرست اور جابر وظالم ہونے پر متفق ہیں

امام بخاریؒ نے کتاب احادیث الانبیاءؑ میں ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ سے قبل نقل کیا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وفی ایرادہ المصنف ترجمۃ	مصنف نے ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ
ذی القرنین قبل ابراھیم	کے تذکرہ سے قبل اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ اس
اشارۃ الی توھین قول من	شخص کی قول کی اہانت کرنا چاہتے ہیں جو سکندر
زعم انہ الاسکندر الیونانی[1]	یونانی کو ذوالقرنین کہتا ہے۔

اور پھر اپنی جانب سے تین وجوہ فرق بیان کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ سکندر یونانی کسی طرح بھی قرآن میں مذکور ذوالقرنین نہیں ہوسکتا انھوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جن حضرات نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کہا ہے غالباً ان کو اس روایت سے مغالطہ ہوا ہے جو طبری نے اپنی تفسیر میں اور محمد بن ربیع جیزی نے کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے اور جس میں اس کو رومی اور بانی اسکندریہ کہا گیا ہے مگر یہ روایت ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے[2]

اور حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ ذوالقرنین کے نام کی تعین سے متعلق مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۴ [2] فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۴

Marfat.com

اور اسحٰق بن بشر نے بروایت سعید بن بشیر قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر تھا اور یہ سام بن نوح (علیہ السلام) کی نسل سے تھا لیکن اسکندر بن فیلیس (مقدونی) کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے ہیں جو رومی اور بانی اسکندریہ ہے مگر واضح رہے کہ یہ دوسرا ذوالقرنین پہلے سے بہت زمانہ بعد پیدا ہوا ہے کیونکہ سکندر مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال قبل ہوا ہے اور مشہور فلسفی ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور یہ ہی وہ بادشاہ ہے جس نے دارا ابن دارا کو قتل کیا اور فارس کے بادشاہ کو ذلیل کر کے ان کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ہم نے یہ تنبیہ اس لئے کر دی کہ بہت سے آدمی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور یہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ یہی سکندر مقدونی ہے جس کا وزیر ارسطاطالیس فلسفی تھا اور اس اعتقاد کی بدولت بہت بڑی غلطی اور بہت زیادہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ ذوالقرنین اول مسلمان اور عادل بادشاہ تھا اور اس کے وزیر خضر (علیہ السلام) تھے جن کے متعلق ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ نبی تھے اور دوسرا (مقدونی) مشرک تھا اور اس کا وزیر فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ کا فصل ہے پس کہاں یہ (مقدونی) اور کہاں وہ (عربی سامی) اور ان دونوں کے درمیان اس درجہ امتیازات ہیں کہ ماسوا غبی اور حقائق سے ناآشنا شخص کے دوسرا کوئی شخص ان دونوں کو ایک کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا[1]

اور امام رازی نے اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے باایں ہمہ ان کو بھی یہ اقرار ہے

کان ذوالقرنین نبیاً وکان الاسکندر	ذوالقرنین نبی تھے اور سکندر مقدونی
کافراً وکان معلمہ	کافر تھا اور اس کا معلم اور وزیر بلاشبہ
ارسطاطالیس وکان یاتمر	کافر تھا۔
باْمرہٖ وھو من الکفار بلاشک[2]	

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۰۶ - ۱۰۵ [2] تفسیر کبیر سورۂ کہف

Marfat.com

حافظ ابن حجر نے اس مغالطہ کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ چونکہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین مقتدا ہے اور وہ وسیع حکومت کا مالک رہا ہے اور سکندر یونانی بھی وسیع حکومت کا حکمراں رہا ہے اس لئے اس کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے یا اس لئے کہ وہ دو بادشاہوں روم اور فارس کا بادشاہ ہو گیا تھا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے محمد بن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذوالقرنین کا نام سکندر نقل کر دیا ہے اور چونکہ اس کی سیرت بہت مشہور و مقبول ہے اس لئے یہ نام بھی شہرت پا گیا اور حافظ عماد الدین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ اسحٰق بن بشر کی روایت میں قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین کا نام بھی سکندر بتایا گیا ہے اس لئے غلطی اور نادانی سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے۔

غرض حافظ حدیث شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن عبدالبر، زبیر بن بکار، ابن حجر، ابن کثیر، عینی رحمہم اللہ جیسے محققین نے اس مغالطہ کی پوری طرح تردید کر دی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے جو محاسن و مناقب بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر ایک بت پرست اور جابر و ظالم شخص کو ان کا مصداق بنانا فاش غلطی ہے۔[1]

ذوالقرنین اور اذدارمین

ایک جویا رحق کو یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ وسعت حکومت اور زبردست سطوت و صولت کے لحاظ سے جس طرح بعض حضرات نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیدیا ہے

استدراک[1]

کیا ذوالقرنین سکندر مقدونی ہے؟

جولائی سنہ ۴۱ء کے برہان میں میرا ایک مضمون "ذوالقرنین اور سد سکندری" کے عنوان سے شائع ہوا تھا یہ مسلسل مضمون کی پہلی قسط تھی اور اگست کے برہان میں بھی ابھی تک وہ سلسلہ ناتمام ہی تھا کہ محترم مدیر صاحب صدق نے پہلی قسط پر ایک "استدراک" لکھ کر برہان کی عزت افزائی فرمائی اور مجھ کو اس سلسلہ میں مزید لکھنے کا موقعہ مرحمت فرمایا جس کے لئے صاحب موصوف کا ممنون ہوں۔

Marfat.com

اسی طرح یمن کے بعض تبابعہ کو بھی اہلِ عرب وسعتِ حکومت کی بنیاد پر ذوالقرنین کہتے آئے ہیں مثلاً ابو کرب تبع نے اپنے دادا کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶

"یہ استدراک" برہان کی اشاعت سے قبل ہی ہر اگست کے صدق میں قدرے اضافہ کے ساتھ طبع ہو گیا اور اب ۱۰ ار اگست کے صدق میں بھی" سدِ سکندری" کے عنوان سے اسی کا ایک "تکملہ یا ذیل شائع ہوا ہے۔

بہر حال اگست کے برہان میں جو" استدراک" شائع ہوا ہے چونکہ وہی اصل ہے اور صاحبِ استدراک کے دلائل کا عامل اس لئے" تنقید بر استدراک" کی بنیاد بھی اسی پر قائم کی گئی ہے اور صدق کے ہر دو مضامین کے اضافات کو ضمنی طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ (محمد حفظ الرحمٰن)

ذوالقرنین کی تحقیق سے متعلق میرا مضمون تحلیل و تجزیہ کے بعد دو حصوں پر تقسیم ہو سکتا ہے ایک مسئلہ کا" اثباتی پہلو" اور دوسرا" منفی پہلو" اثباتی پہلو میں مضبوط دلائل کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ سائرس (کیخسرو یا خورس) ہی وہ شخصیت ہے جس کو قرآن عزیز نے" ذوالقرنین" کہہ کر یاد کیا ہے اور" منفی پہلو" میں ان اقوال کو مرجوح قرار دے کر جو" سائرس" کے علاوہ" ذوالقرنین" کا مصداق متعین کرتے ہیں اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ چونکہ قرآن عزیز میں منصوص اور مصرح مذکور نہیں ہے اس لئے دوسری ہستیوں کے متعلق بھی مجالِ گفتن باقی رہتی ہے لیکن ذوالقرنین سے متعلق قرآنی صفات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر قطعی ہے کہ" سکندر مقدونی" کسی حالت میں بھی' قرآن کا ذوالقرنین" نہیں کہلایا جا سکتا اور بعض علماء حق نے اگر اس کو ذوالقرنین بتایا ہے تو سلف صالحین اور خلف صادقین کی اکثریت نے ان کے اس قول کی سختی سے تردید کی ہے اور ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

علماء اسلام نے جن دلائل کی روشنی میں اس انکار پر اصرار کیا ہے اس کو تفصیل کے ساتھ زیرِ بحث مضمون میں نقل کیا گیا ہے لیکن محترم" صاحبِ استدراک" نے ان میں سے صرف تین باتوں کو منتخب فرما کر ان پر" استدراک" سپردِ قلم فرمایا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر ترتیب وار" تنقیدی نظر" ڈالی جائے

Marfat.com

قد کان ذو القرنین جدی مسلماً ملکاً تدین له الملوک وتسجد

"میرا دادا ذو القرنین مسلمان تھا اور ایسا پرشوکت بادشاہ تھا کہ بہت سے بادشاہ اس کے تابع فرمان اور اس کے سامنے پست تھے"!

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷

تاکہ مسئلہ زیر بحث بخوبی منقح ہو سکے۔ صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

مقالۂ مذکور مندرجہ برہان بابت جولائی ۱۹۵۲ئ میں ذو القرنین کے سکندر مقدونی ہونے سے انکار دلائل ذیل کی بنا پر کیا گیا ہے۔

(۱) سکندر مقدونی کی تاریخ کا یہ مسلمہ باب ہے کہ وہ یونانیوں کے قدیم مذہب اور دیوتاؤں کی پرستش کا مقلد تھا اور یہ کہ وہ ہرگز مسلمان نہ تھا۔

(۲) سکندر باتفاق اصحاب تاریخ جابر و قاہر تھا نہ کہ نیک سیرت و نیک نفس۔

(۳) یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ اس کی فتوحات اور سیاحت کا سلسلہ مغرب کی جانب نہیں بڑھا (رسالہ مذکورہ ص ۱۶-۱۷

"عرض کرنے دیجئے کہ یہ تینوں دعوے مسلمات نہیں، بجائے خود مخدوش و مجروح ہیں"۔

اس کے بعد صاحب موصوف نے ان تینوں دلائل یا دعاوی کو "مخدوش" اور مجروح "ثابت کرنے کے لئے بالترتیب دلائل پیش فرمائے ہیں چنانچہ مضمون نگار کی پہلی دلیل کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد ہے۔

(۱) نزولِ قرآن سے قبل والا ذو القرنین ظاہر ہے کہ اصطلاحی معنی میں تو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے مومن ہونے سے مراد صرف یہی ہو سکتی ہے کہ موحد (مسلم) اور اپنے زمانہ کے نبی کا مطیع تھا (برہان ماہ اگست)

مسلم: مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ "صاحب استدراک" کا سکندر کے مسلمان ہونے کی بحث میں یہ فرمانا کہ اصطلاحی معنی میں تو وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا تھا" کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ اصطلاحی معنی

Marfat.com

اور عرب کے مشہور شعراء امراء القیس اوس بن حجر اور طرفہ بن عبدہ وغیرہ کے کلام میں بھی حمیری بادشاہوں کو ذوالقرنین کہا گیا ہے [1]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸

میں صرف وہی شخص "مسلمان" کہلایا جا سکتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہو اور دوسرے کسی نبی کی امت کو "مسلم" نہیں کہہ سکتے تو ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح "قرآن کی اصطلاح" نہیں ہے کیونکہ وہ صاف یہ اعلان کرتا ہے کہ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک خدا کے ہر نبی و رسول کا دین اسلام اور اس کی امت اجابت "امۃ مسلمہ" ہے اور اس کا سچا مطیع "مسلمان"

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ	کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی وفات کا وقت
اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا	آپہنچا اس نے اپنی اولاد سے کہا میرے بعد تم کس کی
نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	پرستش کروگے؟ انھوں نے جواب دیا ہم تیرے اور تیرے
وَاِسْحَاقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ	باپ ابراہیم اسمٰعیل اور اسحٰق کے ایک خدا کی پرستش کریں گے
(بقرہ)	اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اس کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وَالْاِسْلَامُ هُوَ مِلَّةُ الْاَنْبِيَاءِ قَاطِبَةً وَاِنْ	اور "اسلام" یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی ملت ہے
تنوعت شرائعهم واختلفت مناهجهم	بلا تخصیص اگرچہ ان کی شریعتیں اور ان کے طریقے
(تفسیر ج ۱ ص ۳۴۴)	مختلف ہیں۔

اور اگر صاحب استدراک کی "مراد اصطلاحی معنی سے یہ ہے کہ سکندر اگرچہ موحد اور مسلم تو تھا مگر چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے تھا اس لئے عرف عام میں "مسلمان" نہیں ہو سکتا تو گستاخی معاف پھر اس کے لئے "اصطلاحی معنی" کی تعبیر صحیح نہیں ہے اور نہ اس ارشاد کی یہاں کوئی ضرورت تھی جب کہ متکلم اور مخاطب دونوں پر یہ عیاں ہے کہ یہ اس سکندر کا ذکر ہے جو تقریباً تین سو سال قبل مسیح تھا۔

[1] فتح الباری ج ۶

اسی طرح ایرانی بادشاہوں میں سے اہل عرب کیقباد اور فریدوں کو بھی ان کی قاہرانہ فتوحات کی وجہ سے ذوالقرنین کہتے تھے ۱؎

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹

آگے چل کر "صاحب استدراک" ارشاد فرماتے ہیں۔

"روایات یہود میں سکندر کو اسی حیثیت سے (یعنی موحد اور اپنے زمانہ کے نبی کا مطیع تھا) پیش کیا گیا ہے چنانچہ جوزیفس (یہ حواریان مسیح کا ہم عصر ہے) کی قدیم تاریخ یہود میں بصراحت موجود ہے کہ سکندر نے ہیکل یروشلم میں آکر وہاں عبادت کی۔ وہاں کے پیشواؤں کی تعظیم و تکریم کی اور جب دانیال کی یہ پیشین گوئی اسے دکھائی گئی کہ "ایک رومی فاتح ایران کی شہنشاہیت کو برباد کردے گا وہ اس پیشین گوئی کا مصداق اپنے ہی کو سمجھا"۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تصریح لکھی چلی آتی ہے کہ اس وقت کے یہود اسے مسیح موعود ماننے کو تیار تھے (ج ۸ ص ۵۰۷)

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ کسی مشرک کے ساتھ روا نہیں رکھا جا سکتا تھا اور نہ کوئی مشرک فرمانروا خود یہ معاملہ مرکز توحید کے ساتھ روا رکھتا۔ (برہان اہ اگست)

"موحد" اور "مسلم" کی غلط تشریح کے علاوہ صاحب استدراک نے سکندر کو اس کا مصداق ثابت کرنے میں جو سند اور دلیل پیش کی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ "صاحب استدراک" کے اس ارشاد میں ایک دعویٰ ہے اور دوسری اس کی دلیل، دعویٰ یہ ہے کہ "روایت یہود" میں سکندر کو موحد اور اسرائیلی نبی کے مطیع کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ قدیم تاریخ یہود کے مصنف جوزیفس (جو کہ حواریان مسیح کا ہم عصر ہے) نے سکندر کے متعلق وہ سب کچھ لکھا ہے جو صاحب استدراک کی عبارت سے ابھی نقل ہو چکا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ سکندر کے مسلمان (موحد) ہونے کا زبردست شاہد جوزیفس ہے۔ مگر جوزیفس کا یہ حال ہے کہ وہ خود یہود کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔

جوزیفس؟ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جوزیفس "یہود کے نزدیک" غیر معتبر اور ناقابل احتجاج و اعتماد ہے اور اس

۱؎ تاریخ ابن کثیر ج ۲

Marfat.com

مگر یہ سب مسطورہ بالا وجہ کی بنیاد پر ہی ذو القرنین کہلاتے رہے ہیں اور قرآن میں مذکورہ ذو القرنین
ان میں سے کوئی نہیں ہے چنانچہ حضرت استاذ محقق عصر علامہ سید محمد انور شاہؒ نے اس حقیقت کو بخوبی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰
کی کتاب "قدیم تاریخ یہود" ان میں غیر مقبول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جوزیفس میں دو خرابیاں ہیں جو کسی طرح
یہود کی روایات کی صحت باقی نہیں رہنے دیتیں۔ ایک یہ کہ وہ "مورخ" نہیں ہے بلکہ داستان سرا اور قصہ گو ہے
اور صرف یہی نہیں بلکہ اس درجہ جھوٹا ہے کہ واقعات کو طبع زاد گھڑ کر بیان کر دینے اور اصل واقعہ میں اپنی جانب سے
من گھڑت اضافے کرنے کا عادی ہے۔
دوسرا عیب یہ ہے کہ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں کے درمیان جو نفرت قائم تھی
اس کو کسی طرح مٹائے اور دونوں قوموں کے درمیان رابطۂ اتحاد پیدا کرے اس لئے وہ یونانی دیومی روایات میں
خصوصیت کے ساتھ ایسی داستانیں اختراع اور ایجاد کرتا رہتا اور ان کو تاریخی حیثیت میں پیش کیا کرتا تھا جن کے ذریعہ
سے وہ اپنے مسطورہ بالا مقصد کو پورا کرے اس لئے یونانیوں سے متعلق جس قدر روایات وہ بیان کرتا ہے خصوصیت
کے ساتھ وہ قطعاً ناقابلِ اعتماد ہیں اور کسی طرح لائقِ احتجاج نہیں۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ
ایتھکس میں ہے۔
یہ بات یقینی ہے کہ جوزیفس نہ تو اعلیٰ درجہ کا مورخ ہے اور نہ ایک ایماندار اور بے تعصب محقق
جسے صرف حقیقت کی تلاش ہو بلکہ وہ ایسا مصنف ہے جسکی غرض و غایت صرف ایک مخصوص اثر پیدا
کرنا ہے (ج ۷، ص ۵۷۴)
جوزیفس کا مقصد اور منتہائے نظر کیا ہے؟ آگے چل کر اسی کتاب میں اس کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔
"اس کی منتہائے تمنا یہ ہے کہ یہودیوں کے خلاف جو تعصب پھیلا ہوا ہے اسے دور کرے اور ان
پر جو الزامات عاید کیے جاتے ہیں ان سے ان کو بری ثابت کرے اور یہودیوں اور یونانیوں کے درمیا
ن پیدا شدہ دشمنی کو مٹا دے (ج ۷، ص ۵۷۴)

Marfat.com

واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں. ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اہلِ مشرق میں سے
تھا جیسا کہ بعض کا خیال فغفور چین کی جانب ہے اس لئے کہ اگر وہ مشرقی ہوتا تو قرآن عزیز اس کے سفر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱

جوزیفس کا یہ مقصد برا نہیں تھا اگر تاریخی حقائق پر مبنی ہوتا اور صحیح واقعات کی روشنی میں اس کو کامیاب بناتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا. بلکہ اس کے برعکس یہ کیا۔

اس کا یہ حاجتی مقصد اس امر سے بالکل آشکارا ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے ماخذوں کا انتخاب کرتا ہے اور ایسے ٹکڑوں کا حوالہ دیتا ہے جن میں یہودیوں کے ساتھ قدیم بادشاہوں اور رومیوں کے الطاف و اکرام کا تذکرہ ہے وہ صداقت کو اپنے میلان اور رجحان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھاتا ہے اگرچہ وہ اس بات کا مدعی ہے کہ حقیقت اور مکمل حقیقت کے سوا کچھ نہیں لکھے گا لیکن وہ ایفاء وعدہ نہ کر سکا اس لئے کہ (وہ اپنے سطورہ بالا مقصد کو پورا کرنے کے لئے) کہیں تو بعض چیزوں کو قصداً قلم انداز کر جاتا ہے اور کہیں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتا ہے اور جگہ جگہ نہایت بے پرواہی اور بے ضابطگی کے ساتھ ماخذوں کے حوالے دیتا ہے (ج، ص ۴، ۵)

جوزیفس کی تاریخی بددیانتی کا معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی مقدس کتاب بائبل کے واقعات کو بھی توڑ مروڑ کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ بائبل کے واقعات بھی کبھی کبھی اس کے قلم سے بالکل نئے معنی اور نئے پہلو اختیار کر لیتے ہیں (انسائیکلوپیڈیا ریلیجین ج، ص ۴، ۵)

جوزیفس کی اس غیر مورخانہ روش اور بددیانتی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی تاریخی تصانیف کو خود اپنی قوم "یہود" میں بھی مقبول نہ کر سکا اور ان میں بھی اپنا اعتماد کھو بیٹھا۔

اس کی تاریخی تصانیف اس کی قوم میں سب سے کم مقبول ہوئیں، اس کی قوم اس کو بیوفا اور غدار سمجھتی ہے (انسائیکلوپیڈیا ریلیجین ج ۷، ص ۵)

Marfat.com

غرب کے بعد یہ کہتا کہ وہ پھر مشرق کو لوٹ گیا یعنی اپنے وطن کی جانب واپس ہوگیا یہ نہ کہتا اذا بلغ مطلع الشمس اور نہ وہ اہلِ مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقہ کا باشندہ تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲

یروشلم اور سکندر | اور یہ واضح رہے کہ "جیوش انسائیکلوپیڈیا" کا مضمون بھی اسی کی تاریخ سے ماخوذ ہے۔ جوزیفس کے متعلق یہ حوالجات تو اس کی عام مورخانہ حیثیت اور اس کی تاریخی کتابوں کی قدر و قیمت سے متعلق تھے۔ اب ریلیجن انسائیکلوپیڈیا کی زبانی ان واقعات خصوصی کی حقیقت کو بھی سن لیجئے جن کو صاحب استدراک نے سکندر کے موحد اور (مسلمان) ہونے کی دلیل میں ذکر فرمایا ہے یعنی اس کا یروشلم میں جانا، جا کر عبادت کرنا اور یہودی پیشواؤں کی تعظیم کرنا وغیرہ)

"ایسٹر (ESTHER) کی کتاب اور عہد ارٹا سرزز (ARTAZERXES) کے تذکرہ کے بعد جوزیفس جب قصص تورات کے آخری حصہ پر پہونچتا ہے تو جس جگہ سے اس کی کتاب انٹی کوئٹیٹس جوڈیکو (ANTIQAITETAS JUDACIU) کے دوسرے باب کا آغاز ہوتا ہے اس باب کے شروع ہی میں روایات کا تسلسل جاتا رہتا اور ان میں ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے جو مکابین بغاوت (MACEABBS N REVOLT) کے دور تک برابر قائم رہتا ہے اور تین صدی تک چلا جاتا ہے اور اسی کے اندر سکندر مقدونی، ٹولمی اور سلیولیائڈ (SELEUEIDAT) وغیرہ کے عہد حکومت بھی آجاتے ہیں ان دور ہائے حکومت کے متعلق جوزیفس صرف بے ربط قصے بیان کرتا ہے جو سکندر کے آخری دور کے ماخذ سے لئے گئے ہیں اس غیر مسلسل اور بے ربط سلسلہ کی سب سے پہلی چیز اسکندر یہ کا یروشلم جانا ہے اور اس کے ساتھ وہ تمام واقعات بھی ہیں جو اس کے وہاں جانے سے پہلے اور جانے کے بعد سے وابستہ ہیں کیونکہ یہ واقعہ جوزیفس نے ایک ایسے ماخذ سے لیا ہے جو غیر معتبر اور غیر موثق ہے اور دانیال نبی کی کتاب" کے بعد کی کتاب سے ماخوذ ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس ج ۷، ص ۵۷۴)

والراجح انہ لیس من اذواء الیمن و لاکیقباد من ملوک العجم ولا ھو اسکندر

اور راجح یہ ہے کہ ذوالقرنین (مذکور فی القرآن) نہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھا اور نہ شاہان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳

یہ حقیقت ہے اس حوالہ کی جو جیوش انسائیکلو پیڈیا سے نقل کر کے "صاحب استدراک" نے ایسے اہم تاریخی مسئلہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہاں یہ من گھڑت اور بے دلیل قصہ جس کا ماخذ تک غیر معتبر اور غیر مستند ہے اور کہاں سائرس کے یروشلم بنانے اور خدا کے مسیح ہونے کے وہ ناقابل تردید تاریخی واقعات جو کتاب مقدس اور صحیح تاریخی حوالوں سے ثابت ہیں۔

بہر حال جوزیفس اس کی کتب تاریخ اور اس کے تاریخی ماخذوں کے متعلق سطورہ بالا محققانہ حوالجات کے بعد آپ خود کتاب مقدس کی طرف رجوع کیجئے اور معلوم کیجئے کہ داستان سرا اور قصہ گو جوزیفس کی یروشلم والی داستان اور یہود کا سکندر کو مسیح موعود مان لینے کا قصہ یہ دونوں کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

خدا کا مسیح ابھی بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوکدرزار) نے بیت المقدس پر چڑھائی نہیں کی تھی کہ حضرت یسعیاہ نبی (علیہ السلام) نے وحی الٰہی سے خبر پاکر یہود کو مطلع کیا کہ وقت آنے والا ہے کہ بابل کی حکومت کے ہاتھوں یروشلم کا ہیکل برباد ہو گا اور اس کی توہین کی جائے گی اور اس کے بعد یہ بشارت سنائی کہ وہ پھر خورس (سائرس) کے ہاتھوں بنایا جائے گا اور اس کی عزت و حرمت برقرار کی جائے گی اور یہود بابل کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ چنانچہ پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔

خداوند تیرا نجات دینے والا جس نے تجھے رحم میں بناڈالا یوں فرماتا ہے .... یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ آباد کی جائے گی اور یہوداہ کے شہروں کی بابت کہ وہ بنائے جائیں گے اور میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا جو سمندر کو کہتا ہوں کہ سوکھ جا اور میں تیری ندیاں سوکھا ڈالوں گا جو خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ بنائی جائے گی اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد

Marfat.com

بن فیلقوس بل ملک اخر من الصالحین ینتھی نسبہ الی العرب السامیین الاولین ذکرہ صاحب الناسخ ؎

عجم میں سے کیقباد ذوالقرنین تھا اور نہ سکندر بن فیلقوس مقدونی ہی ذوالقرنین تھا بلکہ وہ ان سب سے جدا ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا جنکا نسب قدیم سامی عرب تک پہونچتا ہے ناسخ التواریخ نے ایسا ہی کہا ہے۔

؎ عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۱۹۵

آیت من آیات اللہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ (نور اللہ مرقدہٗ) نے ذوالقرنین کے مسئلہ کو ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے کیونکہ اس مقام پر ان کا مطمح نظر ذوالقرنین کی شخصیت کی تحقیق نہیں ہے بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ان ہفوات کی تردید مقصود ہے جو یاجوج وماجوج سدِ دجال کے خروج اور مسیح بن مریم (علیہما السلام) کے نزول سے متعلق ہیں اور جن پر قادیانی نے اپنی نبوت اور یسوع مسیح ہونے کے دعوے کی بنیاد قائم کی ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یورپ کی موجودہ متمدن اقوام ہی وہ یاجوج وماجوج ہیں جن کا ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے اور یہ کہ دجال ان کے پادری ہیں اور میں ہی وہ یسوع مسیح ہوں، احادیث میں جس کے نزول کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ قریب قیامت میں آکر ان سب کا استیصال کرے گا۔

حالانکہ قادیانی مشن کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اس نے اقوام یورپ کے الحاد و زندقہ، فساد فی الارض اور دجل و مکر کی زبردست وبا کو روکنے یا ختم کر دینے کی بجائے ممالک اسلامیہ کو یورپ کی بعض حکومتوں کے استعماری عزائم کے حوالہ کرنے اور غلام بنانے جہاد جیسے فریضۂ اسلامی کی منسوخی کا اعلان کر کے اپنے مزعومہ یاجوج وماجوج کو خوش کرنے اور اپنے منکرین پر کفر کا عام فتویٰ دے کر کروڑوں پرستارانِ توحید کو کافر اور خارج از اسلام قرار دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا اور نام نہاد تبلیغِ اسلام کے پردہ میں بھی اپنے مشن کی کامیابی کے علاوہ اور اسلام کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴: ڈالی جائے گی (یسعیاہ باب ۲۴ آیت ۲۳-۲۸)

Marfat.com

اور سید محمد آلوسی نے بھی اذواء یمین میں سے کسی کو ذوالقرنین تسلیم نہیں کیا اور اس قول کو غلط قرار دیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵

خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے قابو میں کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں ...... اور میں گاڑے ہوئے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے گنج تجھے دوں گا تاکہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے تیرا نام لے کے بلایا ہے (باب ۴۴ آیت ۳۱)

حضرت یسعیاہ نبی کی یہ پیشین گوئی خورس (سائرس) کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے یہود کو سنائی گئی اور فتح بابل کے صرف ساٹھ برس پہلے اسی کی تائید میں حضرت یرمیاہ نبی نے یہود کو یہ پیشینگوئی سنائی تھی۔

"وہ کلام جو خداوند نے بابل کی بابت اور کسدیوں کی سرزمین کی بابت یرمیاہ نبی کی معرفت فرمایا۔ تم قوموں کے درمیان بیان کرو اور اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو۔ منادی کرو مت چھپاؤ۔ لکھو کہ بابل لے لیا گیا بعل رسوا ہوا مردوک سراسیمہ کیا گیا ہے اس کے بت خجل ہوئے اس کی مورتیں پریشان کی گئیں کیونکہ اتر سے قوم اس پر چڑھتی ہے جو اس کی سرزمین کو اجاڑ کرے گی الخ (یرمیاہ باب ۵۰ آیت ۱ - ۳)

اور عزرا نبی کی کتاب میں بصراحت موجود ہے کہ خورس (سائرس) نے یروشلم کی ہیکل کو تعمیر کیا اور اس نے اس کی تعمیر اور عزت و حرمت کا اپنی قوم میں اعلان کیا اور اس طرح یرمیاہ نبی کی بشارت پوری ہوئی۔

"اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہوا۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اسے قلمبند بھی کر کے یوں فرمایا۔ شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند

Marfat.com

ان تفصیلات کے بعد اب بسہولت یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے متعلق یہ سب اقوال نظرانداز کر دینے کے قابل ہیں اور صرف دو قول ہی قابلِ توجہ ہیں۔ جن میں سے ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶

آسمان کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا ہے کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لئے ایک مسکن بناؤں۔ پس اس کی ساری قوم میں سے کون کون ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے۔ الخ

عزرا باب آیت ۱ - ۳

یسعیاہ نبی اور یرمیاہ نبی کی پیشین گوئیوں سے اور عزرا نبی کی کتاب میں اس بیان کہ وہ منادی ہے جو خورس (سائرس) کی جانب سے کی گئی تین باتیں صاف اور صریح طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) توراۃ کی پیش گوئیاں خورس کو خدا کا چرواہا اور خدا کا مسیح بتا رہی ہیں نہ کہ سکندر کو۔

(۲) یروشلم (بیت المقدس) کے ہیکل کی تعمیر اس کی عزت و حرمت کا اعلان اس کے خدا کے گھر ہونے کا اقرار اور یہود کی آزادی خورس (سائرس) کے ہاتھوں ہوئی نہ سکندر کے۔

(۳) یرمیاہ نبی کی پیشین گوئی میں اگرچہ نام نہیں ہے لیکن یہ تصریح ہے کہ بابل کا تباہ کرنے والا اور یروشلم کو آباد کرنے والا اُتر (شمال) سے اٹھے گا سو یہ فارس و میڈیا کا بادشاہ خورس ہی ہو سکتا ہے نہ کہ سکندر جو یونان سے (بابل کی جانب مغرب سے) اٹھا اور عزرا نبی کی تصدیق بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

(۴) یہ تمام پیشین گوئیاں متفق ہیں کہ خورس کی فتوحات جابرانہ و قاہرانہ انداز کی نہیں تھیں بلکہ ایک صالح اور باخدا انسان کی حیثیت سے تھیں اور کتاب مقدس کے ان صاف اور صریح بیانات کے علاوہ تاریخی حقائق بھی ان نتائج کی زبردست تائید کرتے ہیں چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سائرس کے متعلق یہ تصریحات موجود ہیں۔

بابل پر جب سائرس حملہ آور ہوا تو وہاں کے یہودیوں نے ایرانیوں کو نجات دہندگان اور موحدین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷

کہہ کر پکارا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہود کی مدد کے صلہ میں سائرس نے یہودیوں کو یروشلم اور ان کا معبد (ہیکل) واپس کر دیا اور انھیں فلسطین لوٹنے کی اجازت دیدی (ج ۶ ص ۵۲۷ ایڈیشن ۹)

اب کتاب مقدس اور اس کے ان روشن تاریخی حوالوں پر نظر کیجیے اور پھر جوزیفس کی اس بددیانتی کی داد دیجیے کہ اس نے یروشلم کی تعمیر علماء یہود کی تعظیم و تکریم اور خدا کے مسیح کے ہاتھوں یہود کی بابل سے نجات کے تمام ان معاملات کو جو کتاب مقدس نے خورس (سائرس) کے لئے مخصوص کئے تھے کس جرأت کے ساتھ سکندر مقدونی پر اس غرض سے چسپاں کر دئے کہ کسی طرح اس کا یہ مقصد کہ یہودیوں اور یونانیوں اور رومیوں کے درمیان منافرت کی خلیج کو پاٹ دیا جائے، پورا ہو جائے مگر اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور یہودیوں نے ان تحریفات کی بنا پر (جیساکہ ابھی حوالہ گذر چکا ہے) اس کو خائن اور غدار کہہ کر اس کی تاریخی کتابوں کو بھی غیر مقبول قرار دیدیا اور اگر ہم بالفرض سکندر کے معاملہ زیر بحث میں جوزیفس کی روایت کو صحیح بھی مان لیں تو اس کی حقیقت زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتی ہے (جیساکہ تاریخ شاہد ہے) کہ سکندر کی یہ عادت تھی کہ جس ملک کو فتح کرتا وہاں کی پبلک کو اپنا بنانے کے لئے ملکی رسم و رواج کے مطابق عبادت کر کے یہ ثابت کرتا کہ مجھ کو بھی ان عقائد و عبادات سے ایسا ہی تعلق ہے جیساکہ اس ملک کے رہنے والوں کو پھر کیا عجب ہے کہ یہودیوں کو متاثر کرنے کی خاطر اس نے یروشلم میں بھی یہ ڈھونگ رچایا ہو یا سائرس کی نقل اتار کر یہودیوں میں ذوالقرنین بننے کی کوشش کی ہو اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

چنانچہ بستانی کی انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ سکندر جب مصر پہونچا و لیبیا کے کاہنوں اور باشندوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے معبود (مشتری) کی پرستش کی (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۶۴۵)

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے۔

بابل میں سکندر نے وہاں کے مقامی دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھائی جیساکہ اس نے دوسرے مقامات پر

Marfat.com

علماء سلف کی رائے | علماء سلف کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین عربی الاصل تھا، سامیہ اولیٰ میں سے تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر بادشاہ تھا اور حج کے سفر میں دونوں کا ساتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ ابھی اسی طرح کیا تھا (یعنی مقامی دیوتاؤں کی پرستش کی تھی) اور یہ تمام ملکوں کے مذاہب کی آمیزش آگے چل کر یونانی الحاد و بے دینی پر بڑی حد تک اثر انداز ہوئی۔

(ج ۱۵ ص ۱۴۱ - ایڈیشن ۹)

ہاں یہ صحیح ہے کہ کتاب مقدس کی مسطورہ بالا پیش گوئیوں کی صحت پر بعض عیسائی مورخوں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ پیشین گوئیاں جن میں خورس کا نام تک مذکور ہے واقعات کے وجود پذیر ہونے کے بعد بنالی گئی ہوں لیکن اول تو اپنے اس دعوے یا شبہ پر انھوں نے قیاس و تخمین کے سوائے کوئی دلیل نہیں دی دوسرے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بابل کی غلامی کے دور اور بخت نصر کے توراۃ جلا ڈالنے کے واقعۂ ہائلہ کے بعد کے اس قسم کے تمام ذخیرے کے متعلق علماء یہود و نصاریٰ کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ یہ اضافات و تحریفات سے محفوظ ہیں اور ان میں ردوبدل کے لیے کوئی سبب وجود پذیر نہیں ہوا یعنی توراۃ کے قدیم حصہ کی طرح اس پر کوئی حادثہ نہیں گذرا اگر علماء یہود و نصاریٰ کے اس جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ان پیشین گوئیوں میں خورس کے نام کی تصریح بعد کو داخل کر دی گئی یا ان پیشین گوئیوں کو واقعات کے مطابق بنالیا گیا تب بھی ہمارا مطلب حاصل ہے اس لئے کہ ان پیشین گوئیوں سے یہ بات تو بغیر کسی خدشہ کے ثابت ہوگئی کہ یہودیوں میں "خورس" کے یروشلم تعمیر کرنے یہود کو آزاد کرانے اور مذہب یہود کی عظمت کرنے اور یہود کا اس کو خدا کا مسیح سمجھنے کی روایات کو اس درجہ تواتر حاصل تھا کہ شبہ کرنے والوں کے بقول "یہود نے سائرس کے ساتھ خوش اعتقادی کی وجہ سے ان ثابت شدہ حقائق کو کتاب مقدس میں وحی الٰہی کی بشارت بنا ڈالا لیکن اس کے برعکس سکندر مقدونی کو کسی طرح یہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

Marfat.com

رہا ہے اور ایک معاملہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کی عدالت میں مرافعہ کیا تھا اور اس نے ان کے حق میں فیصلہ دیا اور خضر (علیہ السلام) اس کے وزیر باتدبیر تھے۔ لیکن علماء سلف کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹

بہر حال کس قدر حیرت کی بات ہے کہ یروشلم سے متعلق جن واقعات کو صدیوں تک کتاب مقدس اور یہودیوں کی متواتر روایات میں خورس (سائرس) سے وابستہ ظاہر کیا گیا وہ چار سو برس کے بعد یک بیک جوزیفس کی زبانی سکندر کے حق میں ہو جاتے ہیں۔ ان هٰذا الشیئ عجاب

سکندر مشرک تھا سکندر کے مذہب کا ذکر اگرچہ پہلے گذر چکا ہے مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ صرف دیوتاؤں کی پوجا ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اس درجہ مغرور و متکبر تھا کہ یونان اور ایشیا کے لوگوں کو اپنے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا اور اپنے تئیں معبود کہلاتا تھا (دائرۃ المعارف للبستانی ج ۲ ص ۷۴۵)

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے

جب سکندر باختر (BACTRA) لوٹ آیا اور اوکسیارٹس کی بیٹی رواکزانا (ROXANA) سے شادی کی تو شادی کی دعوت کے موقعہ کو غنیمت جان کر اس نے اپنے یونانی اور مقدونی پیروؤں سے اپنی خدائی کا اعتراف کرانا چاہا۔ الخ (ج ص ۴۸۴)

اور مشہور محدث حافظ عماد الدین بن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں بروایت قتادہؒ سکندر ذوالقرنین اور سکندر بن فیلیس میں فرق کرتے ہوئے سکندر مقدونی کو مشرک کہا ہے (ج ۲ ص ۱۰۶)

اسی طرح حافظ ابن حجر نے امام رازی کے قول کو بطور سند پیش کرتے ہوئے سکندر مقدونی اور اس کے وزیر ارسطاطالیس دونوں کو کافر کہا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری جدید ایڈیشن ج ۶ ص ۲۹۴)

اور اسلام کے ان جلیل القدر ائمہ دین کی مزید تائید انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے بھی ہوتی ہے چنانچہ مقالہ نگار لکھتا ہے

"جب سکندر دریائے ستلج کے کنارہ پہونچا تو اس نے اپنی فوج کو دریا کے عبور کرنے کا حکم دیا لیکن فوج نے عبور کرنے سے انکار کر دیا اس پر سکندر نے اپنے افسروں کے سامنے مزید فتوحات کی اسکیم

Marfat.com

اس تحقیق میں کئی فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں جو اس تحقیق کو ایک متردد اور مضطرب رائے میں تبدیل کر دیتی ہیں مثلاً قرآن نے ذوالقرنین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کیا ہے کہ اس

بقیہ حاشیہ ۱۴۰

پیش کی لیکن یہ بے سود ثابت ہوئی۔ تب سکندر نے حسب دستور دریا کے سامنے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائی اور اپنے عقیدہ کے مطابق دیوتاؤں کی اجازت نہ سمجھتے ہوئے پیش قدمی سے باز آیا اور واپس لوٹ گیا (ج ا ص ۴۸۴)

اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن میں ہے کہ جوزیفس کی زبانی اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید سکندر یروشلم گیا تھا اور اس نے یہود کے ساتھ خصوصی مراعات بھی کیں اور محکمہ خبر رسانی میں ممتاز درجے بھی دیے اور اس طرح یونانیوں اور یہودیوں میں ایک علاقہ قائم ہو گیا" تاہم یہ محقق ہے کہ یہودیوں نے ان کے کلچر اور ان کے عقائد و رسوم کو اپنے اندر داخل نہ ہونے دیا اور وہ ہمیشہ ان کو اس حیثیت سے نفرت و حقارت ہی سے دیکھتے رہے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہودی قوم سختی کے ساتھ توحید کی قائل تھی اور اپنے مذہبی عقائد میں بہت پختہ" اور یہی وجہ ہے کہ یونانیت اور یہودیت میں کبھی اتصال نہ ہو سکا (ج ا ص ۳۰۹)

اور بستانی لکھتا ہے کہ سکندر مقدونی نے وفات کے وقت جو وصیت کی وہ یہ تھی کہ اس کو بتوں کے درمیان دفن کیا جائے۔

ثم لما رائی ان لا رجاله بالشفاء وان ساعتہ دنت نزع خاتمہ من اصبعہ وسلمہ الی الامیر بردیکاس واوصاہ ان ینقل جثتہ الی هیکل المشتری بواحات سیلوہ لیدفن هناك بین الاصنام (ج ۳ ص ۵۴۸)

پھر جب سکندر نے دیکھا کہ اب زیست کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور اس کی موت کا وقت قریب آ لگا تو اس نے اپنی انگلی سے شاہی مہر نکال کر اپنے امیر بردیکاس کو دی اور اس کو وصیت کی کہ مجھ کو سیوہ کے اطراف میں مشتری دیوتا کے ہیکل میں بتوں کے درمیان دفن کیا جائے

اب ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھیے اور فیصلہ کیجیے کہ "مضمون نگار" کا یہ کہنا صحیح ہے کہ "سکندر مقدونی کی تاریخ

Marfat.com

نے اپنی عمر میں تین تاریخی مہم سر کی ہیں ...... ایک میں وہ مطلع الشمس تک پہونچتا ہے یعنی مشرق کی جانب اس حد تک پہونچا جہاں آبادیوں کا سلسلہ ختم ہو کر سورج سامنے سے طلوع ہوتا نظر آتا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱

کا مسلمہ باب ہے کہ وہ یونانیوں کے قدیم مذہب اور دیوتاؤں کی پرستش کا معتقد تھا اور یہ کہ وہ ہرگز مسلمان نہ تھا یا محترم صاحبِ استدراک" کا یہ ارشاد کہ" دعویٰ (کہ سکندر مشرک تھا) بجائے خود مخدوش و مجروح ہے"

اور یہ بھی انصاف طلب بات ہے کہ" صاحب استدراک" کے اس حوالہ کی" جو کہ جوزیفس کی قدیم تاریخ یہود سے دیا گیا ہے" محققین مورخین بلکہ کتاب مقدس کی نگاہ میں کیا قدر و قیمت ہے؟ کہاں مدلل واقعات و حقائق اور کہاں محض ظن و تخمین ؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔

سکندر کا ظلم و جبر | محترم صاحبِ استدراک" مضمون نگار کے دوسرے دعوے کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

سکندر کا جابر و قاہر ہونا مسلم نہیں بہت کچھ مختلف فیہ ہے۔ تاریخ میں دونوں قسم کے اقوال ملتے ہیں کم از کم شک کا فائدہ تو اسے ملتا ہی ہے (برہان ماہ اگست ۱۹۴۱ء)

اس سلسلہ میں عرض کرنے دیجئے کہ قدیم و جدید مسلم اور عیسائی مورخین نے سکندر کی جو سیرت پیش کی ہے بحیثیت مجموعی ان سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ جابر و قاہر تھا اور اس کو نیک سیرت اور صالح بادشاہ نہیں کہا جا سکتا لہٰذا کم از کم ایک قول تو ایسا تحریر کیا جاتا جس میں اس کو نیک، عادل اور صالح تسلیم کیا گیا ہو۔

رہی یہ بات کہ اس کی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی عدل یا رحم کا موجود نہیں ہے تو اس کا انکار تو کوئی بھی

دونوں کو کافر کہا ہے (ملاحظہ ہو ... کی سیرت عادل رحیم اور صالح نہیں کہی جا سکتی ورنہ تو پھر چنگیز خاں

اور اسلام کے ان جلیل القدر ائمہ دین کی مزید تائید انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۔ سکندر کی جابرانہ حیثیت کا اندازہ ان چند واقعات سے

" جب سکندر دریائے ستلج کے کنارہ پہونچا تو اس نے اپنی فوج کو

نہیں کر سکتا مگر ان خیدہ گنتی کے واقعات ... افسروں سے بگڑ گیا تھا یہ ظالم اور جابر انسان جو اپنے کو خدا ... چاہیے

ہلاکو خاں اور حجاج بن یوسف کو بھی یہی مقام دیا جانا چاہیے

... کیا جا سکتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے

Marfat.com

اور دوسرے میں وہ مغرب الشمس تک گیا ہے یعنی اس حد تک پہونچا ہے جہاں حصۂ زمین ختم ہو کر سمندر
کا کوئی ایسا حصہ سامنے تھا جس میں غروب کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا گویا سورج

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲

سمجھتا تھا جو اپنے دوست کے سینہ میں برچھی گھونپ کر مسرور ہوتا تھا جو ایک دوسرے دوست کو سخت ترین جسمانی ایذا پہونچا کر اس کی چیخ پر حقارت آمیز انداز میں تبسم ہوتا تھا وہ ایک عادل دماغ فرمانروا اور مدبر ہونے سے بہت دور تھا (ج ا ص ۴۸۵)

ہر شخص اس سے حد درجہ خوشامدانہ انداز میں بات کرنے پر مجبور تھا۔ پلوٹارک (Plutarch) لکھتا ہے کہ اس کو اپنی پرانی عادت یعنی انسانوں کا شکار کرنے میں بڑی تسلی وتشفی اور سکون حاصل ہوتا تھا۔ (ج ا)

"آخر کار وہ پسر گیڈا (Pasargadae) پہنچا اور سائرس کی قبر کا پتہ لگا کر اسے کھدوایا اور لوٹا اور اس کی توہین کی (ج ا ص ۴۸۴)

"(قابض ہو جانے کے بعد) پسر گیڈا میں اس کو بے شمار دولت مال و اسباب ہاتھ آیا جس کی قیمت کا اندازہ ایک کروڑ تیس لاکھ پونڈ کے قریب کیا جاتا ہے اس دولت کو لوٹنے کے بعد اس نے شہر کے تمام مردوں اور اولادِ ذکور کو تہ تیغ کیا اور عورتوں اور اولادِ اناث کو باندیاں بنالیا (ج ا ص ۴۸۳)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے علاوہ بستانی اور وہ تمام مسلمان مورخین جو اس کو زبردستی "ذوالقرنین" بنانے پر آمادہ نہیں ہیں سکندر سے متعلق اسی قسم کی روایات جبر و قہر بیان کر رہے ہیں پس ضرورت تھی کہ ان روایات کے مقابلہ میں کسی محقق مورخ کی ایک روایت ایسی بھی سامنے آجاتی جو تخمین و قیاس سے جدا تاریخی روشنی میں اس کو نیک، صالح اور عادل بادشاہ ثابت کر سکتی مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اور تمام ذخیرۂ تاریخ اس سے یکسر خالی ہے۔

رہا "شبہ کا فائدہ" تو اول تاریخی حقائق کے بعد شبہ کے فائدہ کا سوال ہی کیا ہے اور اگر یہ تسلیم بھی

Marfat.com

گدلے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اور تیسری مہم ایسے سفر سے متعلق تھی جس میں اس کو ایک ایسی قوم سے
واسطہ پڑا جو اس کی زبان سے نا آشنا تھی اور جس نے یاجوج ماجوج قبائل کی تاخت و تاراج کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳

کرلیا جائے تو اس کو زیادہ سے زیادہ یہ فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے کہ سکندر کو جابر و قاہر کہنے میں سکوت اختیار
کرلیا جائے نہ کہ یہ فائدہ کہ ایسی ہستی کو جس کا نیک، صالح اور عادل ہونا تک مشتبہ ہو قرآن عزیز کا ذوالقرنین
بنا دیا جائے کہ جس کی منقبت میں قرآن عزیز رطب اللسان ہے اس کو تو بلاشبہ تاریخی صحائف میں
روز روشن کی طرح صالح و عادل ثابت ہونا چاہیئے۔

سکندر کا مغرب کی طرف استدام | تیسری بات "مضمون نگار" نے یہ کہی تھی کہ سکندر کی تاریخی مہمات کے متعلق یہ مسلمات میں سے ہے کہ وہ مغرب کی جانب نہیں بڑھا" چنانچہ "صاحبِ استدراک" اس کو بھی مخدوش
و مجروح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"سکندر کی ابتدائی فتوحات تاریخ کو مسلم ہے کہ شمال و مغرب ہی کی جانب حاصل ہوئی تھیں"۔

برہان ماہ اگست ۱۹۴۱ء

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ سکندر کی شمالی جانب میں فتوحات کا انکار تو "مضمون نگار" نے بھی نہیں
کیا البتہ مغربی جانب میں سلسلۂ فتوحات و سیاحت کے بڑھنے کا ضرور انکار کیا ہے "صاحب استدراک" اس کی
تردید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اور مقدونیہ کے کنارے مغرب میں ہی وہ جھیل ہے جس کا پانی اتنا گندہ ہے کہ سیاہی مائل ہو گیا
ہے اور وہیں سورج ڈوبتا نظر آتا ہے وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ کا پورا مصداق

برہان اگست ۱۹۴۱ء

مگر یہ دلیل "کوہ کندن و کاہ برآوردن" سے زیادہ وقیع نہیں ہے۔ اس لئے کہ "مضمون نگار" کا یہ مقصد تو
ہرگز نہ تھا کہ سکندر جس نے شمال اور مشرق میں ہزارہا میل تک زبردست فتوحات حاصل کیں اور ملکوں اور

Marfat.com

متعلق اس سے شکایت کی اور اس نے ان کی فرمائش پر دو پہاڑوں کی پھانکوں کے درمیان لوہے اور
تانبے سے ایک مضبوط "سد" قائم کر کے حملہ آور یاجوج و ماجوج قبائل سے ان کو محفوظ کر دیا لیکن علمأ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴

شہروں کو مسخر کیا وہ مغرب کی جانب اپنے دار السلطنت مقدونیہ کے کنارہ تک بھی نہیں گیا۔

پس اس جھیل تک سکندر کا پہنچنا جو مقدونیہ کے کنارہ ہی پر ہے ایسی کونسی عظیم الشان مہم تھی جس کا ذکر قرآن عزیز نے اس اہمیت کے ساتھ کیا ہے اور جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مغربی مہم کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ذوالقرنین کے مرکزی دار السلطنت سے سینکڑوں یا ہزاروں میل دور اس حد پر پہنچ گئی تھی جہاں صحراؤں اور پہاڑوں کی مسافت طے کرنے کے بعد پانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ مقدونیہ کے کنارہ کی جھیل اوکریڈا جس جگہ واقع ہے وہاں تو صبح و شام خدا کی ہزاروں مخلوق کا شب و روز ہی گذر ہوتا رہتا تھا اور وہ مغرب کے کسی آخری حصہ میں بھی واقع نہیں ہے بلکہ اطراف و جوانب کے شہروں اور ملکوں کے درمیان واقع ہے تو یہ کونسی ایسی جگہ تھی جس کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے حتیٰ اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ پس محض جھیل کے پانی کے گندہ اور سیاہی مائل ہونے کی وجہ سے یہ جھیل کسی طرح بھی قرآن عزیز کی اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتی۔

چنانچہ مفسرین قرآن بالاتفاق اس آیت کی تفسیر وہی کرتے ہیں جو ہم نے بیان کی ہے یعنی ذوالقرنین مغرب کی جانب دور تک بڑھتا ہوا ایسے مقام پر پہونچ گیا جہاں صحراؤں اور پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہو کر سمندر شروع ہو جاتا ہے البتہ سمندر کا وہ حصہ ایسا تھا جہاں پانی گدلا اور سیاہ ہو گیا تھا اور سورج غروب ہوتے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ سیاہ گدلے چشمہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔

چنانچہ سید محمود آلوسی "بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ای منتھی الارض من جھۃ الغرب (ج ۱۶) یعنی مغرب کی جانب میں زمین کے آخری حصہ تک جب پہنچا

اور محدث ابن کثیر ابن جریر امام رازی اور قدیم و جدید تمام مفسرین یہی تفسیر بیان فرماتے ہیں پس "صاحب

Marfat.com

سلف یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ جس شخص کو وہ ذوالقرنین فرما رہے ہیں کیا واقعی اس کو یہ تینوں مہم اس تفصیل کے ساتھ پیش آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے بلکہ وہ اس کا بھی فیصلہ نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵

استدراک کی یہ تفسیر نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں بلکہ قرآن عزیز کے بیان کردہ مقصد کے منافی ہے۔

درحقیقت اس آیت کا مصداق یہ ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی جانب فتوحات کرتا ہوا جب تمام ایشیا کو چک کو بحر شام سے بحر اسود تک قبضہ میں کر چکا تو وہ آگے بڑھتا ہوا مغربی ساحل تک پہونچ گیا۔ نقشہ میں دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایشیا کوچک کے مغربی ساحل میں چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور بحر ایجین کے ساحلی مقام پہ جا کر یہ گہرے سیاہ رنگ کی صورت میں نظر آتے ہیں اور ساحل پر کھڑے ہونے والے کو سورج اس کے اندر ڈوبتا نظر آتا ہے اور مغربی ساحل کی یہ مہم سائرس ہی کو نصیب ہوئی ہے۔ سکندر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اب صاحب استدراک چاہتے ہیں کہ اسے گھر بیٹھے ہی مقدونیہ کے کنارہ اس خوش قسمتی کا مصداق بنادیں مگر یہ کسی طرح ممکن نظر نہیں آتا۔

نیز "صاحب استدراک" آرکیڈ اجھیل کا جائے وقوع مناستر سے پچاس میل مغرب میں (یوگوسلاویہ) میں بتاکر اگرچہ اس کا بعد مسافت ظاہر فرمانا چاہتے ہیں مگر بہرحال ہے وہ سکندر کے دارالسلطنت مقدونیہ کے کنارہ ہی۔

یہ ہیں وہ خدشات اور اسباب جرح جو "صاحب استدراک" نے تکلیف گوارا فرماکر "مضمون نگار" کے تین مسلمات پر عائد فرمائے ہیں اب قارئین کرام بنظر انصاف خود غور فرمائیں کہ تاریخ کی روشنی میں "مضمون نگار" کے "مسلمات ثلثہ" صحیح ہیں یا "صاحب استدراک" کے "خدشات و جرح" درست ہیں۔ اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ"

اس کے بعد صاحب استدراک یہ تحریر فرماتے ہیں "جزم کے ساتھ کسی کی بھی تعیین کرنا دشوار ہے اس لئے کہ قرآن مجید کی بتائی ہوئی علامات کا مصداق تمام تر اب تک کوئی نہیں ملا ہے۔ (برہان ۱۹۴۰ء)

Marfat.com

فرما سکے کہ اس کا اصل نام کیا ہے؟ اس کا مرکزِ حکومت کہاں تھا؟ اور اس کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ غرض سلف رحمہم اللہ کے یہاں ان سوالات کے جواب میں اس درجہ مختلف اور مضطرب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶

مضمون نگار نے بھی ذوالقرنین کی تعین پر بحث کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ اس سب کچھ لکھنے کے بعد بھی بحث و تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے مگر پھر تعجب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صاحبِ استدراک کو مضمون نگار کے مضمون کی فوری تردید کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ شاید صاحبِ استدراک کے نزدیک وہ اہم ضرورت یہ تھی فرماتے ہیں "لیکن جہاں تک اکثریت کا تعلق ہے سکندر مقدونی کا نمبر جس کی طرف ہمارے متقدمین اس کثرت سے گئے ہیں کسی سے پیچھے نہیں"۔

گویا صاحبِ استدراک اس غلط فہمی میں ہیں کہ علماء متقدمین کی اکثریت اس جانب ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے حالانکہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے جس کو جلد رفع ہونا چاہیئے۔

اہلِ نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے متعلق مختلف اقوال میں سے علماء سلف (متقدمین) کی اکثریت کا دعویٰ کسی جانب بھی نہیں کیا جا سکتا اور اگر ان کے تمام اقوال کو جمع کر کے خلاصہ نکالا بھی جائے تو دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ ان کے نزدیک شاید راجح یہ ہے کہ وہ ایک قدیم بادشاہ تھا اور اس کا نسب سامیین (یمن) اولیٰ سے ملتا ہے اور وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا معاصر تھا۔ دوسری یہ کہ جن بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ذوالقر(نین) سکندر ہے ان کی مراد سکندر مقدونی سے نہیں ہے بلکہ وہ حضرت مسیح سے دو ہزار برس پہلے سکندر رومی کو اس کا مصداق تسلیم کرتے اور رومی اور مقدونی کو دو جدا جدا ہستیاں مانتے ہیں اور ان دونوں باتوں کی تصدیق کے لئے تفسیر ابن کثیر (ج ۲ ص ۱۶۷) فتح الباری (ج ۶ ص ۲۹۴ و ۲۹۵) بخاری کتاب احادیث الانبیاء البدایۃ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر (ج ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶) اور کتاب التیجان قابلِ مراجعت ہیں اور حافظ عماد الدین بن کثیر نے تو البدایہ والنہایہ (ج ۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶) میں متقدمین کی اس دوسری بات کو واضح کرتے ہوئے صاف صاف تحریر فرمایا ہے۔

Marfat.com

اقوال پائے جاتے ہیں کہ قرآن کے بیان کردہ اوصاف و علامات کے پیش نظر ان کے ذریعے کسی قدیم العہد بادشاہ کی شخصیت کا تعین ناممکن ہو جاتا اور معاملہ اپنی جگہ غیر منفصل ہو کر رہ جاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین سکندر ہی ہے اور اس کا باپ پہلا قیصر گذرا ہے اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ لیکن دوسرا ذوالقرنین پس وہ سکندر بن فلپس مقدونی یونانی مصری ہے جس نے اسکندریہ آباد کیا اور جو روم کی تاریخ بناتا ہے اور یہ دوسرا اسکندر پہلے سکندر سے بہت طویل زمانہ کے بعد ہوا ہے اور ہم نے اس پر اس لئے تنبیہ کی کہ بہت سے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ دونوں سکندر ایک ہی ہیں اور یہ گمان کر بیٹھے کہ قرآن میں جس سکندر کا ذکر ہے وہ اسکندر ہے جس کا وزیر ارسطو ہے اور اس غلط سمجھ کی وجہ سے بہت بڑی خطا اور عریض و طویل فساد برپا ہو جاتا ہے پس بلا شبہ پہلا سکندر مومن صالح اور عادل بادشاہ تھا اور اس کے وزیر خضر علیہ السلام تھے اور دوسرا اسکندر مشرک تھا اور اس کا وزیر ارسطو فلسفی تھا اور ان کے درمیان دو ہزار سال سے زائد کا زمانہ ہے اور ان دونوں کا فرق صرف ایسے غبی پر ہی مشتبہ رہ سکتا ہے جو حقائق امور سے ناواقف ہو۔

اب صاحب استدراک غور فرمائیں کہ ان کا یہ کہنا "سکندر یونانی کی جانب ہمارے متقدمین اس کثرت سے گئے ہیں" کہاں تک درست ہے؟ ہاں ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اس سخت مغالطہ میں کہ "سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے صرف صاحب استدراک ہی تنہا نہیں ہیں بلکہ مورخین اسلام میں سے بعض اچھے اچھوں کو یہ دھوکہ ہو گیا اور انھوں نے اس سکندر قدیم کو جو در اصل سکندر نہیں بلکہ جمیری سامی بادشاہ تھا سکندر مقدونی سمجھ لیا اور ذوالقرنین والا تمام قصہ اس کے ساتھ چسپاں کر دیا اور جب اس کے جسم حکومت اور شخصیت پر قباء ذوالقرنین راست نہ آسکی تو دور از کار تاویلات کے ذریعہ اس پر موزوں کرنے کی سعی ناکام کی اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ امام رازی جیسا بزرگ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا اور غالباً اس کی ابتدا مشہور مفسر و مورخ ابن جریر ہی سے ہوئی

Marfat.com

مثلاً نام کے متعلق زبیر بن بکار اور ابن مردویہ (عن ابن عباسؓ) کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ضحاک بن معد بن عدنان ہے مگر اس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لئے کہ اس صورت میں وہ حضرت ابراہیم کا معاصر نہیں ہو سکتا جب کہ حضرت ابراہیم اور عدنان کے درمیان چالیس واسطے ہیں[۱]۔ ابن ہشام کعب احبار اور جعفر بن حبیب کہتے ہیں کہ اس کا نام مصعب بن عبداللہ با

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸

علماء سلف اور متقدمین کی اکثریت کے مسلک کی توضیح کے بعد لائق صاحب استدراک خود غور فرمائیں کہ کیا اس کے بعد بھی ان کا از راہ طعن یہ فرمانا کہ جب سے تحقیق اور روشن خیالی کا معیار یہی بہ قرار پاگیا ہے کہ اگلے ماہرین فن کے ساتھ رشتہ اتحاد و توافق کا نہیں بلکہ انکار و تردید کا قائم رکھا جائے ذوالقرنین کے اسکندر ہونے سے مسلسل انکار ہونے لگا ہے" (صدق ۴ اگست ۱۹۴۲ء) کسی حد تک بھی درست ہو سکتا ہے ہم اس کے جواب میں انھیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "ایاك والظن فان بعض الظن اثم" یاد دلانا چاہتے ہیں۔

صاحب استدراک فرماتے ہیں کہ ہم نے ذوالقرنین کے سکندر مقدونی ہونے سے انکار کرکے اکابر سلف کے ساتھ انکار و تردید کا رشتہ قائم کیا ہے حالانکہ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ سکندر مقدونی کے انکار میں اکابر تفسیر وحدیث حضرت عمر حضرت علی حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس مجاہد شعبی حافظ ابن تیمیہ ابن قیم ابن کثیر ابن حیان حافظ ابن حجر شیخ بدرالدین عینی امام نووی قرطبی وغیرہ سب ہی غریب مضمون نگار کے ہم نوا اور صاحب استدراک کی رائے کے مخالف ہیں البتہ صرف ابن جریر طبری اور امام رازی ضرور مقدونی کو ذوالقرنین بتا رہے ہیں مگر ساتھ ہی امام صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس قول پر بہت قوی اعتراضات وارد ہوتے ہیں لیکن صاحب استدراک کی نگاہ میں وہ خود تو اکابر سلف کے مؤید ہیں اور غریب مضمون نگار اکابر کا مخالف ہے والی اللہ المشتکی!

---

[۱] فتح الباری ج ۶

Marfat.com

مصعب حمیری[1] ہے۔ حافظ ابن حجر کا رجحان بھی اسی جانب ہے لیکن ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مصعب سے قحطان تک چودہ پشت ہوتی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے فلیح تک سات پشت ہیں حالانکہ فلیح اور قحطان دونوں بھائی اور عبر کے بیٹے ہیں[2]۔ لہذا اس حساب سے یہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہو سکتا اور جعفر بن حبیب کی دوسری روایت یہ ہے کہ منذر بن ابی القیس (شاہ حیرہ) ذوالقرنین[3] ہے لیکن یہ بادشاہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے بھی بعد پیدا ہوا ہے اور ہمدانی نے کتاب الانساب میں اس کا نام ہمیسع (ابو الصعب) بن عمرو بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان یا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان بتایا ہے۔ اگرچہ اس نام کا بادشاہ سبا کے خاندان سے ضرور ہو گذرا ہے[4] لیکن حمیری (سبا) بادشاہوں کے طبقہ اولیٰ کی تاریخ بھی ۱۲۰۰ق م سے اوپر نہیں جاتی ....

.... حالانکہ معاصر ابراہیم (علیہ السلام) کو ۲۲۰۰ق م ہونا چاہیئے اور ابن ہشام نے سیرت میں دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مردویہ ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی روایت کی وجہ سے اسی کو سکندر اول بھی کہتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ نام مجہول ہے اور اس نام کا کوئی بادشاہ تاریخوں میں مذکور نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علماء سلف یہ صراحت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین عربی الاصل ہے اور مرزبان اور مردویہ عربی نام نہیں ہیں بلکہ عجمی نام ہیں اس لئے اگر اس نام کا کوئی بادشاہ ہوگا تو وہ عجمی ہوگا نہ کہ عربی اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ اس کا نام صعب بن مرائد (تبع اول) ہے[5]۔ لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں کہ اول تو کوئی تبع اول کا یہ نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کا نام حارث الرائش یا زید ہے دوسرے کوئی (حمیری) "تبع" حضرت ابراہیم کا معاصر نہیں ہے اور دار قطنی اور ابن ماکولا سے منقول ہے کہ اس کا نام ہرمس یا ہردس بن قیطون بن لنطی ہے[6] مگر یہ سخت مغالطہ ہے اس لئے کہ یہ سکندر مقدونی کے دادا کا نام ہے اور سکندر کے مغالطہ ہی میں ذکر میں آگیا ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس امر پر اتفاق کے باوجود کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین

---

[1] مصعب یا صعب بن عبداللہ بن قرین بن منصور بن عبداللہ بن ازد فتح الباری ج ۶ و تاریخ ابن کثیر ج ۲ و توراۃ پیدائش باب ۱۱ والانباہ لابن عبد البر [2] کتاب العبر [3] الانباہ لابن عبد البر و تاریخ ابن کثیر ج ۲ [4] قلقشندی [5] کتاب التیجان لابن ہشام [6] تاریخ ابن کثیر ج ۲

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر بادشاہ ہے جو نام سلف سے منقول ہیں ان میں سے نہ کوئی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا معاصر ہے اور نہ سامیہ اولیٰ میں سے بلکہ یا یمنی حمیری سلاطین کے نام ہیں اور یا عجمی بادشاہوں کے نام اور ان میں اس درجہ اختلاف ہے کہ چند علماء سلف کا کسی ایک پر بھی اتفاق نہیں اور اسی بنا پر حافظ ابن حجر صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ چند اشعار عرب اور بعض اقوال سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کا نام صعب تھا۔ لیکن خود صعب کی شخصیت کے متعلق جو اختلاف اقوال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر نہ ہونے کا جو اشکال ہے اس کا کوئی حل انھوں نے نہیں کیا۔

پھر نام کی طرح اس کے لقب "ذوالقرنین" کے متعلق بھی یہی اضطراب موجود ہے اور اس لقب کی وجہ میں جس قدر بھی احتمالات ہو سکتے تھے وہ سب ہی منقول و مذکور ہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

(۱) ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ روم و فارس دو مملکتوں کا مالک تھا اور "قرن" جس کے معنی "سینگ" کے ہیں بطور استعارہ کے طاقت حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی دو حکومتوں کا والی و مالک یہ رائے اہل کتاب کی جانب منسوب ہے اور بعض مفسرین کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔

(۲) وہ فتوحات کرتا ہوا اقصائے مشرق و مغرب تک پہنچا اور ان دونوں جہات میں بہت سے ممالک پر قابض و مسلط ہوا۔ یہ زہری کا قول ہے۔

(۳) اس کے سر میں دونوں جانب سینگ کے مشابہ تانبے کے سے غدود ابھرے ہوئے تھے یہ وہب بن منبہ کی رائے ہے۔

(۴) اس کی زلفیں دراز تھیں اور وہ ہمیشہ اپنے بالوں کو دو حصے کرتا اور ان کی پٹیاں گوندھ کر دونوں کاندھوں پر ڈالے رکھتا تھا ان دونوں کو "قرن" سے تشبیہ دے کر اس کو یہ لقب دیا گیا، یہ قول حسن بصری کی جانب منسوب ہے۔

(۵) اس نے ایک جابر بادشاہ کو یا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، بادشاہ یا قوم نے غضبناک ہو کر اس کے سر کے ایک جانب ایسی سخت چوٹ لگائی کہ وہ مرگیا اس کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر پھر تبلیغ کا فرض انجام دیا اس مرتبہ دوسری جانب چوٹ مار کر قوم نے اس کو شہید کر دیا۔ اس ضرب سے اس کے سر

Marfat.com

جو دو نشان پڑ گئے تھے اس وجہ سے اس کو یہ لقب دیا گیا۔ یہ توجیہ حضرت علیؓ کی جانب منسوب ہے۔

(۶) وہ نجیب الطرفین تھا اس لئے والدین کی نجابت کو قرنین کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور "ذوالقرنین" لقب ہوا۔

(۷) اس نے اس قدر طویل عمر پائی کہ انسانی دنیا کے دو قرن (صدیوں) تک زندہ رہا۔

(۸) وہ جب جنگ کرتا تھا تو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے ہتھیار چلاتا بلکہ دونوں پاؤں رکابوں سے بھی ٹھوکر لگاتا تھا۔

(۹) اس نے زمین کی تاریکی اور روشنی دونوں حصوں کی سیاحت کی۔

(۱۰) وہ ظاہر و باطن دونوں علوم کا حامل تھا۔[۱]

لیکن پہلی توجیہ تو اس قیاس پر مبنی ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسری توجیہ کی بنیاد ایک ناقابل اعتماد روایت پر ہے جو سفیان ثوری اور مجاہد سے منقول ہے اس میں ہے کہ چار بادشاہ وہ ہیں جنھوں نے تمام عالم پر حکومت کی ہے ان میں سے دو مسلمان ہیں اور دو کافر حضرت سلیمان (علیہ السلام) ذوالقرنین اور نمرود و بخت نصر"[۲] یہ روایت اس لئے معلول ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) اور ذوالقرنین دونوں کی حکومت تمام عالم پر رہی ہے" اگرچہ تاریخی حیثیت سے یہ صحیح نہیں ہے" تب بھی نمرود اور بخت نصر کے جو مفصل حالات کتب تواریخ میں محفوظ ہیں وہ اس روایت کے مضمون کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ ان دونوں بادشاہوں کی حکومت شام، عراق، مصر، حجاز اور فارس کے علاوہ بالواسطہ یا بلاواسطہ دنیا کے کسی حصہ پر بھی ثابت نہیں ہے اور آخر الذکر بادشاہ کا زمانہ تو بلحاظ عہد تاریخ اتنا قریب ہے کہ اس کی حکومت اور رقبۂ حکومت کی تفاصیل تو معاصرانہ شہادتوں اور تاریخی روایتوں اور حضریات کے انکشافات کی بنا پر بہت مشہور اور واضح ہیں اس لئے یہ روایت بھی قابل حجت نہیں ہے اور تیسری توجیہ سے متعلق جو روایت ہے اس کو حافظ ابن حجر نے منکر اور ابن کثیر

---

[۱] فتح الباری ج ۶ و تاریخ ابن کثیر ج ۲ و دائرۃ المعارف بستانی ج ۸ ص ۱۱۱ھ [۲] تاریخ ابن کثیر ج ۲ و فتح الباری ج ۶

Marfat.com

PUNJAB UNIVERSITY, LAHORE ... AL RESEARCH

نے ضعیف اور ناقابل اعتماد کہا ہے[۱] اور چوتھی توجیہ جو حسن بصری کی جانب منسوب ہے محض قیاسی ہے
اور پانچویں توجیہ جو حضرت علی سے منقول ہے اس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے دو طریق روایت میں سے ایک ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے دوسرا طریقہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کے متن پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ لم یکن نبیا ولا ملکا ذوالقرنین نہ نبی تھے نہ فرشتہ" حالانکہ اسی روایت کی ابتدا میں ہے" بعثہ اللہ الی قومہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم کی جانب مبعوث کیا تھا" یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی تھے البتہ حافظ نے اس اشکال کے جواب میں ایک کمزور سا جواب یہ کہہ کر دے دیا" الا ان یحمل البعث علی غیر رسالۃ النبوۃ مگر یہ کہ یوں کہہ دیا جائے کہ اس کی بعثت نبوۃ کے طور پر نہیں تھی" [۲]

ہمارے نزدیک اس پر یہ اہم اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کے حاکمانہ اقتدار کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں یہ روایت ان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی وہ کہتا ہے کہ ذوالقرنین وسیع مملکت کا مالک اور کامیاب بادشاہ ہو گزرا ہے مگر یہ روایت اس کو صرف ایک مبلغ ثابت کرتی ہے جس کی قوم تک نے اس کو نہیں تسلیم کیا اور اس کے درپے آزار رہی علاوہ ازیں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں اس کے متعلق جو معجزانہ واقعہ مذکور ہے اگر یہ صحیح تھا تو قرآن عزیز کس طرح اس کو فروگذاشت کر سکتا تھا جب کہ یہ ذوالقرنین کی عظمت کو چند در چند بلند کرتا ہے؟ اس لئے یہ توجیہ بھی جرح اور ضعف سے محفوظ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حضرت علی کا یہ قول قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے سوا کسی دوسری شخصیت سے متعلق ہو اور بیچ کے راویوں نے اپنے فہم سے اس واقعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا ہو اور ساتویں اور نویں ہر دو توجیہات کو ابن کثیر نے "منکر" یعنی ناقابل اعتماد کہا ہے[۳] اور چھٹی آٹھویں اور نویں توجیہات محض اٹکل کے تیر اور بے سند ہیں[۴]۔

یہ ہیں وہ اقوال جو یا بلحاظ نقل ضعیف و منکر ہیں اور یا بے سند محض اٹکل کے تیر ہیں اسی بنا پر حافظ ابن حجر تو ان کو فقط نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان اقوال میں سے بھی کسی ایک قول کو

---

[۱] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۳ و فتح الباری ج ۶ [۲] فتح الباری ج ۶ [۳] البدایہ والنہایہ ج ۲ [۴] فتح الباری ج ۶ والبدایہ والنہایہ ج ۲

ترجیح نہیں دیتے جوان کے نزدیک بلحاظ روایت ونقل سقم سے پاک ہیں۔ البتہ حافظ ابن کثیر نے زہری کے قول کو راجح کہا ہے یعنی وہ چونکہ مشرق اور مغرب دونوں حدوں تک پہنچا اور ان کے درمیان کا مالک رہا ہے اس لئے ذوالقرنین کہلایا[1]" یہ بات اگرچہ کسی حد تک صحیح ہو سکتی ہے لیکن مشارق الارض ومغاربہا کے مفہوم میں وہی کلام ہے جو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں اور آئندہ تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کریں گے

علماء سلف سے ذوالقرنین کے نام اور لقب سے متعلق جو اقوال منقول ہیں اور جن سے اس کی شخصیت کے تعین میں مدد لی جاتی ہے ان کا حال تو آپ تفصیل کے ساتھ معلوم کر چکے اب ذوالقرنین کے بعض حالات کا جو تذکرہ اس ضمن میں پایا جاتا ہے وہ بھی تعارض واضطراب سے خالی نہیں ہے مثلاً ازرقی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا اور پھر ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) کے ہمراہ کعبہ کا طواف کیا[2]۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور علی بن احمد کی روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب حج کے ارادہ سے نکلا تو پیادہ پا روانہ ہوا اس کی اطلاع حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لئے نکلے اور[2] اس کے لئے دعا خیر کی" یہ روایت ذوالقرنین کو قدیم الاسلام ثابت کرتی ہے۔

اسی طرح تعینِ شخصیت میں کوئی اس کو سامیہ اولیٰ میں سے بیان کرتا ہے اور کوئی حمیری بادشاہوں میں سے اور کوئی خضر (علیہ السلام) کو اس کا وزیر کہہ کر خضر کی عمر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے عہد تک دراز ثابت کرتا ہے حالانکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حالات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات غیر مستند اور اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔

غرض ذوالقرنین کے نام اس کے لقب کی وجہ تسمیہ اور تعینِ شخصیت کے متعلق علماء سلف کے یہاں اس قدر مختلف اور مضطرب روایات پائی جاتی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ذوالقرنین کی تاریخی شخصیت کا پتہ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے اور حافظ ابن حجر کے اس ارشاد کے باوجود

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ [2] فتح الباری ج ۶

Marfat.com

فہذہ الاٰثار یشد بعضہ بعضاً و یدل علی قدم عہد ذی القرنین	پس یہ آثار ایک دوسرے کو مضبوط بناتے اور قوت پہونچاتے ہیں اور ذوالقرنین کے قدیم العہد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ اشکال حل نہیں ہوتا کہ جب کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے عہد کے کافر بادشاہ نمرود کے حالات و واقعات قرآن کے علاوہ سیر و تاریخ کی کتابوں کے ذریعہ بھی بہت زیادہ روشنی میں آچکے ہیں اور بائبل بھی اکثر حالات کو روشنی میں لاتی ہے تو اگر ذوالقرنین عہد ابراہیمی کی ایسی عظیم الشان ہستی تھی تو ان چند مختصر اور منتشر آثار کے علاوہ اس کے حالات و واقعات کیوں تاریخی حیثیت سے اس طرح سامنے نہیں آئے جس سے اس کی شخصیت صاف طور پر نمایاں نظر آتی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے وابستہ ایسے جلیل القدر انسان کا ذکر قرآن نے کیوں واقعات ابراہیم (علیہ السلام) کے سلسلہ میں نہیں کیا اور سورۂ کہف میں اس جانب کیوں اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ کیا یہ بات قابل تعجب نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالف کافر بادشاہ کی مخالفت اور حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی کا تو قرآن شد و مد کے ساتھ ذکر کرے مگر مشارق و مغارب ارض پر حکمراں ایسے بادشاہ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہ کیا جائے جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ہاتھ پر ایمان لایا ان کی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کر کے ان کا مؤید ثابت ہوا اس لئے یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ قرآن، مرفوع احادیث، توراۃ اور تاریخ میں عہد ابراہیمی کے اندر یا اس کے قریب کسی ایسے بادشاہ کا ثبوت نہیں ملتا جس کا ذکر سورۂ کہف میں "ذوالقرنین" کہہ کر کیا گیا ہے اور جو اقوال و آثار اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ اس شخصیت کی تاریخی حیثیت ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔

متاخرین کی رائے علماء متاخرین میں سے بعض علماء نے تو اسی غلط بات کو اختیار کر لیا کہ سکندر (مقدونی) ہی قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہے اور بعض علماء نے فقط علماء سلف کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس کے خطاء و صواب پر کوئی توجہ نہیں فرمائی اور بعض نے بغیر کسی دلیل کے یمن کے حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو زیر بحث ذوالقرنین قرار دیا۔

Marfat.com

مگر ان سب اقوال سے جدا مولانا ابوالکلام نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے البتہ وہ ضرور قابل توجہ ہے بلکہ دلائل و براہین کی قوت کے لحاظ سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی تحقیق بلاشبہ صحیح اور قرآن کے بیان کردہ اوصاف اور تاریخی حقائق کی مطابقت کے پیشِ نظر ہر طرح لائقِ ترجیح ہے۔

تفسیری مطالب کے سلسلہ میں ہم کو موصوف کے ساتھ شدید اختلاف بھی رہتا ہے اور اتفاق بھی لیکن اس خاص مسئلہ میں چونکہ ان کی رائے علماء سلف سے بالکل مختلف تھی اس لئے کڑی تنقیدی نظر کی محتاج تھی چنانچہ کافی غور و خوض اور گہری نظر کے بعد اس کی صحت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور جب کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ علماء سلف کی جلالتِ قدر اور علمی عظمت و برتری کے باوجود علمی تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں علماء متاخرین نے علماء متقدمین سے سینکڑوں مسائلِ علمی میں اختلافِ رائے کا اظہار کیا ہے خصوصاً تاریخی مباحث میں اور جدید ذرائع معلومات نے ایسے انکشافات کئے ہیں جن کے ذریعہ ہم بہت سے ایسے مسائل کو بآسانی حل کر لیتے ہیں جو علماء سلف کے زمانہ میں لاینحل رہے ہیں تو ہم کو مولانا آزاد کی اس تحقیق کا "خواہ تاریخی حقایق کے لحاظ سے وہ کتنی ہی وقیع کیوں نہ ہو" محض اس لئے انکار نہیں کر دینا چاہیئے کہ وہ ان کی اپنی تحقیق ہے۔

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ قابل مراجعت ہے اور اس طویل مضمون کا یہاں نقل کرنا قطعاً غیر مناسب ہے البتہ ہم اپنی کاوش و تحقیق سے جس حد تک اس کے ساتھ مطابقت کر سکتے ہیں اس ہی کو سپردِ قلم کرنا موزوں خیال کرتے ہیں[1]

ایک مرتبہ پھر اس روایت پر غور فرمائیے جو محمد بن اسحاق اور شیخ جلال الدین سیوطی نے نقل فرمائی ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین	یہود و قریش اور انتخاب سوالات

---

[1] اس مسئلہ کی پوری تحقیق میں ہم کو مولانا آزاد کے اس حصۂ بیان سے سخت اختلاف ہے جو انھوں نے علماء سلف کے خلاف یاجوج و ماجوج کے آخری خروج کے متعلق تحریر فرمایا ہے اس لئے کہ یہ حصۂ تحقیق بلاشبہ باطل ہے۔ یہ بحث عنقریب ذکر میں آئے گی۔

Marfat.com

کے متعلق مشرکینِ مکہ نے جو سوالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے وہ دراصل یہود مدینہ کی تلقین پر کئے گئے تو اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہود کو ان واقعات سے ایسی کیا دلچسپی تھی کہ جس کی بنیاد پر انھوں نے ان کا انتخاب کیا اور ان کے صحیح جوابات کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت کا معیار ٹھہرایا۔ اصحاب کہف سے متعلق تو تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بحث آچکی ہے لیکن ذوالقرنین کے بارے میں کیوں سوال کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہود نے اس سوال میں درحقیقت ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو ان کی مذہبی زندگی کے سلسلہ میں بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور جس کو وہ اپنی ملی و اجتماعی حیات میں کسی وقت بھی فراموش نہیں کر سکتے کیونکہ اس شخصیت کی بدولت بنی اسرائیل نے بابل کی غلامی سے نجات پائی اور ان کے قومی مرکز قبلۂ صلوٰۃ اور مقدس مقام یروشلم (بیت المقدس) ہر قسم کی تباہی اور بربادی کے بعد اسی کے ہاتھوں دوبارہ آباد ہوا چنانچہ ان اہم امور کی بنا پر یہود کے نزدیک وہ "نجات دہندہ" خدا کا مسیح اور خدا کا چرواہا کہلایا کیونکہ ان کے نبیوں کے مقدس صحیفوں میں اس کے متعلق یہی القاب درج تھے اور اس کی عظمت کا اظہار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے سوالات میں اس شخصیت کے مسئلہ کو بھی منتخب کیا بلکہ اسی کو زیادہ اہمیت دی جیسا کہ قرآن کے اسلوبِ بیان يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ سے واضح ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اس کے تمام سچے پیغمبروں کے دین کو اور اپنے دین کو ایک ہی دین سمجھتے ہیں خصوصاً انبیاء بنی اسرائیل کی عظمت و عزت اور ان کی صداقت و حقانیت کا اظہار فرماتے ہیں پس اگر وہ حقیقۃً خدا کے سچے پیغمبر ہیں تو "امی" ہونے کے باوجود ضرور وحی الٰہی کے ذریعہ اس شخص کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں گے جس کی وجہ سے مہبطِ انبیاء بنی اسرائیل (یروشلم) اور انبیاء بنی اسرائیل اور قوم بنی اسرائیل کو ایک بت پرست بادشاہ کی غلامی اور تباہ کاریوں سے نجات ملی اور جو خدا کے کلمہ کو بلند کرنے میں انبیاء بنی اسرائیل کا معاون و مددگار ثابت ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے ۔۔۔ ق م میں عراق میں دو عظیم الشان حکومتیں اپنی قاہرانہ

Marfat.com

وجابرانہ تسلط کے ساتھ قائم تھیں ایک آشوری حکومت اور اس کا دارالحکومت نینوی تھا اور دوسری بابلی حکومت اور اس کا دارالحکومت بابل تھا لیکن ۶۱۲ء ق م میں نینوی کی حکومت کو زوال آگیا اور اب بابلی حکومت بلا شرکت غیرے دونوں حکومتوں کے مقبوضات کی مالک اور وقت کی بہت بڑی طاقت بن گئی۔ یہی زمانہ تھا جب کہ بابل کے تخت پر بخت نصر (نبوکدنذر[۱]) سریرآرائے سلطنت ہوا، یہ بادشاہ ذاتی طور پر بھی بہت بہادر اور صاحب تدبیر تھا مگر ساتھ ہی سخت جابر و ظالم بھی تھا۔ کتب تاریخ میں مشہور ہے کہ یہ صرف ملکوں کو فتح ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بنا کر بھیڑوں کی طرح بابل کو لے جاتا اور بڑے بڑے متمدن اور بے نظیر شہروں کو برباد کرکے کھنڈر چھوڑ جاتا تھا۔

ادھر ایک عرصہ سے بنی اسرائیل کی روحانی، اخلاقی اور اجتماعی زندگی کو گہن لگ چکا تھا اور بداعمالیوں اور بدکرداریوں نے اس درجہ ان کو ذلیل و خوار کر دیا تھا کہ جو انبیاء (علیہم السلام) ان کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے اور ان کی بدکرداریوں پر ان کو وعظ و نصیحت اور تنبیہ کرتے تو یہ ان کو قتل کر دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ بخت نصر خدا کا عذاب بن کر ان پر چڑھ آیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بکریوں کے گلہ کی طرح ہنکا لے گیا اور بیت المقدس جیسے خوب صورت اور مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، یہ حادثہ بنی اسرائیل کے لئے ایسا ہوش ربا تھا کہ اس نے ان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو تباہ و برباد کر ڈالا اور وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں بابل کے اندر غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔[۲]

بنی اسرائیل پر گذرے ہوئے ان واقعات کی خبر اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے حضرت یسعیاہ (شعیا) اور حضرت یرمیاہ (علیہما السلام) نے وحی والہام کے ذریعہ پیش آنے سے قبل ہی سنادی تھی مگر اس زمانہ میں وہ اپنی نافرمانیوں میں اس درجہ سرشار و سرمست تھے کہ انھوں نے ان پیشین گوئیوں کی مطلق پرواہ نہیں کی، اب جب کہ یہ ہولناک واقعات سر پر سے گذرنے لگے تو ان کی آنکھیں کھلیں مگر ایسے وقت کھلیں کہ رنج و

---

[۱] اس نام کا املا دو طرح منقول ہے (نبوکدنزار) (نبوکدنازر)

[۲] واقعہ کی تفصیلات بیت المقدس کے عنوان میں زیر بحث آچکی ہے۔

Marfat.com

افسوس اور حزن و ملال سب بیکار تھا اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ وہ اس عذاب سے نجات پاسکیں۔

لیکن ان تمام مایوسیوں کی سخت اور ہولناک تاریکی میں ان کے لیے اگر کوئی شعاعِ امید باقی تھی تو وہ ان ہی انبیا علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کا وہ حصہ تھا جس میں حضرت یسعیاہ نبی نے تقریباً ایک سو ساٹھ سال قبل اور حضرت یرمیاہ نبی نے ساٹھ سال قبل یہ بشارت بھی دی تھی کہ بیت المقدس کی تباہی سے ستر سال کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ اپنے وطن میں آزاد ہو کر واپس آجائیں گے اور خدا کا ایک مسیح دمبارک۔ خدا کا چرواہا (نگہبان) کہ جس کا نام خورس ہوگا وہ بنی اسرائیل کی نجات اور یروشلم کی دوبارہ آبادی کا باعث بنے گا اور اس کے ہاتھوں یہود کی اجتماعی زندگی کا نیا دور شروع ہوگا۔

بخت نصر جب بیت المقدس کے تمام اسرائیلیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا تو ان میں بعض انبیا بنی اسرائیل بھی تھے جو بابل جا کر اپنے حکیمانہ اقوال اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے اس درجہ ہر دلعزیز بنے کہ دشمن بھی ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوا چنانچہ حضرت دانیال (علیہ السلام) بابلی حکومت کے آخری دور میں مشیرِ خاص تھے۔

اب جب کہ وہ وقت قریب آیا کہ بنی اسرائیل غلامی سے نجات پائیں تو ان ہی برگزیدہ نبی (دانیال علیہ السلام) کو الہام و مکاشفہ کے ذریعہ اس نجات دہندہ کو ایک تمثیل کی شکل میں دکھایا گیا اور ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام (ناموس اکبر) نے دانیال نبی کو اس کی تعبیر بھی بتائی جو اسی خورس کے حق میں تھی جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آچکا تھا۔

ذوالقرنین اور انبیا بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں

یہود کے نجات دہندہ، خدا کے مسیح اور اس کے چرواہے کے متعلق وہ پیشین گوئیاں کیا ہیں جن کو دیکھ کر یہود بابل کی سرزمین میں انتہائی اسیری کے باوجود اس وقت کے لیے چشم براہ تھے؟ پہلے ان کو نقل کر دیا جائے تاکہ زیرِ بحث مسئلہ کے لیے تحقیق کی جانب قدم اٹھایا جاسکے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں حضرت یسعیاہ (علیہ السلام) کی پیشین گوئی سامنے آتی ہے جو یہودیوں کے یوم نجات سے ایک سو ساٹھ سال قبل سنائی گئی تھی۔

"اے اسرائیل تجھ کو مجھے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تیری خطاؤں کو بادل کی مانند

Marfat.com

اور تیرے گناہوں کو گھٹا کی مانند مٹا ڈالا میری طرف پھر آ کہ میں نے تیرا فدیہ دیا ہے اے آسمانو گاؤ کہ خداوند نے یہ کیا .... خداوند تیرا نجات دینے والا جس نے تجھے رحم میں بنا ڈالا یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند سب کا بنانے والا ہوں میں نے ہی اکیلا آسمانوں کو تانا اور آپ ہی زمین کو فرش کیا ہے۔ دروغ گوؤں کے نشانوں کو باطل ٹھہراتا اور فال گیروں کو دیوانہ بناتا ہوں اور حکمت والوں کو رد کر دیتا اور ان کی حکمت کو حماقت ٹھہراتا ہوں جو اپنے بندہ کے کلام کو ثابت کرتا اور اپنے رسولوں کی مصلحت کو پورا کرتا ہوں جو یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ آباد کی جائے گی اور یہوداہ کے شہروں کی بابت کہ وہ بنائے جائیں گے اور میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا جو سمندر کو کہتا ہوں کہ سوکھ جا اور میں تیری ندیاں سکھا ڈالوں گا جو خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ بنائی جائے گی اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔

خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے قابو میں کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دوہرائے ہوئے دروازے اس کے لئے کھول دوں اور وہ دروازے بند نہ کئے جائیں گے۔ میں تیرے آگے چلوں گا اور ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کے جدا جدا ٹکڑے کر دوں گا اور لوہے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا اور میں گاڑے ہوئے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے گنج تجھے دوں گا تاکہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے تیرا نام لے کے بلایا ہے میں نے اپنے بندہ یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لئے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا۔ میں نے تجھے مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھ کو نہیں جانتا [۱]

اور دوسری پیشین گوئی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کی ہے جو بشارت کے وقوع سے تقریباً

[۱] یسعیاہ نبی کا صحیفہ باب ۴۵ آیات ۴-۱

ساٹھ سال پہلے کی گئی تھی۔

وہ کلام جو خداوند نے بابل کی بابت اور کسدیوں کی سرزمین کی بابت یرمیاہ نبی کی معرفت فرمایا تم قوموں کے درمیان بیان کرو اور اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو، منادی کرو۔ مت چھپاؤ کہو کہ بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا۔ اس کے بت خجل ہوئے اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیونکہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہے جو اس کی سرزمین کو اجاڑ کرے گی یہاں تک کہ کوئی اس میں نہ رہے گا وہ بھاگے ہیں وہ روانہ ہوئے کیا انسان کیا حیوان ان دنوں میں اور اسی وقت خدا کہتا ہے بنی اسرائیل آئیں گے وہ اور بنی یہوداہ ایک ساتھ وہ روتے ہوئے چلے جائیں گے اور خداوند اپنے خدا کو ڈھونڈیں گے وہ اس طرف متوجہ ہو کے صیہون کی راہ پوچھیں گے کہ آؤ ہم آپ ہی خداوند سے مل کے اس کے ساتھ ایک ابدی عہد کریں جو کبھی فراموش نہ ہو[۱] . . . .

بابل میں سے بھاگو اور کسدیوں (بابلیوں) کی سرزمین سے نکلو اور ان بکریوں کے مانند ہو جو گلوں کے آگے آگے جاتی ہیں کہ دیکھو میں، اتر (شمال) کی سرزمین سے بڑی قوموں کے ایک گروہ کو برپا کروں گا اور بابل پر لے آؤں گا[۲]

"قوموں کو مادیوں (میڈیا) کے بادشاہوں کو اور اس کے عالموں کو اور اس کے حاکموں کو اور اس کی سلطنت کی ساری سرزمین کو مخصوص کرو کہ اس پر چڑھیں"[۳]

"رب الافواج یوں کہتا ہے کہ بابل کے بھاری شہر کی دیواریں سراسر ڈھا دی جائیں گی اور اس کے بلند پھاٹک آگ سے جلا دئیے جائیں گے"[۴]

اور دانیال (علیہ السلام) کا خواب یا مکاشفہ یہ تھا۔

"بیل شازار (بخت نصر کا جانشین) بادشاہ کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھ دانی ایل کو ایک رویا نظر آئی بعد اس کے جو شروع میں مجھے نظر آئی تھی اور میں نے عالم رویت میں

---

۱ باب ۵۰ آیات ۶-۱ ۲ باب ۵۰ آیات ۹-۸ ۳ باب ۵۱ آیات ۵۰ ۴ باب ۵۱ آیت ۲۸

Marfat.com

دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن کے قصر میں تھا جو صوبہ عیلام میں ہے پھر میں نے رویت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولائی کی ندی کے کنارہ پر ہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور وہ دو سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے اٹھا ہوا میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دکھن کی طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا نہ کوئی اس کے ہاتھ سے چھڑا سکا پھر وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا کہ ایک بکرا پچھم کی سمت سے آکر تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوا اور اس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچوں بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس دو سینگ والے مینڈھے کے پاس جسے میں نے ندی کے سامنے کھڑا دیکھا آیا اور اپنے زور کے قہر سے اس پر دوڑ گیا اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ مینڈھے کے قریب پہونچا اور اس کا غضب اس پر بھڑکا اور مینڈھے کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا سامنا کرے [۱]

اور دانیال (علیہ السلام) کے مکاشفہ اور رویا کی تعبیر یہ ہے۔

"اور ایسا ہوا کہ جب مجھ دانی ایل نے یہ رویت دیکھی تھی اور اس کی تعبیر کی تلاش کرتا تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا تھا جس کی صورت آدمی کی سی تھی اور میں نے ایک آدمی کی آواز سنی کہ اولائی کے درمیان پکار کے کہا کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس رویت کے معنی سمجھا چنانچہ وہ ادہر جہاں میں کھڑا تھا نزدیک آیا اور جب پہونچا تو میں ڈر گیا اور اوندھے منہ گرا۔ پھر اس نے مجھے کہا اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ رویت آخری زمانہ میں انجام ہو گی ....

اور کہا کہ دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے آخر میں کیا ہو گا کیونکہ مقررہ وقت پر ہی کام کا انجام ہو گا وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو مادہ (میڈیا) اور فارس کا بادشاہ [۲]

---

[۱] دانی ایل باب ۸ آیات ۱-۷ [۲] دانی ایل باب ۸ آیات ۱۵-۲۰

Marfat.com

اور وہ بالوں والا بکرا یونان کا بادشاہ اور وہ بڑا سینگ جو اس کی آنکھوں کے درمیان ہے سو
اس کا پہلا بادشاہ ہے ۵۱

اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے۔

کیونکہ خداوند یہ کہتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گذر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا اور
تمہیں اس مکان میں پھر لانے سے اپنی اچھی بات تم پر قائم کروں گا۔
خداوند کہتا ہے اور میں تمہاری اسیری کو موقوف کراؤں گا اور تمہیں ساری قوموں میں سے اور
سب جگہوں میں سے جن میں میں نے تم کو ہانک دیا ہے جمع کروں گا۔ خداوند کہتا ہے اور میں
تمہیں اس مکان میں جہاں سے میں نے تمہیں اسیر کرا کے بھیجا پھر لے آؤں گا" ۵۲

اور عزرا کی کتاب میں ہے۔

اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے
نکلا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہِ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی
کرائی اور اسے قلمبند بھی کر کے یوں فرمایا شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان
کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا ہے کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں
ہے اس کے لئے ایک مسکن بناؤں پس اس کی ساری قوم میں سے تمہارے درمیان کون کون
ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو کہ شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے
خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے ۵۳
اور خورس بادشاہ ہی خداوند کے گھر کے ان برتنوں کو جنھیں بنوکد نذر روشلم میں سے لے گیا اور اپنے
دیوتاؤں کے گھر میں رکھا تھا نکال لایا اور شاہ فارس خورس نے انھیں خزانچی متردات کے ہاتھ
سے نکلوایا اور اس نے انھیں یہوداہ کے امیر تیسبضر کو گن دیا ۵۴

---

۵۱ دانی ایل باب ۸ آیات ۲۱-۱۵ ۵۲ یرمیاہ باب ۲۹ آیات ۱۴-۱۰ ۵۳ عزرا کی کتاب باب ۱ آیات ۴-۱
۵۴ ایضاً باب ۱ آیات ۸-۷

Marfat.com

اور زکریا نبی کی کتاب میں ہے۔

رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھ وہ شخص جس کا نام "شاخ" ہے اور وہ اپنی جگہ سے اگے گا اور وہ خداوند کی ہیکل کو بنائے گا ہاں وہی خداوند کی ہیکل کو بنائے گا اور وہ صاحب شوکت ہوگا[1]

ان واضح اور صاف پیشین گوئیوں کی اگر تحلیل کی جائے تو ان سے حسب ذیل اہم امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جس ہستی نے بنی اسرائیل کو بابل کی غلامی سے نجات دی اس کا نام خورس تھا اور وہ فارس اور میڈیا دو ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا۔

(۲) دانیال نبی کے مکاشفہ اور جبریل علیہ السلام کی تعبیر نے ان دو حکومتوں کے اتحاد کی بنا پر ہی خورس کو دو سینگوں والا (ذوالقرنین) بادشاہ کہا اور اسی تخیل کی بنا پر بنی اسرائیل میں اس کا لقب ذوالقرنین مشہور ہوا۔

(۳) انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس بادشاہ کو خدا کا مسیح بنی اسرائیل کا نجات دہندہ اور خدا کا چرواہا کہا گیا ہے۔

(۴) یہودیوں میں قومی عصبیت اور نسلی تعصب کے شدید سے شدید تر ہونے کے باوجود ان ہی واقعات کی بنیاد پر وہ غیر اسرائیلی شخص کو ایسے اوصاف سے یاد کرتے ہیں جو صرف اپنے انبیاء کے حق میں ہی کہنے کے عادی ہیں۔

(۵) واقعاتِ تاریخی نے یہ ثابت کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کے مطابق خورس ہی نے یہودیوں کو بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا۔

(۶) یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں اس کو اتر سے آنا بتایا گیا ہے خورس بابل سے اتر (شمال) ہی کی جانب (فارس و میڈیا) سے آیا تھا اس لئے وہی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے۔

(۷) زکریا نبی کی پیشین گوئی میں اس کو اگنے والی "شاخ" بتایا گیا ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ اسکی نمود اور اس کا ظہور غیر معمولی صورت حالات میں ہوگا جیسا کہ عموماً ایسی شخصیتوں کے متعلق خدائے تعالیٰ کی

---

[1] زکریا نبی کی کتاب باب ۶ آیت ۱۲

جانب سے ہوتا رہا ہے کہ جن سے اس کو کوئی خاص کام لینا ہوتا ہے۔

خورس اور تاریخی شواہد

ان اجزاء پر بحث کرنے سے قبل چند تاریخی شواہد بھی پیش نظر رکھنے ضروری ہیں جن کا اس معاملہ سے خاص تعلق ہے۔

محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے ایک حملۂ اسکندر سے پہلے کا عہد، دوسرا طوائف الملوکی کا عہد اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس (سائرس) کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اور اس عہد کے حالات فارس کے رقیب یونان کے مورخین کے ذریعہ سے ہی روشنی میں آسکے ہیں جن میں سے بعض سائرس کے معاصر بھی ہیں اس بادشاہ کو یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔

عرب مورخین کے یہاں بھی حکومت فارس کے یہ تین عہد جدا جدا نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ان تینوں عہدوں کے متعلق جو اشارات کئے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ وہ طوائف الملوکی سے قبل کے حالات میں کسریٰ فارس کے درباری عظمت و شوکت کا جس طرح ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ دور حکومت فارس کے عروج و عظمت کا دور تھا وہ فرماتے ہیں کہ طوائف الملوک کا وسطی عہد فارس کے لئے بہت خراب اور زوال کا عہد تھا۔ لیکن اردشیر بن بابک ساسانی نے اس کو ختم کر کے فارس کو اسی عروج پہ دوبارہ پہنچا دیا جس عروج پر پہلے عہد (عہد خورس) میں تھا۔

فاستمر الامر كذلك قريبًا من خمسمائة سنة حتى كان اردشير بن بابك من بني ساسان فاعاد ملكهم الى ما كان عليه وجمعت الممالك برمتها اليه ۵؎

دور ملوک الطوائف کا یہ عہد تقریبًا پانچ سو سال تک رہا تا آنکہ اردشیر بن بابک ساسانی نے ظہور کیا تب اس نے کھوئے ہوئے ملکوں کو واپس لیا اور پہلے عہد کی حالت پیدا کر دی اور تمام تقسیم شدہ حصۂ ملک پھر ایک مستقل حکومت کا جز ہو گئے۔

۵؎ تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۴-۱۸۳

Marfat.com

اسی طرح ابن عبدالبر نے القصد والامم میں ان ہر سہ عہدوں کا ذکر کرتے ہوئے افریدوں اور منوچہر کے تذکرہ میں یہ فرمایا ہے۔

وھذہ الطبقۃ الاولی الی ان غلب الاسکندر دارا درتب ملوك الطوائف ثم ملکت الاکاسرۃ اولھم اردشیر بن بابك[1]	فارس کے بادشاہوں کا یہ پہلا طبقہ ہے جو دارا پر سکندر کے حملہ تک شمار ہوتا ہے درمیان میں لوک الطوائف کا دور رہا اور اس کے بعد شاہان کسریٰ کا زمانہ ہے جو اردشیر سے شروع ہوتا ہے۔

۶۲۲ ق م میں بابل و نینوی کی حکومتیں بہت عروج و اقبال پر تھیں اور خورس سے قبل اسی دور میں ایران کی حکومت دو جدا جدا حصوں پر تقسیم تھی۔ شمال مغربی حصہ کو میڈیا (ماہات) کہتے تھے اور مغربی حصہ کو فارس اور دونوں حصوں میں قبائلی سردار حکومت کرتے تھے اور یہ قبائلی حکومتیں ان کے زیر اثر اور تابع تھیں لیکن ۶۱۲ ق م جب نینوی کی آشوری حکومت تباہ ہوگئی تو اگرچہ میڈیا آزاد ہوگیا اور قبائلی حکومت کی جگہ آہستہ آہستہ شاہی حکمرانی کی داغ بیل پڑنے لگی تھی تاہم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے قاہرانہ اقتدار کے سامنے ایران کے ابھرنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا مگر ان ہی حالات کے اندر ۵۵۹ ق م میں قدرت نے ایکے می نیز یا ہخامنش خاندان کی ایک غیر معمولی ہستی کو نمایاں کیا کہ جو ابتداء میں اگرچہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان کا رئیس تھا مگر ۵۵۹ ق م جبرت زاطور پر اس کے عدل و انصاف، سیاست و تدبر، خدا رسی و حلم نے فارس اور ماہات دونوں حکومتوں کو بغیر جنگ وجدل کے اس کے قبضہ میں دیدیا اور دونوں حکومتوں کے قبائلی حکمرانوں نے برضاء و رغبت اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا یہی وہ ہستی ہے جس کو اہل فارس گورش یا کے ارش اور یہود خورس کہتے ہیں۔

مغربی مہم خورس نے جب فارس اور میڈیا کی حکومتوں کو متحد کر کے فرماں روائی کا اعلان کیا تو اس سے قریب ہی زمانہ میں اس کو ایک "مغربی مہم" پیش آئی اور اس وجہ سے پیش آئی کہ خورس سے بہت پہلے میڈیا اور ایران کے مغرب میں واقع حکومت لیڈیا یا "ایشیا کوچک" کے درمیان رقیبانہ جنگ رہتی

[1] ص ۳۱

Marfat.com

تھی۔ مگر خورس کے معاصر لیڈیا کے بادشاہ کرڈیس کے باپ نے خورس (گورش) کے نانا استیاگس کے باپ سے صلح کرلی تھی اور باہم ازدواجی رشتہ قائم کرکے مستقل طور سے جنگ کا خاتمہ کردیا تھا لیکن اب جب کہ خورس نے فارس اور میڈیا دونوں کو متحد کرکے ایک مضبوط سلطنت قائم کرلی تو ایشیا کوچک کا بادشاہ کرڈیس اس کو برداشت نہ کرسکا اور اس نے باپ کے کئے ہوئے تمام عہد و پیمان کو توڑکر میڈیا پر حملہ کردیا تب گورش بھی مجبوراً اپنے دارالحکومت ہمدان سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور دو ہی جنگوں کے بعد تمام ایشیا کوچک پر قبضہ کرلیا چنانچہ مشہور یونانی مورخ ہیرودٹس کہتا ہے کہ گورش کی یہ مہم ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ سے صرف چودہ دن کے اندر اس نے لیڈیا کے مستحکم اور مضبوط دارالحکومت کو مسخر کرلیا اور کرڈیس قید ہوکر مجرم کی حیثیت میں اس کے سامنے کھڑا نظر آیا۔ اب اگرچہ بحراسود تک تمام ایشیا کوچک اس کے زیرنگیں تھا مگر پھر بھی وہ آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل پر جا پہنچا یعنی دارالحکومت سے چودہ سو میل فاصلہ طے کرکے مغربی جانب جا کھڑا ہوا۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں کہ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور ایشیاء کوچک کے مغربی ساحل کی حالت یہ ہے کہ یہاں سمرنا کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے نکل آنے کی وجہ سے تمام ساحل جھیل کی طرح بن گیا ہے اور بحرایجین کے اس ساحل کا پانی خلیج کی وجہ سے بہت گدلا رہتا ہے اور شام کے وقت سورج غروب ہوتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ خورس نے اگرچہ "ایشیاء کوچک" کو مردانہ وار فتح کرلیا لیکن وقت کے دوسرے بادشاہوں کی طرح اس نے ممالک مفتوحہ پر ظلم روا نہیں رکھا اور نہ ان کو وطن سے بے وطن کیا حتیٰ کہ سارڈیس کی بیباک کو یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں کوئی انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ انقلاب ہوا مگر فقط شخصیت کا یعنی ان کو کرڈیس کی جگہ خورس جیسا عادل بادشاہ مل گیا۔ چنانچہ ہیرودٹس لکھتا ہے۔

Marfat.com

سائرس (خورس) نے اپنی فوج کو حکم دیدیا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے
اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے اور کرڈیسس اگر
تلوار بھی چلائے تب بھی اس کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے ۵۱

نیز حکومت کے متعلق اس کا عقیدہ وہی تھا جو ایک صالح اور نیک بادشاہ کا ہونا چاہیئے چنانچہ یونانی مورخ
کی سیاز لکھتا ہے۔

"اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے
ہے کہ رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فائدہ پہنچے" ۵۲

مشرقی مہم | یہی مورخ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ گورش نے ابھی بابل کو فتح نہیں کیا تھا کہ اس کو
ایران کے مشرق میں ایک اہم معرکہ آرائی پیش آئی کیونکہ مشرق بعید کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل نے
سرکشی اور بغاوت کی تھی اور یہ باختر (بکیٹریا) کے قبائل تھے اور بعض تاریخی حوالجات سے یہ تصریح بھی ملتی
ہے کہ جس مقام کو آج کل مکران کہتے ہیں اس جگہ کے خانہ بدوش قبائل نے یہ سرکشی کی تھی یہ مقام بلاشبہ
ایران کے لئے مشرق بعید کا حکم رکھتا ہے اس لئے کہ اس کے بعد پہاڑ ہیں جنھوں نے آگے بڑھنے کے
لئے راہ روک دی ہے۔

تیسری (شمالی) مہم | بابل کی فتح کے علاوہ تاریخ گورش کی ایک اور مہم کا ذکر کرتی ہے اور یہ ایران سے شمال
کی جانب پیش آئی" اس مہم میں وہ بحر کاسپین (خزر) کو داہنی جانب چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ
تک پہونچا ہے ان ہی پہاڑوں میں اس کو ایک درہ ملا ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان پھاٹک کی طرح
نظر آتا ہے۔ اس مقام پر جب وہ پہونچا ہے تو ایک قوم نے اس سے یاجوج و ماجوج قبائل کے تاراج
کی شکایت کی ہے کہ وہ اس درہ میں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور تاخت و تاراج کر کے ہم کو برباد و
تباہ کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس نے لوہا اور تانبا استعمال کر کے اس پھاٹک کو بند کر دیا اور دیات کی ایک

---

۵۱ و ۵۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سائرس"

Marfat.com

سد قائم کردی جس کے آثار و نشان اس وقت بھی موجود ہیں چنانچہ ہیروڈوٹس اور زینوفن دونوں یونانی مورخ تصریح کرتے ہیں کہ گورش نے فتح لیڈیا کے بعد سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کے لئے خاص انتظامات کئے۔

اور یہ حقیقت عن قریب واضح ہو جائے گی کہ گورش کے زمانہ میں یاجوج و ماجوج قبائل میں سے یہی سیتھین تھے جو حملہ آور ہو کر قریب کی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔

فتح بابل اب جب کہ گورش یا خورس کی فتوحات اس درجہ وسیع ہو چکی تھیں کہ ایران کے مغرب اقصیٰ میں وہ بحر شمال سے لے کر بحیرۂ اسود (بحر الحبین) کے آخری ساحل تک قابض تھا اور مشرق اقصیٰ میں مکران کے پہاڑوں تک بلکہ دارا کے رقبۂ حکومت کی تفاصیل کو مستند مان لیا جائے تو دریا سندھ تک فتح کر چکا تھا اور شمال میں کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ تک حکمراں تھا تو اس کو عراق کی مشہور اور متمدن مگر قاہر و جابر حکومت بابل کی جانب متوجہ ہونا پڑا چنانچہ اس کی تفصیل بھی تاریخ ہی کی زبانی سنئے۔

خورس سے تقریباً پچاس برس پہلے بابل کی حکومت پر بنوکدنذر (بخت نصر) نظر آتا ہے اور اس زمانہ کے صنمی عقائد کے مطابق وہ نہ صرف بادشاہ تھا بلکہ بابلی اصنام میں سے سب سے بڑے صنم کا مظہر اور دیوتا بھی سمجھا جاتا تھا اور اس لئے اس کا حق تھا کہ وہ جس حکومت کو چاہے اپنے قہر و غضب کا شکار بنا کر اس کے باشندوں کو ہولناک اور سخت عذاب میں مبتلا کرے ان کو ہلاک کرے یا غلام بنا کر ان پر وحشیانہ مظالم کو روا رکھے۔ اس لئے اس بادشاہ کے مظالم بے پناہ اور اس کے تسخیر ممالک کا طریقہ سخت وحشیانہ تھا جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے اس نے اپنے دور حکومت میں یروشلم (بیت المقدس) پر تین مرتبہ حملے کئے اور فلسطین تباہ و برباد کر کے تمام باشندوں کو مویشیوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا ایک یہودی مورخ جوزیفس کہتا ہے "کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا جس طرح بنوکدنذر بنی اسرائیل کو بابل میں ہنکا کر لے گیا"[۲]

---

[۱] دائرۃ المعارف بستانی ج ۴ (ایران) [۲] دائرۃ المعارف للبستانی (بابل)

Marfat.com

بابل کی حکومت آشوری حکومت کی تباہی کے بعد اور بھی زیادہ مضبوط اور قاہر سلطنت ہو گئی تھی اور اس زمانہ میں قرب و جوار کی طاقتوں میں کسی کو بھی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ اس جابر حکومت کے قہر و ظلم کا استیصال کر سکیں لیکن فتح بیت المقدس کے کچھ عرصہ بعد بخت نصر مر گیا اور اس کا جانشین نابونی دس مقرر ہوا مگر اس نے حکومت کا تمام بار شاہی خاندان کے ایک شخص بیل شنازار پر ڈال دیا یہ شخص اگرچہ بہت عیاش اور ظالم تھا مگر بخت نصر کی طرح بہادر اور جری نہیں تھا اس کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قیدیوں میں سے حضرت دانیال (علیہ السلام) نے اپنی حکیمانہ فراست سے بابلی دربار کو اس درجہ مسخر کر لیا تھا کہ وہ حکومت کے مشیر خاص سمجھے جاتے تھے۔ حضرت دانیال نے بیل شنازار کو بار بار اس کے مظالم اور عیاشانہ زندگی کے خلاف تہدید و تنبیہ کی مگر اس نے کچھ شنوائی نہیں کی حتی کہ انھوں نے حکومت کے معاملات سے کنارہ کشی کر لی۔

توراۃ کے بیان کے مطابق اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بیل شنازار نے اپنی ملکہ کے اکسانے پر ایک شب یہ حکم دیا کہ یروشلم سے جو ہیکل کے مقدس ظروف نبوکدزار لوٹ کر لایا تھا وہ لائے جائیں اور ان میں شراب پلائی جائے یہ جشن ہو ہی رہا تھا کہ کسی غیبی ہاتھ نے بادشاہ کے سامنے دیوار پر ایک نوشتہ لکھ دیا۔ توراۃ میں ہے۔

> اسی گھڑی میں کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں ظاہر ہوئیں اور انھوں نے شمعدان کے مقابل بادشاہی محل کی دیوار کے گچ پر لکھا اور بادشاہ نے ہاتھ کا وہ سرا جو لکھتا تھا دیکھا تب بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوا اور اس کے اندیشوں نے اسے گھبرا دیا ۔۔۔۔۔۔۔ اور نوشتہ جو لکھا گیا سو یہ ہے "منے منے تقیل اوفرسین"[۱]

تب شاہ نے گھبرا کر نجومیوں اور فال گیروں کو بلایا مگر کوئی اس کا مطلب نہ بتا سکا آخر ملکہ کے مشورہ سے دانیال (علیہ السلام) کو بلایا انھوں نے اول اس کے مظالم اور اس کی عیاشی کے خلاف پند و نصیحت فرمائی پھر بتایا کہ تو نے چونکہ بیت المقدس کے ظروف کی توہین کر کے اس ظلم کی تکمیل کر دی اس لئے نوشتہ کا مطلب

---

[۱] دانیال کا صحیفہ باب ۵ آیات ۲۵ - ۵

Marfat.com

یہ ہے کہ خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا تیری مملکت پارہ پارہ ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دیدی گئی" ؎۱

ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ اہل بابل عرصہ سے بیل شازار کے مظالم سے چھٹکارا پانے کی تجویزیں سوچ رہے تھے کہ ان کے بعض سرداروں نے یہ مشورہ کیا کہ قریب کی زبردست طاقت ایران سے مدد حاصل کی جائے اور اس کے عادل فرماں روا سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ ہم کو بیل شازار کے مظالم سے نجات دلائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ اہل بابل ہر طرح اس کی مدد کرنے کو آمادہ ہیں چنانچہ ۵۴۰ ق م بابلی سرداروں کا ایک وفد خورس کے پاس اس وقت پہنچا جب کہ وہ اپنی مشرقی مہم میں مصروف تھا۔ خورس نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو اطمینان دلایا کہ وہ اپنی اس مہم سے فارغ ہو کر ضرور بابل پر حملہ کرے گا اور ان کو بیل شازار جیسے ظالم و عیاش بادشاہ سے نجات دلائیگا۔

خورس جب اپنی مہم سے فارغ ہو گیا تو حسب وعدہ اس نے بابل پر حملہ کر دیا۔

تمام مورخین باتفاق رائے کہتے ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ ناقابل تسخیر کوئی مقام نہیں تھا اس لئے کہ اس کی شہر پناہ اس درجہ نہ موٹی اور مستحکم تھی کہ کوئی فاتح اس کی تسخیر کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن خورس کی عدل گستری اور رحم کے حالات دیکھ کر بابل کی رعایا خود اس درجہ اسکی گرویدہ تھی کہ حکومت بابل کا ایک گورنر گوب ریاس خود اس کے ہمراہ تھا اور بقول ہیروڈوٹس اس ہی نے دریا میں نہر کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری جانب کر دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی اور خورس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی شہر فتح ہو گیا اور بیل شازار مارا گیا ؎۱۔

خورس کا مذہب خورس کے مذہب کے متعلق توراۃ اور تاریخ دونوں متفق ہیں کہ جس طرح اس نے ایران کے منقسم حصوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو متحد کر کے ایک بڑی شاہنشاہیت قائم کی اور

؎۱ اس مقام پر توراۃ نے دارا کو فاتح بابل کہا ہے یہ سخت التباس ہے جو توراۃ کے بیان میں پیدا ہو گیا ہے اور جگہ جگہ خورس کی جگہ دارا اور دارا کی جگہ خورس کا ذکر کر کے معاملہ کو خلط ملط کر دیا ہے درحقیقت بابل کو پہلے خورس ہی نے فتح کیا ہے اسکے بعد جب اہل بابل نے بغاوت کر دی تو دارا نے دوبارہ حملہ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔

Marfat.com

دوسروں کی سطوت وحکومت کے تابع ہونے کی بجائے بابل ونینوی کی زبردست طاقتوں کو اپنا تابع فرمان بنایا اور جس طرح وقت کے جابر وقاہر شاہنشاہوں کے برعکس اس نے عدل ورحم پہ اپنی حکومت کو مستحکم اور استوار کیا اسی طرح وہ دین ومذہب کے بارے میں بھی ایران کے مروجہ مذہب کے خلاف دین حق کا تابع اور ایمان باللہ اور توحید الٰہی کا داعی تھا۔

چنانچہ عزرا (عزیر علیہ السلام) کی کتاب میں تعمیر بیت المقدس سے متعلق اس کا یہ واضح اور صاف اعلان مذکور ہے

اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہو خداوند نے شاہِ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں یہ منادی کرائی کہ اور اسے قلم بند بھی کرایا فرمایا "شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا ہے کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لئے ایک مسکن بناؤں۔ پس اس کی قوم میں سے تمہارے درمیان کون کون ہے؟ اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے [1]

مجھ خورس بادشاہ نے خدا کے گھر کی بابت جو یروشلم میں ہے حکم کیا کہ وہ گھر اور وہ مکان جہاں قربانیاں کرتے ہیں بنایا جائے اور خدا کے گھر کے سونے اور روپہلے برتن بھی جنھیں نبوکدنذر یروشلم کی ہیکل میں سے نکال لایا اور یروشلم کی ہیکل میں اپنی اپنی جگہ میں پہونچائے جائیں اور خدا کے گھر میں رکھے جائیں [2]

خورس کی منادی اور نوشتہ کے نشان زدہ جملوں کو پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ ان مضامین میں صرف یہ اعلان نہیں ہے کہ یہود کو نجات دلا کر بیت المقدس کی تعمیر بھی اجازت دی جاتی ہے

---

[1] باب ۱ آیات ۴-۱ [2] باب ۶ آیات ۵-۱

بلکہ اس سے زیادہ یہ بھی ہے کہ مجھ کو خدا نے یہ حکم کیا ہے کہ میں اس کا گھر دوبارہ تعمیر کروں اور یہ کہ خدا اسی ہستی کا نام ہے جو یروشلم کا خدا ہے اور بیت المقدس خدا کا مقدس گھر ہے۔

اب اسی کے ساتھ اس کے جانشین دارائے اول کا وہ فرمان بھی ملاحظہ ہو "جو یہودیوں کی اس عرضی کے جواب میں دیا گیا ہے جس میں بعض صوبہ داروں کی شکایت کی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر میں آڑے آتے ہیں" دارا لکھتا ہے

"پس نہر پار کے صوبہ دار تتنی اور شتر بوزنی اور ان کے افارسکی رفیق جو نہر پار ہوں۔ تم وہاں سے دور ہو جاؤ تم اس بیت اللہ کے کام میں دست اندازی مت کرو، یہودیوں کا ناظم اور یہودیوں کے بزرگ لوگ خدا کے گھر کو اس کی جگہ تعمیر کریں۔ ...... یہ وہ خدا جس نے اپنا نام وہاں رکھا ہے سب بادشاہوں اور لوگوں کو جو اس حکم کو بدل کے خدا کا وہ گھر جو یروشلم میں ہے بگاڑنے کو ہاتھ بڑھاتے ہوں غارت کرے۔ میں دارا حکم دے چکا اس پہ جلد عمل کرنا چاہیئے" ۵؎

اس فرمان میں دارا نے بلند آہنگی کے ساتھ یہ ظاہر کیا ہے کہ بیت المقدس بلاشبہ بیت اللہ ہے اور وہ بددعا کرتا ہے کہ بادشاہ ہو یا معمولی شخص جو بھی اس بیت اللہ کو خراب کرنے کا ارادہ کرے خدا اس کو غارت کر دے۔

توراۃ کی ان صاف اور واضح شہادتوں کے بعد "جو خورس کا مسلمان ہونا ظاہر کرتی ہیں" اب چند تاریخی شہادتیں بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔

دارا نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک اہم تاریخی کام یہ کیا ہے کہ پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں پر کتبے نقش کرا دیئے ہیں جو اس کے اور خورس کے عہدِ زریں کو روشنی میں لاتے ہیں۔ ان مختلف کتبات میں سے ایک کتبہ ایران کے مشہور شہر اصطخر میں دریافت ہوا ہے یہ کتبہ قدیم تاریخ کا نادر ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں دارا نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور صوبوں کے نام تک گنا دیتے

۵؎ عزرا باب ۶

ہیں اور ایسی تفصیلات دی ہیں جن سے اس کے مذہب و عقیدہ اور طریقِ حکومت تک پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ اسی کتبہ میں دارا کا یہ عقیدہ مذکور ہے۔

"خدائے برتر اہورموزدہ ہے اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا"

"اہورموزدہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و اماں قائم کیا میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے میرے خاندان کو اور ان تمام ملکوں کو محفوظ رکھے اے اہورموزدہ میری دعا قبول کر!"

"اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لئے حکم ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر، صراط مستقیم کو نہ چھوڑ گناہ سے بچتا رہ" ؎۱

دارا کے کتبات میں اصطخر کے کتبہ سے بھی زیادہ اہمیت اس کے "کتبہ بے ستون کو حاصل ہے اس میں اس کے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنے سریر آرائے سلطنت ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

دارا نے اس کتبہ میں گوماتہ کو موگوش (مجوسی) اور اس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہونے کو اہورموزدہ کے فضل کی جانب منسوب کیا ہے اور ہیروڈٹس اور دوسرے یونانی مورخ یہ اور اضافہ کرتے ہیں کہ دارا کے خلاف یہ بغاوت میڈیا (ایران) کے قدیم مذہب کے پیروؤں (مجوسیوں) کی جانب سے ہوئی تھی دارا کے زمانہ میں گوماتہ کے علاوہ پراورتیش اور چترت خمہ اور مجوسیوں (موگوشوں) نے علم بغاوت بلند کیا اور دارا کے ہاتھ سے پہلا ہمدان میں اور دوسرا اربیل میں قتل ہوا ؎۲

پھر خورس اور دارا کے "مومن" ہونے اور ایران کے قدیم مذہب "مجوسی" سے بیزار رہنے پر سب بڑی شہادت دارا کا وہ تبلیغی اعلان ہے جو اس نے دانیال (علیہ السلام) کے دشمنوں کے خلاف

؎۱ ترجمان القرآن ماخوذ از عجائب البلدان "فانوگریٹ مناریز آف دی انشنیٹ ایسٹرن ؎۲ دائرۃ المعارف بستانی (ایران)

Marfat.com

اس وقت شائع کیا تھا جب کہ دانیال نبی کو ان کے دشمنوں نے شیر ببر کے سامنے ڈال دیا تھا اور دانیال معجزانہ طور پر صحیح و سالم بچ گئے تھے۔

تب دارا بادشاہ نے ساری قوموں اور گروہوں اور اہل لغت کو جو روئے زمین پر بستے تھے نامہ لکھا "تمہاری سلامتی ترقی پائے میں یہ حکم کرتا ہوں کہ میری مملکت کے ہر ایک صوبے کے لوگ دانی ایل کے خدا کے آگے ترساں و لرزاں ہوں کیونکہ یہ وہی زندہ خدا ہے جو ہمیشہ قائم ہے اور اس کی سلطنت لازوال ہے اور آخر تک رہے گی وہی چھڑاتا اور بچاتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہی نشانیاں دکھلاتا اور عجائب و غرائب کرتا ہے اسی نے دانی ایل کو شیر ببروں کے چنگل سے چھڑایا ہے۔ پس یہ دانی ایل دارا کی سلطنت اور خورس فارسی کی سلطنت میں کامیاب رہا" [۵۱]

ان تاریخی مصادر سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دارا اور اس کے پیشرو خورس کا مذہب ایران کے قدیم مذہب "موگوش"[۵۲] (مجوسی مذہب) سے جدا اور مخالف تھا اور یہ کہ دارا جس ہستی کو اہورموزدہ کہہ کر پکارتا ہے اور اس کے جو اوصاف بیان کرتا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا پیشرو "دین حق" پر تھے اور عربی کا "اللہ" سریانی کا "الوہیم" اور عبرانی کا "ایل" اور ایران کا "اہورموزدہ" ایک ہی مقدس ہستی کے نام ہیں کیونکہ دارا کہتا ہے کہ وہی یکتا اور بے ہمتا ہے اور وہی خالق کائنات ہے اور خیر و شر تنہا اسی کے ہاتھ میں ہے نیز وہ توحید خالص پر ایمان کے ساتھ ساتھ آخرت پر ایمان رکھتا اور صراط مستقیم کی تلقین اور گناہوں سے اجتناب کی تعلیم کا اظہار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عقائد کی یہ تفصیلات مجوسی مذہب کے بالکل خلاف ہیں اور اسی لئے دارا مجوسیوں پر کامیابی حاصل کرنے کو اہورموزدہ کا فضل و کرم قرار دیتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خورس اور دارا وقت کے کس مذہب حق کے پیرو تھے تو اس کا جواب مختصر سی تمہید کے

---

[۵۱] دانیال کی کتاب باب ۶ آیات ۲۸ - ۲۵ [۵۲] موگوش فارسی لفظ ہے اور مجوس اس کا معرب ہے

Marfat.com

بعد بآسانی دیا جاسکتا ہے۔

ایران قدیم کا مذہب

ادیان و مذاہب کی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسط ایشیا کی آرین قوموں کا مذہبی تخیل بنیادی طور پر ہمیشہ سے مشترک رہا ہے اور یہ سب مظاہر قدرت کے پرستار اور اصنام پرستی کے ذریعہ اس عقیدہ کے علم بردار نظر آتے ہیں پھر آہستہ آہستہ آسمان پر سورج کو اور زمین پر آگ کو تقدیس کا درجہ دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں یہی دونوں روشنی اور حرارت کے مبدا ہیں اور روشنی اور حرارت ہی عالم کے تمام نظام میں کارفرما ہیں چنانچہ قدیم یونان، ہندوستان اور ایران وغیرہ کے مذاہب میں یہ چیز مشترک نظر آتی ہے البتہ جزئیات میں یہ فرق رہا ہے کہ مثلاً یونان اور ہندوستان کے ضمنی عقائد میں دیوتاؤں کو اچھائی اور برائی دونوں پر قدرت حاصل ہے لیکن ایران کے اصنامی عقائد کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ کائنات کا تمام نظام دو مخالف قوتوں کی کارفرمائی میں ہے ایک خیر اور نیکی کے دیوتا ہیں جو خیر اور تمام بھلائی کے مالک و متصرف ہیں اور دوسرے شر اور بدی کے دیوتا ہیں جن سے صرف بدی اور برائی کا صدور ہوتا ہے یعنی خالق خیر ایک جدا قوت ہے اور خالق شر دوسری قوت اور تمام عالم پر ان ہی دو متضاد قوتوں کی حکومت ہے اور ان ہی کے تصادم پر نظام کائنات میں خیر و شر کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کے یہاں خدائے واحد کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور چونکہ وہ خیر کو روشنی اور شر کو تاریکی خیال کرتے ہیں اس لئے آگ کو روشنی کا مبدأ قرار دے کر یزداں (خیر کا دیوتا) کی قربت حاصل کرنے کے لئے قابل پرستش سمجھا گیا اور آتش پرستی کو مذہب کا جزء اعظم بنایا گیا۔

چنانچہ فارس اور میڈیا یعنی ایران کا یہی قدیم مذہب تھا جس کے پیرو موگوش (مجوس) کہے جاتے تھے

ایران اور مذہب زردشت

لیکن تقریباً ۵۵۰ ق م اور ۵۸۳ ق م کے درمیان شمال مغربی ایران یعنی قفقاز اور آذربیجان کے اس نواح میں جو وادی ارس کے نام سے مشہور ہے ایک ملہم من اللہ ہستی کا ظہور ہوا یہ ابراہیم زردشت کی شخصیت تھی انھوں نے ایران کے مجوسیوں میں دین الٰہی کا اعلان کیا اور رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا۔

انھوں نے بتایا کہ کائنات میں خیر و شر کے دیوتاؤں کا تصور باطل ہے بلکہ سارے عالم پر صرف ایک

Marfat.com

یہی ہستی بلا شرکت غیرے مالک اور متصرف ہے وہ یکتا و بے ہمتا ہے، قدیر و حلیم ہے نور و قدوس ہے۔ اور یہ اہورموزدہ کی پاک ہستی ہے، یہی تمام کائنات کی خالق ہے تم جن کو خیر کے دیوتا سمجھتے ہو وہ دیوتا نہیں بلکہ اہورموزدہ کی مخلوق اور اس کے حکم سے امورِ خیر کے کارپرداز "امش اسپند (فرشتے) ہیں اور تم نے جن کو شر کا دیوتا سمجھ لیا ہے وہ سرتاسر باطل کے سوا کچھ نہیں بلکہ یہاں شر کا مرکز اسی اہورموزدہ کی مخلوق "اہرمن" (شیطان) کی ہستی ہے، یہی انسانوں کے دلوں میں شر کو بھڑکا کر تاریکی کی جانب لے جاتی ہے "انسان" ان دو متضاد اثرات میں گھرا ہوا ہے اور اہورموزدہ نے اس کو اپنے سچے نبیوں کے ذریعہ روشنی اور تاریکی دونوں کے اثرات سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے پس آگ کی پرستش محض گمراہی ہے اور انسانی شقاوت و سعادت کا معاملہ صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم (آخرت) ہے اور وہاں دو جدا جدا مقامات ایک نکوکاروں کے لیے اور دوسرا بدکاروں کے لیے ہے اس لیے ہم کو گناہوں سے پرہیز کرنا اور نیکی کو اختیار کرنا چاہیے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنانا چاہیے

یہ تھی ابراہیم زردشت کی وہ تعلیم جس کے متعلق آج عرب اور یورپ کے محقق مورخین کا اتفاق ہے کہ اواخر چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ آواز زردشت کی زبانی میڈیا اور فارس کے قدیم مذہب کے خلاف ایران میں سنی گئی۔[1]

یہی مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم زردشت دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہما السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے اور ایران کے قدیم مذہب کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے۔

ابراہیم زردشت کی تعلیم "دین حق کی تعلیم" تھی اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان پر نازل شدہ الہامی کتاب "اَوِستا" کے مضامین کی ابتدا ایسے ہی جملوں سے ہوتی ہے جن کا مفہوم سچی الہامی کتابوں میں مشترک پایا جاتا ہے یعنی شیطانی وساوس سے پناہ اور خدائے رحمان و رحیم کی مدح و ثنا چنانچہ قرآن سے قبل کی الہامی کتابوں کی طرح اگرچہ "اوستا" بھی محرف ہو چکی ہے تاہم اس میں یہ جملے اب بھی محفوظ ہیں جن سے مضامین کی ابتدا ہوتی ہے اور دساتیر آسمانی میں ان کو اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

---

[1] حاشیہ تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۴ و یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ مقالہ پروفیسر گرنڈی ج ۲ ص ۱۱۲۳

(۱) ہوزامیم نہ مزدان ہنر تر باس ہر شیویر سردیور" پناہیم بہ یزداں را پورموزدہ) از منش زشت وخوئے
بدگمراہ کنندہ براہ ناخوب برندہ، رنج دہندہ" آزار رسانندہ (یعنی شیطان)"

(۲) نہ نیدنمتای ہترسندہ ہرشنگر زمریان فراہیدورہ" بنام ایزد بخشایندہ بخشائش گر مہربان، دادگر"

اب اگر اسی کے ساتھ خورس (کیخسرو) اور دار یوش (دارا) کے ان بیانات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو توراۃ میں بیت المقدس کی تعمیر سے متعلق ہیں اور ان کتبات کی عبارات کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے جو دارا کی جانب سے منقوش کئے گئے ہیں اور جن میں مجوسی عقاید کے خلاف خدائے واحد کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے تو پھر یہ دعویٰ حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے کہ خورس اس کے بیٹے کیقباد دوئم[1] (کم بی سیز) اور دارا کا مذہب بلاشبہ ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف دین حق کا مذہب تھا اور جب کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابراہیم زردشت اور خورس (کے ارتق) کا زمانہ ایک رہا ہے اور خورس اور دارا کے عقائد زردشت کی تعلیم کے عین مطابق ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خورس پہلا بادشاہ ہے جس نے ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف اس دین حق کو قبول کیا اور کچھ تعجب نہیں کہ یہود کو خورس کے ساتھ اس درجہ تشنعف کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ خورس ایسے مذہب کا پیرو تھا جو ان کے نبی دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہما السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ ہادی (زردشت) کی جانب منسوب ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ زردشت کی تعلیم حق کو ایران زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا اور دارا پر حملہ اسکندر کے بعد یعنی ایران کے پہلے عہد تاریخی کے ختم پر وہ بھی مسخ اور محرف کر دیا گیا چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ق م کے بعد زردشتی مذہب کا انحطاط شروع ہو گیا اور ایک جانب روم و یونان کے خارجی اثرات نے اس کو متاثر کیا اور دوسری جانب ایران کے قدیم مذہب "مجوس" نے دوبارہ سر اٹھایا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دارا کے قتل کے بعد ہی اس کے اصل خد و خال بگڑنے لگے اور اس میں تحریف و مسخ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آہستہ

---

[1] کم بی سیز (کیقباد) خورس کے باپ کا نام بھی ہے اور بیٹے کا بھی

Marfat.com

آہستہ آہستہ قدیم مجوسی مذہب کے امتزاج کے ساتھ اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور اب یہی مجوسی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔

ایرانیوں (پارسیوں) کا اپنا بیان ہے کہ جب سکندر مقدونی نے اصطخر پر حملہ کیا تو اس نے شہر کو آگ لگا دی اور اس میں زردشت کا مقدس صحیفہ "اوستا" جل کر راکھ ہو گیا گویا بیت المقدس پر حملہ کے وقت جو معاملہ بخت نصر نے یہود کی مقدس کتاب توراۃ کے ساتھ کیا وہی سکندر نے اوستا کے ساتھ کیا اور اس طرح دونوں مذاہب کے مقدس صحیفے دنیا سے مفقود ہو گئے

پھر تقریباً پانچ سو سال کے بعد ایران کے تیسرے تاریخی عہد میں ساسانی حکومت کے بانی اردشیر بابکانی نے از سرِ نو "اوستا" کو مرتب کرایا پس ظاہر ہے کہ اب یہ صحیفہ اصل "اوستا" نہیں ہے بلکہ قدیم ایرانی مذہب، یونانی مذہب اور زردشتی مذہب کا ایک معجونِ مرکب ہے بلکہ اس کے نمایاں عقائد و اعمال بیش تر قدیم مجوسیت ہی سے ماخوذ نظر آتے ہیں تاہم اس صحیفہ کا جو ناقص اور مُحرّف حصہ آج پارسیوں کے ہاتھ میں ہے اس میں اصل مذہب کی جھلک اب بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے جس کے بعض حوالجات ہم اصحاب الرس کے واقعہ میں نقل کر چکے ہیں۔

مسلمانوں نے جب خیر القرون میں ایران کو فتح کیا تو ان کو ان ہی پیروانِ زردشت سے واسطہ پڑا جو صحیح دینِ زردشتی چھوڑ کر قدیم مجوسی مذہب پر واپس ہو چکے تھے اور ان میں ایک نبی اور اس کی کتاب کے تصور کے علاوہ کوئی بات زردشتی مذہب کی باقی نہیں رہی تھی اور اسی بنا پر قرآن نے بھی ان کو "مجوس" ہی کہہ کر ذکر کیا ہے اس لیے متقدم عرب مورخین نے یہ سمجھ لیا کہ مجوسی مذہب اور زردشتی مذہب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اس کے باوجود بعض متقدم محقق اور اصحابِ سیرۃ اس قدر پتہ دے سکے ہیں کہ ایران میں دو مذاہب نے یکے بعد دیگرے اپنا اثر قائم کیا ہے۔ ایران اول صابی مذہب رکھتا تھا اور اس کے بعد اس نے زردشتی مذہب قبول کر لیا بلغت عرب میں "صابی" کے معنی

---

[1] کیونکہ اس جدید مرکب مذہب میں بھی آتش پرستی مذہب کی بنیاد تھی اور اس کا پجاری اور مہنت اب بھی مغ ہی کہلاتا تھا اور مغ موگوش اور جوش ایک ہی شے ہے۔

Marfat.com

"بددین" کے ہیں چنانچہ قریش مکہ اسی بنا پر اپنے خیال میں مسلمانوں کو "صابی" کہا کرتے تھے۔ اس لئے "صابی" سے ان حضرات کی مراد غالباً اسی مذہب قدیم سے ہے جو آتش پرستی، بت پرستی اور دیوتا پرستی پر قائم تھا۔

متاخرین علماء میں سے شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہٗ بھی تردد کے ساتھ "المجوس" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں "مجوس آگ پوجتے ہیں اور ایک نبی کا نام بھی لیتے ہیں معلوم نہیں پیچھے بگڑے یا سرے سے غلط ہیں" مگر آج عرب اور یورپ کے محققین اہلِ تاریخ بغیر کسی تردد کے دلائل و براہین کی روشنی میں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ زردشت کا مذہب، ایران کے قدیم مذہب سے جدا "دینِ حق" تھا جس میں مظاہر پرستی، اصنام پرستی، آتش پرستی سب ممنوع تھی اور خدائے واحد کی پرستش کے سوا کسی کی پرستش جائز نہیں تھی۔

چنانچہ مصر کے مشہور عالم فرج اللہ ذکی نے اس قول کی پرزور تردید کی ہے[۱] جس میں یہ کہا گیا ہے کہ زردشت نے اول یرمیاہ (علیہ السلام) کی شاگردی کی مگر جب کسی بات پر یرمیاہ نبی اس سے خفا ہوگئے تو وہ ان سے جدا ہوگیا اور آتش پرستی کا ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا، ابن کثیر نے بھی اس قول کو "قیل" کہہ کر نقل کیا ہے یعنی وہ بھی اس کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے۔

ذوالقرنین اور قرآن عزیز

ذوالقرنین کی شخصیت کے بارے میں اگرچہ دو اہم مباحث یعنی "ذوالقرنین سے متعلق توراۃ کی پیشین گوئیاں اور تاریخی شہادتیں" سپردِ قلم ہو چکیں لیکن ابھی ایک اہم مسئلہ یہ باقی ہے کہ کیا وہ شخصیت جس کے لئے توراۃ اور تاریخ سے روایات و شہادات پیش کی گئی ہیں درحقیقت قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہی کی شخصیت ہے تو اس کے جواب سے قبل قرآن عزیز کی ان آیات کو پیش کر دینا ضروری ہے جو سورہ کہف میں اس واقعہ سے متعلق بیان کی گئی ہیں تاکہ بعد میں تطبیق کا مسئلہ بخوبی واضح ہو سکے۔

قرآن عزیز (سورہ کہف) میں ذوالقرنین کا واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

---

[۱] حاشیہ تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸

Marfat.com

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ
قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ
كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى
اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ
عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ
اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ
فِيْهِمْ حُسْنًا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ
فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى
رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا
وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا
حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ
مِنْ دُوْنِهَا سِتْرًا كَذٰلِكَ وَقَدْ
اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ثُمَّ
اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ
السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا
قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

اے پیغمبر تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں
تم کہہ دو میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر
سنا دیتا ہوں ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی
نیز اس کے لئے ہر طرح کا سازوسامان مہیا کر دیا تھا۔ تو
(دیکھو) اس نے (پہلے) ایک مہم کے لئے سازوسامان کیا
(اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا) یہاں تک کہ (چلتے چلتے)
سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہونچ گیا وہاں اسے سورج
ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل کی جھیل میں ڈوب
جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا ہم نے
کہا اے ذوالقرنین (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو
چاہے انھیں عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کر کے
اپنا بنالے۔ ذوالقرنین نے کہا "ہم ناانصافی کرنے
والے نہیں جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دیں گے
پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہو وہ (بداعمالوں کو) سخت
عذاب میں مبتلا کریگا اور جو ایمان لائیگا اور اچھے کام کریگا تو اسکے
بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دینگے
جس میں اسکے لئے راحت و آسانی ہو" اس کے بعد اس نے
پھر تیاری کی اور (پورب) کی طرف نکلا یہاں تک کہ سورج
نکلنے کی آخری حد تک پہونچ گیا اس نے دیکھا سورج ایک گروہ
پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے معاملہ یونہی تھا اور
جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری خبر ہے۔

Marfat.com

قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ
يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا
عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ
خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ
حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ
قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا
قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا
اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا
اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ
رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ وَكَانَ وَعْدُ
رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ
يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝

اس نے پھر سازوسامان تیار کیا اور تیسری مہم میں نکلا، یہاں تک کہ دو پہاڑوں کی (دیواروں کے درمیان پہونچ گیا وہاں اس نے دیکھا پہاڑوں کے اسطرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے تو کچھ نہیں سمجھتی اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنادیں اور اس غرض سے ہم آپکے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں ذوالقرنین نے کہا میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں) مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو میں تمہارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دونگا اسکے بعد اس نے حکم دیا، لوہے کی سلیں میرے لئے مہیا کر دو۔ پھر جب تمام سامان مہیا ہو گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کر دی تو حکم دیا دھونکنیاں سلگاؤ اور اسے دھونکو پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ کی طرح لال ہو گئی تو کہا "گلا ہوا تانبا لاؤ اس پر انڈیل دیں چنانچہ (اسی طرح) ایک ایسی سد بن گئی نہ تو (یاجوج و ماجوج) اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا یہ جو کچھ ہوا تو (فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئیگی تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دیگا اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے ٹلنے والی نہیں اور اس دن ہم ایسا کرینگے کہ ان میں سے ایک قوم دوسری قوم پر موجوں کیطرح

Marfat.com

قرآن عزیز کی ان آیات میں ذوالقرنین کا جو واقعہ مذکور ہے اگر اس کو ان واقعات کے ساتھ تطبیق دیجئے جو گذشتہ صفحات میں تورات اور تاریخ قدیم کے حوالجات سے نقل کئے گئے ہیں تو آپ خود یہ فیصلہ دیں گے کہ تاویلات تخمینی قیاس آرائیوں اور غیر معلوم احتمالات سے محفوظ رہ کر ذوالقرنین کا انطباق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا۔

مگر اس فیصلہ کی حقیقت پر عبور حاصل کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے کہ سورۂ کہف کی زیر مطالعہ آیات کے مطالب کا تجزیہ کر کے ان کے ساتھ خورس سے متعلق تاریخی واقعات کی مطابقت کو واضح اور روشن کر دیا جائے۔

پس ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے کن حقائق کا اظہار کیا ہے اور خورس سے متعلق واقعات کس طرح ان حقایق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں سطور ذیل میں ترتیب وار قابل مطالعہ ہیں۔

(۱) قرآن عزیز کا اسلوب بیان کہتا ہے کہ اس نے ذوالقرنین کا واقعہ دوسروں کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور سوال کرنے والوں نے اسی لقب کے ساتھ اس کو یاد کیا ہے۔ قرآن نے اپنی جانب سے یہ لقب تجویز نہیں کیا " يَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ (اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں تم کہدو! میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناتا ہوں "۔

(تطبیق (۱)) صحیح روایات سے یہ ثابت ہو چکا کہ یہ سوال یہودیوں کی تلقین سے قریش مکہ نے کیا تھا اور سوال میں یہ مذکور تھا کہ ایسے بادشاہ کا حال بتاؤ جو مشرق و مغرب میں پھر گیا اور جس کو تورات میں صرف ایک جگہ اس لقب سے یاد کیا گیا ہے اور تورات یہ کہتی ہے کہ دانیال (علیہ السلام) کے مکاشفہ میں ایران کے ایک بادشاہ کو ایسے مینڈھے کی شکل میں دکھایا گیا جس کے دو سینگ نمایاں تھے اور جبریل فرشتہ نے اس دو سینگوں والے مینڈھے (ذوالقرنین) کی تعبیر یہ دی کہ اس سے وہ بادشاہ مراد ہے جو فارس اور میڈیا دو بادشاہتوں کا مالک ہوگا اور یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی اور تاریخ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ایران کا یہ بادشاہ خورس تھا جس نے فارس اور میڈیا دونوں کو ملا کر شاہنشاہی کی۔ یہودیوں کو اس سے

Marfat.com

اس لئے دلچسپی تھی کہ ان کے انبیاء علیہم السلام کے الہامات کے مطابق وہ ان کا نجات دہندہ تھا چنانچہ یہودیوں کا دیا ہوا یہ لقب "ذوالقرنین" خود ایران کے شاہی خاندان میں اس درجہ مشہور و مقبول ہوا کہ انھوں نے خورس کے مرنے کے بعد اس کا مجسمہ بنایا تو اس میں بھی تاریخی یادگار کے طور پر دانیال علیہ السلام کے خواب کو مصور کر کے دکھایا اور چونکہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک جگہ اس کو عقاب بھی کہا گیا ہے۔

"میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں جو ابتدا سے انتہا تک احوال اور قدیم وقتوں کی باتیں جو اب تک پوری نہیں ہوئیں بتاتا ہوں اور جو کہتا ہوں میری مصلحت قائم رہے گی اور میں اپنی ساری مرضی پوری کروں گا جو عقاب کو پورب سے لاؤں گا اس شخص کو جو میرے ارادوں کو پورا کرے گا۔[1]

اس لئے اصطخر کے قریب خورس کا جو سنگی مجسمہ نکلا ہے اس کو اس مجموعی تخیل ہی پر بنایا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں جانب دو سینگ ہیں اور سر پر ایک عقاب ہے اور خورس کے سوا دنیا کے کسی بادشاہ کے متعلق یہ تخیل موجود نہیں ہے۔

پس یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہود کو اپنے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور خدا کے چرواہے کے ساتھ اس درجہ دلچسپی تھی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا معیار اس بادشاہ کے واقعات کے علم کو قرار دیا اور اسی کے پیش نظر قرآن نے اس بادشاہ (خورس) کا مناسب حال ذکر کیا۔

(۲) قرآن کہتا ہے کہ وہ بہت صاحب شوکت بادشاہ تھا اور خدا نے اس کو ہر قسم کے ساز و سامان حکومت سے نوازا تھا "اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا" ہم نے اس کو حکمرانی عطا کی اور اس کے لئے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔

(ت۔۲) خورس (گورش) کے متعلق توراۃ اور قدیم و جدید تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا کہ اس نے نہ صرف ایران کی مختلف قبائلی حکومتوں کو ہی ایک شاہنشاہی میں منسلک کر دیا تھا بلکہ بابل و نینویٰ کی عظیم الشان حکومتوں پر بھی قابض ہو کر اپنی جغرافیائی حیثیت میں ایسی وسیع مملکت کا مالک ہو گیا تھا

[1] باب ۴۶ آیات ۹ - ۱۱

Marfat.com

کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو تمام سازوسامانِ زندگی و حکومت سے مالامال کر دیا۔

(۳) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قابلِ ذکر مہم سر کی ہیں۔

(ت ۳) معتبر تاریخی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ خورس نے تین قابلِ ذکر مہم سر کیں۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے پہلے پچھم (مغرب) کی جانب ایک مہم سر کی فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ "پس اس نے (ایک مہم کے لئے) سازوسامان کیا" اور پچھم کی جانب نکل کھڑا ہوا" یہاں تک کہ چلتے چلتے سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہونچا وہاں اُسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل میں ڈوب جاتا ہے"۔

(ت ۴) یونانی مورخ ہیروڈوٹس اور بعض دوسرے مورخین کے حوالے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خورس کو سب سے پہلی اور اہم مہم پچھم کی جانب پیش آئی جب کہ لیڈیا (ایشیا کوچک) کے بادشاہ کرڈیسس کے غدارانہ طرزِ عمل کے خلاف اس کو لیڈیا پر حملہ کرنا پڑا یہ مقام ایران سے جانبِ مغرب واقع ہے اور اس کا دارالحکومت "سارڈیس" ایشیا کوچک کے آخری مغربی ساحل کے قریب تھا تو ہیروڈوٹس خورس کی یہ مہم ایسی معجزانہ انداز میں تھی کہ وہ مغرب کی جانب فتوحات کرتا ہوا چودہ روز کے اندر ایشیا کوچک کے آخری ساحل پر جا کھڑا ہوا اور سارڈیس جیسے محکم و مضبوط شہر کو تسخیر کر لیا اب اس کے سامنے سمندر کے سوا اور کچھ نہ تھا سمرنا کے قریب بحرِ ایجین (Aegan sea.) کا یہی وہ ساحل ہے جو اپنے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے رکھنے کی وجہ سے جھیل بن گیا ہے اور اس کا پانی بہت گدلا رہتا ہے اور شام کے وقت جب سورج ڈوبتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا سیاہ دلدل میں ڈوب رہا ہے" تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ"

(۵) قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی قوم پر ذوالقرنین کو ایسا غلبہ دے دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے، چاہے ان کی بغاوت کی پاداش میں ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے ان کو معاف کر دے" وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا"

Marfat.com

(ت - ۵) "تاریخی حوالوں اور ہیروڈوٹس اور زینوفن کے تاریخی اقوال سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خورس (کے ارش) نے لیڈیا کو فتح کرکے عام بادشاہوں کی طرح اس کو برباد نہیں کیا بلکہ عادل نیک اور صالح بادشاہ کی طرح عفو کا اذنِ عام کر دیا اور ان کو بے وطن نہیں ہونے دیا۔ بلکہ کرڈیسس کی گرفتاری کے سوا یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں کوئی انقلاب حکومت ہوا ہے البتہ کرڈیسس کی جرأت مردانہ کے امتحان کے لئے اول اس کو چتا میں جلانے کا حکم دیا مگر جب وہ مردانہ وار چتا کے اندر بیٹھ گیا تو اس کو بھی معاف کر دیا اور اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

(۶) قرآن نے ذوالقرنین کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "مومن" بھی تھا اور عادل وصالح "بھی وہ کہتا ہے" قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ذوالقرنین نے کہا ہم نا انصافی کرنے والے نہیں ہیں جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دیں گے پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے وہ (بداعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلہ میں اس کو بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے آسانی وراحت ہو۔"

(ت - ۶) توراۃ میں خورس کا پُر عظمت ذکر تو ماں اور دارا کے کتبات و اعلانات مذکورۂ توراۃ، اوستا" کی اندرونی شہادات اور تاریخی بیانات یہ سب شہادتیں ناقابل انکار حد تک یہ ثابت کرتی ہیں کہ خورس اور دارا مومن تھے اور وقت کے سچے دین کے پیرو بلکہ اس کے مبلغ و منادی تھے وہ ابراہیم زردشت کے متبع خدائے واحد کے پرستار اور آخرت کے قائل تھے اور ان کا دین انبیاء بنی اسرائیل ہی کی تعلیم کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتا تھا جو دارا کے بعد بہت ہی جلد محرّف و مسخ ہو کر رہ گیا۔

(۷) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے دوسری مہم مشرق (پورب) کی جانب سر کی اور وہ چلتے چلتے جب سورج نکلنے کی آخری حد پر پہونچا تو اس کو وہاں خانہ بدوش قبائل سے واسطہ پڑا " ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ اس کے بعد

Marfat.com

اس نے پھر تیاری کی اور پورب کی طرف نکلا یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہونچ گیا اس نے دیکھا سورج ایک ایسے گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔

(ت۔) تاریخ کہتی ہے کہ خورس کو دوسری قابل ذکر مہم مشرق (پورب) کی جانب پیش آئی جب کہ مکران کے خانہ بدوش قبائل نے سرکشی کی" جو کہ اس کے دارالحکومت سے اقصائے مشرق میں پہاڑی علاقہ تک آباد تھے اور جن سے متعلق مہم کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کی مغربی اور مشرقی قابل ذکر مہمات کے لئے "مغرب الشمس" اور "مطلع الشمس" کی تعبیر اختیار کی ہے اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ذوالقرنین ساری دنیا کا بلا شرکت غیرے حکمراں بن گیا تھا اور اس نے دنیا کے دونوں جانب کے آخری ربع مسکون تک اپنے قبضہ میں کر لیا تھا حالانکہ یہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے کسی بھی بادشاہ کے لئے ثابت نہیں ہے اور نہ قرآن نے اس مقصد کے لئے یہ تعبیر اختیار کی ہے بلکہ اس کی صاف اور واضح مراد یہ ہے کہ ذوالقرنین اپنے مرکز حکومت کے لحاظ سے اقصائے مغرب اور اقصائے مشرق تک پہونچا ہے اور مغرب میں وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا جہاں خشکی کا سلسلہ ختم ہو کر سمندر شروع ہو جاتا ہے اور مشرق میں اس حد تک پہونچا کہ وہاں خانہ بدوش قبائل کے سوا کوئی شہری آبادی نہیں تھی یہ مطلب اس درجہ واضح ہے کہ اگر بے دلیل غلط فہمی کی وجہ سے مسطورہ بالا قول منقول نہ ہوتا تو ہر شخص زبان کے محاورہ کے لحاظ سے یہی سمجھتا جو ہم نے سمجھا ہے چنانچہ آج بھی ہم ہندوستان میں رہتے ہوئے اقصائے مشرق اور اقصائے مغرب سے دور دراز ملک مراد لیتے ہیں جو ہمارے مشرق و مغرب میں واقع ہیں اور ان الفاظ کو اس بات میں منحصر نہیں کر دیتے کہ مشرق و مغرب کے وہ کنارے مراد ہیں جن کے بعد معمورۂ عالم کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا ہو البتہ دلائل یا قرائن کے ذریعہ کبھی کبھی یہ معنی بھی مراد ہو جاتے ہیں۔

اقصائے مغرب و مشرق کی اس اصطلاح کو جو قرآن نے ذوالقرنین کے سلسلہ میں بیان کی ہے اگر اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (خورس) سے متعلق توراۃ نے چونکہ یہی تعبیر کی تھی اس لئے بہت ممکن ہے کہ قرآن نے سائلین کو اس کا واقعہ سنانے کے وقت اسی اصطلاح کو اختیار

کرنا پسند کیا ہو۔ دیکھیے یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں خورس کے حق میں بعینہٖ یہی تعبیر موجود ہے۔

خداوند اپنے خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے ...... میں نے اپنے بندے یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا۔ میں نے تجھے مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھے نہیں جانتا میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہیں پہچانا تاکہ لوگ سورج کے نکلنے (مطلع الشمس) کی اطراف سے سورج غروب ہونے (مغرب الشمس) کی اطراف تک جانیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں[۱]

اور زکریا نبی کے صحیفہ میں بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا ہے۔

رب الافواج فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے (مطلع الشمس) کے ملک سے اور سورج کے غروب ہونے (مغرب الشمس) کے ملک سے چھڑا لوں گا اور میں انھیں لاؤں گا اور وہ (بنی اسرائیل) یروشلم کے درمیان سکونت کریں گے[۲]

ظاہر ہے کہ ان دونوں مقامات میں "مطلع الشمس" اور "مغرب الشمس" سے معمورۂ عالم کے دونوں جانب کے آخری کونے مراد نہیں ہیں بلکہ جن کا ذکر ہے ان کی حکومت یا مقامِ سکونت سے مشرقی اور مغربی جہات مراد ہیں۔

(۸) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین کو تیسری قابلِ ذکر مہم پیش آئی اور جب وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں دو پہاڑوں کی پھانکیں ایک درہ بناتی تھیں تو ان کے ورے اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان اور بولی سے ناواقف تھی، انھوں نے ذوالقرنین پر (کسی طرح) یہ واضح کیا کہ ان پہاڑوں کے درمیان سے نکل کر ہم کو یاجوج و ماجوج ستاتے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں۔ کیا آپ ہماری اتنی مدد کریں گے کہ ہم سے مالی ٹیکس لے کر ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد بنا دیں تاکہ ان کے اور ہمارے درمیان وہ حدِ فاصل ہو جائے اور روک بن جائے۔ ذوالقرنین نے کہا میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے اس کی مجھے اجرت کی ضرورت نہیں البتہ اس کے بنانے میں میری مدد کرو۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کے

[۱] باب ۴۵ آیات ۱-۶ [۲] باب ۸ آیت ۸

Marfat.com

حکم سے لوہے کے ٹکڑے جمع کیے اور ان سے ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کے درمیان "سد بنادی اور پھر تانبا پگھلا کر اس آہنی دیوار کو مستحکم کردیا۔

(ت - ۸) تاریخ کی ناقابلِ انکار شہادتوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ خورس کو جانب شمال میں ایک قابلِ ذکر مہم پیش آئی جس میں کاکیشیا (جبل توقایا کوہ قاف) کے پہاڑی سلسلے میں ایسے دو پہاڑوں کے قریب ایک قوم ملی جن کی پھاٹکوں کے درمیان قدرتی درہ تھا اور پہاڑ کی دوسری جانب سے سیتھین قبائل کے جنگلی اور غیر مہذب لٹیرے دَل کے دَل آکر اس قوم پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کرکے درہ کے راستہ واپس ہو جایا کرتے تھے خورس جب اس جگہ پہنچا تو اس آبادی کے لوگوں نے حملہ آور لٹیروں کی شکایت کرتے ہوئے اس سے پہاڑوں کے درمیان "سد" (دیوار) بنا دینے کی درخواست کی خورس نے ان کی درخواست کو منظور کیا اور لوہے اور تانبے سے ملا کر ایک سد قائم کردی جس کو وقت کے گاگ اور میگاگ غیر مہذب (سیتھین) قبائل اپنی درندگی اور خونخواری کے باوجود نہ توڑ پھوڑ سکے اور نہ اس کے اوپر سے اتر کر حملہ آور ہو سکے اور اس طرح پہاڑوں کے درے کی آبادی ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئی

اگرچہ غیر مہذب قبائل کے حملوں کے تحفظ کی خاطر دنیا کے مختلف حصوں میں ابھی متعدد چھوٹی اور بڑی "سد" (دیواریں) بنائی گئی ہیں لیکن ایسی سد جو لوہے اور تانبے سے مخلوط دو پہاڑوں کی پھاٹکوں کے درمیان بنائی گئی ہو خورس کی بنائی ہوئی اس سد کے سوا جو کاکیشیا (جبل توقا) میں پائی جاتی ہے کوئی سد دنیا میں اب تک دریافت نہیں ہوئی اس لئے دلائل کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کی سد کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں اس کے پیش نظر خورس ہی ذوالقرنین ہے اور درہ داریال ہی کی سد قرآن کی تفصیلات کے مطابق ہے۔

یاجوج و ماجوج کون ہیں اور سد کی حقیقت کیا ہے چونکہ یہ دو زیرِ تحقیق مسائل ابھی بحث میں نہیں آئے اس لئے ذوالقرنین سے متعلق مطابقتِ قرآن کا یہ پہلو ہنوز تشنۂ دلیل ہے۔ لہٰذا سطورِ ذیل میں ان دونوں مسائل پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے تاکہ اصل حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

Marfat.com

یاجوج وماجوج | ذوالقرنین کی شخصیت کو زیرِ بحث لانے کے بعد دوسرا مسئلہ یاجوج وماجوج کی تعیین کا ہے مفسرین اور مورخینِ اسلام نے رطب ویابس روایات کا وہ تمام ذخیرہ نقل کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ چند روایات کے علاوہ اس سلسلہ کی تمام روایات خرافات وہفوات کا مجموعہ ہیں جو عقلاً و نقلاً کسی طرح لایقِ اعتماد نہیں ہیں اور اسرائیلیات کا لایعنی طومار ہیں۔

ان تمام روایات میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یاجوج وماجوج ایک ایسے قبائل کا مجموعہ ہیں جو جسمانی اور معاشرتی اعتبار سے عجیب وغریب زندگی کے حامل ہیں مثلاً وہ بالشت ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک دراع کا قد رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل القامت ہیں اور ان کے دونوں کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک اوڑھنے اور دوسرا بچھانے کے کام میں آتا ہے۔ چہرے چوڑے چکلے اور قد کے ساتھ غیر متناسب ہیں۔ ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں نکال کر پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس روز وشب اگر کوئی شخص اس پر چلتا رہے تب اس فاصلہ کو قطع کر سکتا ہے یا ایک ایسا سانپ ان کی خوراک ہے جو پہلے قرب وجوار کے تمام بری جانوروں کو ہضم کر جاتا ہے اور پھر قدرت اس کو سمندر میں پھینک دیتی ہے اور وہ وہاں میلوں تک بحری جانوروں کو چٹ کر لیتا ہے اور پھر ایک بادل آتا ہے اور فرشتہ اس عظیم الجثہ اژدھے کو اٹھا کر اس پر رکھ دیتا ہے اور بادل اس کو ان قبائل میں لے جا کر ڈال دیتا ہے اور یہ کہ یاجوج وماجوج ایک ایسی برزخی مخلوق ہیں جو آدم علیہ السلام کے صلب سے تو ہیں مگر حوا (علیہا السلام) کے بطن سے نہیں ہیں۔

ان روایات کو نقل کرتے ہوئے یاقوت نے معجم البلدان میں یہ رائے ظاہر کی ہے۔

ولست اقطع بصحة ما اوردته	اور میں نے جو کچھ روایات نقل کی ہیں ان کے اختلافات کے پیش
لاختلاف الروايات فيه	نظر میں کسی طرح ان کی صحت کو باور نہیں کر سکتا اور اس معاملہ
والله اعلم بصحته وعلى كل	کی اصل حقیقت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے اور بہر حال
حال فليس فى صحة امر	اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ جہاں تک سد کا معاملہ ہے

Marfat.com

السدیب۔ بحر (ج ۵ ص ۵۳) اسکے صحیح ہونے میں مطلق شک کی گنجائش نہیں ہے

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ومن زعم ان یاجوج وماجوج خلقوا من نطفة آدم حین احتلم فاختلط بتراب فخلقوا من ذلك وانهم لیسوا من حواء فهو قول حكاه الشیخ ابو زكریا النووی فی شرح مسلم وغیره وضعفوه وهو جدیر بذلك اذ لا دلیل علیه بل هو مخالف لما ذكرناه من ان جمیع الناس الیوم من ذریة نوح بنص القرآن هكذا من زعم انهم علی اشكال مختلفة واطوال متباینة جدا فمنهم من هو كالنخلة السحوق ومنهم من هو غایة فی القصر ومنهم من یفترش اذنا من اذنیه ویتغطی بالاخری فكل هذه اقوال بلا دلیل ورجم بالغیب بغیر برهان والصحیح انهم من بنی آدم و علی اشکالهم وصفاتهم ؎

اور جس شخص نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدمؑ کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں جو احتلام کی حالت میں نکلا اور مٹی میں رل مل گیا اور یہ مخلوق وجود میں آ گئی اور یہ حضرت حواؑ کے بطن سے نہیں ہیں تو یہ ایک قول ہے جس کو شیخ ابو زکریا نووی نے شرح مسلم میں حکایت کیا ہے اور ان کے علاوہ علما نے اس کی تغلیط کی ہے اور بلاشبہ یہ قول اس قابل ہے کہ اس کو صحیح نہ سمجھا جائے اس لیے کہ یہ قطعاً بے دلیل بات ہے بلکہ اس قول کے بالکل خلاف ہے جو ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ نص قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی موجودہ انسانی مخلوق کا ہر فرد حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ہے۔ اسی طرح یہ قول بھی غلط اور بے دلیل ہے کہ یاجوج ماجوج عجیب عجیب مختلف شکلوں اور متضاد قد و قامت کی مخلوق ہیں بعض ان میں سے اتنے لانبے ہیں کہ گویا کھجور کا بہت طویل درخت ہے اور بعض بہت ہی کوتاہ قامت اور بعض کے کان ایسے ہیں کہ ایک کو وہ بچھا لیتے اور دوسرے کو اوڑھتے ہیں۔ سو یہ تمام اقوال قطعاً بے دلیل اور محض اٹکل کے تیر ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور ان ہی کی طرح شکل و صورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں

؎ ج ۲ ص ۱۱۰

Marfat.com

اور اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

وھذا قول غریب جدًا لا دلیل علیہ لا من عقل ولا من نقل ولا یجوز الاعتماد منھا علی ما یحکیہ بعض اھل الکتاب لما عندھم من الاحادیث المفتعلہ ۱؎	اور یہ قول بلا شبہ ایک اجنبا قول ہے کہ جس کے لئے نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی اور بعض اہل کتاب نے جو اس سلسلہ میں حکایات بیان کی ہیں اس مقام پر کسی طرح ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ان کے یہاں تو اس قسم کے من گھڑت قصوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وقد ذکر ابن جریر منھما عن وھب بن منبہ اثرا طویلا عجیبا فی سیر ذا القرنین وبنائہ السد وکیفیۃ ما جری لہ و منہم طول وغرابۃ ونکارۃ فی اشکالھم وصفاتھم وطولھم وقصر بعضھم واذانھم ۲؎	اور ابن جریر نے اس مقام پر وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کی سیاحت اور سد کی تعمیر اور اس سے متعلق کیفیات کے بارہ میں ایک طویل وعجیب اثر نقل کیا ہے در اصل وہ ایک طویل اور اجنبی داستان ہے اور اس میں ان (یاجوج وماجوج) کی شکلیں صورتوں ان کے طویل وہ کوتاہ ہونے اور ان کے کانوں کے متعلق اجنبی اور غیر معقول باتیں ہیں

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اس عجیب وغریب قول کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ووقع فی فتاوی الشیخ محی الدین یاجوج وماجوج من	اور شیخ محی الدین (نووی) کے فتاوی میں مذکور ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم کی نسل سے تو ہیں مگر حضرت

۱؎ ج ۶ ص ۱۷۲ سورۂ کہف ۲؎ ج ۶ ص ۱۷۲

Marfat.com

اولاد آدم لا من حواء عند جماهير العلماء فيكون اخوانا لاب كذا قال ولم نر هذا عن احد من السلف الا عن كعب الاحبار ويرده الحديث المرفوع انهم من ذرية نوح ونوح من ذرية حواء قطعاً [1]

حوا کے بطن سے نہیں ہیں جمہور علماء کا یہی خیال ہے اور اس طرح وہ حوا کے بطن سے بنی آدم کے علاتی بھائی ہیں مگر ہم نے کعب احبار کے علاوہ سلف میں سے کسی ایک شخص کو بھی اس کا قائل نہیں پایا اور اس قول کو وہ حدیث مرفوع قطعاً رد کرتی ہے جس میں یاجوج اور ماجوج کو نوح علیہ السلام کی نسل سے بتایا گیا ہے اور حضرت نوح بلاشبہ حضرت حوا کے بطن سے ہیں۔

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اشار النووي وغيره الى حكاية من زعم ان آدم نام فاحتلم فاختلط منيه بتراب فتولد منه ولد ياجوج وماجوج من نسله وهو قول منكر جداً لا اصل له الا عن بعض اهل الكتاب [2]

اور نووی اور بعض دوسروں نے ایک ایسے شخص کی بیان کردہ حکایت کی جانب اشارہ کیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آدم خواب میں تھے کہ ایک مرتبہ ان کو احتلام ہوگیا اور ان کے قطرات منی مٹی میں رل مل گئے بس اس سے یاجوج اور ماجوج کی نسل مخلوق ہوگئی تو یہ قول ہے جو سراسر بے ہودہ اور بے اصل ہے اور بعض اہل کتاب کی حکایت کے سوائے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے

اور حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۱ [2] ایضاً ج ۶ ص ۲۹۵

Marfat.com

ثم هم من ذریۃ نوح لان اللہ تعالیٰ اخبرانہ استجاب لعبدہ نوح فی دعائہ علی اھل الارض بقولہ (رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا) وقال تعالیٰ (فانجیناہ واصحٰب السفینۃ) وقال (وجعلنا ذریتہ ھم الباقین) ؎

پھر وہ (یاجوج وماجوج) نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ اس نے اہل زمین کے متعلق نوح کی یہ دعا قبول کرلی (اے رب تو زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ) اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا (پس ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دی) اور پھر فرمایا اور ہم نے اس کی ذریت ہی کو باقی رہنے والوں میں چھوڑا)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کہ قرآن عزیز ان آیات میں یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت نوح کی بددعا کے بعد بنی آدم میں سے حضرت نوح اور اصحاب کشتی یا دوسرے الفاظ میں حضرت نوح کی ذریت اور چند مسلمانوں کے علاوہ کسی کو زندہ اور باقی نہیں چھوڑا اور اب دنیا انسانی حضرت نوح ہی کی اولاد ہے تو پھر یہ کہنا کہ یاجوج اور ماجوج بنی آدم میں سے ایک مستقل مخلوق ہے اور ذریت نوح میں سے نہیں ہے قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے اور اس کی تائید میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حوا کے بطن سے نہ تھے اور اس لئے ذریت نوح میں سے بھی نہیں تھے تو طوفانِ نوح میں یہ مخلوق کہاں تھی اور نصِ قرآنی کے خلاف یہ کیسے محفوظ رہی؟

اور حضرت قتادہ سے جو منقول ہے وہ بھی اس قول کو رد کرتا ہے۔

ویاجوج وماجوج قبیلتان من ولد یافث بن نوح (الحدیث) ؎۲

اور عبدالرزاق نے کتاب التفسیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج دو قبیلے ہیں جو یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔

؎۱ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۰ ؎۲ فتح ج ۶ ص ۲۹۰ یہ دعویٰ کہ موجودہ کل کائنات صرف نوح کی ذریت ہی قابل غور ہے۔

Marfat.com

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ یاجوج وماجوج حضرت نوح کی نسل سے ہیں اور اگرچہ اس کی سند میں فی الجملہ ضعف ہے مگر اس کے مطاوع اور مؤید بعض دوسری صحیح روایات ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر نے بخاری کی اس مرفوع روایت کے متعلق جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

والغرض منہ ھنا ذکر یاجوج وماجوج والاشارۃ الی کثرتھم وان ھذہ الامۃ بالنسبۃ الیھم نحو عشر عشر العشر وانھم من ذریۃ آدم ردًا علی من قال خلاف ذلک [1]	امام بخاری کی اس روایت بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا حال بیان کیا جائے اور ان کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے اور یہ کہ امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مقابلہ میں وہ ہزاروں گنا زیادہ ہیں اور یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح نسل آدم میں شامل ہیں یہ ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو اس کے خلاف ان کو عام انسانی مخلوق سے جدا مانتے ہیں۔

یہ چند نقول ہیں ان محققین کے ذخیرہ اقوال سے جو حدیث تفسیر اور علم تاریخ کی ماہر ہستیاں ہیں ان اقوال سے یہ بات قطعاً واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ یاجوج وماجوج عام دنیا انسانی کی طرح ربع مسکوں کے باشندے اور ان کی نسل بنی آدم کی عام نسل کی طرح ہے اور وہ کوئی عجوبہ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق اور اس قسم کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ کا جزو ہیں اور ان تمام روایات کا سلسلہ کعب احبار پر جاکر ختم ہوتا ہے جو یہودی النسل ہونے کی وجہ سے ان قصوں کے بہت بڑے عالم تھے اور اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے اور یا اس لئے کہ اس رطب و یابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن سے قرآن اور احادیث نبوی کی تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۸

Marfat.com

ہوئے اس پورے طومار کو جو "عرق سے ناب اولیٰ کا مصداق تھا اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا تھا اور اگر سلف صالحین اور متاخرین میں وہ بے نظیر ہستیاں نہ پیدا ہوتیں جنھوں نے روایات و احادیث کے تمام ذخیرے کو "نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر پرکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا تو نہ معلوم آج اسلام کو کس قدر بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

پس اس وضاحت کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یاجوج اور ماجوج کا مصداق کون سے قبائل ہیں اور ان قبائل کا کائنات انسانی کے ساتھ کیا تعلق رہا ہے؛ یہ مسئلہ درحقیقت ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور اقوام عالم کی بہت سی قوموں پر انتہا مذانہ ہے۔ نیز سورۂ انبیاء کی آیت "حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ" سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

بہرحال اس سے پہلے کہ ہم اس مسئلہ پر کچھ لکھیں مقدمہ اور تمہید کے طور پر یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی آبادی کے تمام گوشوں میں جو چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے اور ربع مسکون جس طرح بنی آدم سے آباد ہے اور تمدن و حضارت کی نیرنگیوں سے گل زار بنا ہوا ہے ان کی ابتدا بدوی اور صحرائی قبائل سے ہوئی ہے اور یہی قبائل صدیاں گذر جانے اور اپنے اصل مرکز سے جدا ہو جانے کے بعد تمدن و حضارت کے بانی بنتے اور متمدن قومیں شمار ہوتے رہے ہیں۔

"تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کی قوموں کے سب سے بڑے سرچشمے کہ جہاں سے سیلاب کی طرح امنڈ امنڈ کر انسانی آبادی پھیلی اور پھلی پھولی ہے اور مختلف ملکوں اور زمین کے مختلف خطوں میں جا کر بسی ہے صرف دو ہیں ایک حجاز اور دوسرا چینی ترکستان یا کاکیشیا کا وہ علاقہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا مرتفع اور بلند حصہ شمار ہوتا ہے۔

حجاز ان تمام اقوام و قبائل کا سرچشمہ ہے جو سامی النسل یا سیمیٹک (semetic) کہلاتی ہیں یہ قبائل ہزاروں سال سے اس بے آب و گیاہ سرزمین سے طوفان کی طرح اٹھتے اور بگولہ کی طرح دنیا کے مختلف حصوں پر پھیلتے رہے ہیں اور بدوی اور صحرائی زندگی کے گہوارہ سے نکل کر زبردست تمدن اور عظیم الشان حضارت و شہرت کے بانی قرار پائے۔

Marfat.com

عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ (ثمود) اسی سرزمین سے اٹھے اور اپنی عظیم الشان صناعی اور پرسطوت حکومت وصولت کے ذریعہ صدیوں تک تمدن وحضارت کے علم بردار رہے جدیس طسم اور اسی قسم کے دوسرے قبائل بھی جو آج امم بائدہ (ہلاک شدہ) کہلاتے ہیں اسی خاک کے پروردہ تھے اذواء یمن (شاہان حمیر) اور عمالقہ مصر و شام و عراق کے جلال وجبروت اور وسعت سلطنت کا یہ عالم تھا کہ ایک عرصہ تک فارس اور روم بلکہ ہندوستان کے بعض حصے بھی ان کے احکام کے محکوم اور ان کی حکومت کے باج گذار رہ چکے ہیں۔ غرض سامی النسل اقوام وقبائل خواہ بدوی اور صحرائی ہوں یا حضری اور متمدن شہری سب اسی خاک حجاز (عرب) کے ذرات تھے جو اپنی وسعت کے بعد آپس میں اس قدر اجنبی ہو گئے تھے کہ بدوی اور شہری بلکہ فراعنۂ مصر (عمالقہ) اور اذواء یمن (سلاطین حمیری) اور عرب مستعربہ اسمٰعیلی عربوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنی بھی مشکل ہو گئی تھی اور اگر نسلی امتیازات وخصوصیات اور زبان کی بنیادی یک رنگی ان کے باہم پیوند نہ لگاتی تو تاریخ کے کسی گوشہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ابھر کر ان کی اخوت باہمی کا درس دے سکتا۔

اسی طرح قبائل واقوام عالم کا دوسرا مستقر اور بحر ناپیدا کنار چینی ترکستان اور منگولیا کا وہ علاقہ رہا ہے جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا بلند اور مرتفع حصہ ہے۔

اس مقام سے بھی ہزاروں سال کے عرصہ میں سینکڑوں قبائل اٹھے اور دنیا کے مختلف گوشوں تک پہونچے اور وہاں جا کر بس گئے۔ یہیں سے انسانوں کی موجیں اٹھیں اور وسط ایشیا میں جا کریں۔ یہیں سے یورپ پہونچیں اور یہاں سے ہندوستان اور شمال مغرب تک پھیلتی چلی گئیں ہندوستان میں بس جانے والوں نے اپنا تعارف آرین کے ساتھ کرایا وسط ایشیا میں بسنے والوں نے "ایریانہ" کہلا کر اپنے علاقہ کا نام ایران مشہور کیا۔ یورپ میں ہن گاتھ ڈانڈ بال وغیرہ ان ہی قبائل کے نام پڑے اور بحر اسود سے دریا ڈینوب تک بسنے والے سیتھین کہلائے اور یورپ وایشیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا جانے والے رشین کے نام سے مشہور ہوئے۔

Marfat.com

یہ قبائل جب اپنے مرکز سے چلے تھے تو صحرائی وحشی اور بدوی تھے لیکن اپنے مرکز سے ہٹ کر جب دوسرے مقامات پر پہونچے اور حضارت و تمدن سے آشنا ہوئے یا ضرورت نے آشنا کرایا تو نئے نئے ناموں سے پکارے گئے۔ حتیٰ کہ اپنے مرکز کی ابتدائی حالت سے اس قدر بعید ہوگیا کہ مرکز میں بسنے والے وحشی قبائل اور ان کے درمیان کوئی یکسانیت باقی نہ رہی بلکہ ایک ہی اصل کی دونوں شاخیں ایک دوسرے کی حریف بن گئیں اور شہری اقوام کے لیے ان کے ہم نسل وحشی قبائل مستقل خطرہ ثابت ہونے لگے جو آئے دن شہریوں پر تاخت و تاراج کرتے اور لوٹ مار کرکے پھر اپنے مرکز کی جانب واپس ہو جاتے تھے۔

بہر حال تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں کہ عہدِ تاریخی کے قبل سے پانچویں صدی مسیح تک اس علاقہ سے جو آج کل منگولیا تاتار کہلاتا ہے اسی قسم کے انسانی طوفان اٹھتے رہے ہیں اور ان کے قریب اور ہمسایہ قوم "چینی" ان کے بڑے دو قبائل کو "موگ" اور "یوچی" کہتے رہے ہیں۔ پس یہی "موگ" ہے جو تقریباً چھ سو برس قبل مسیح یونان میں میگ اور میگاگ بنا اور عربی میں ماجوج ہوا اور غالباً یہی "یواچی" یونانی میں یوگاگ اور عبرانی اور عربی میں جوج اور یاجوج کہلایا۔ لیکن جب یہ قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں جاکر آباد ہوئے اور بہت سے قبائل پہلے کی طرح اپنے مرکز ہی میں وحشی اور صحرائی بنے رہے تو اس اختلافِ تمدن و معیشت نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ ان قبائل کے وحشی اور صحرائی جنگجو تو اسی طرح یاجوج (گاگ) (gog) اور ماجوج (میگاگ) (mogog) کے نام سے موسوم رہے مگر متمدن اور شہری قبائل نے مقامی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ساتھ اپنے ناموں کو بھی بھلا دیا اور نئے نئے ناموں سے شہرت پائی اور پھر یہ تقسیم اس طرح قائم ہوگئی کہ تاریخ کے عہد میں بھی اس کو باقی رکھا گیا اور وسطِ ایشیا کے ایرانی ایشیائی اور یورپین روسی اور دیگر یورپین قومیں اور ہندوستان کے آرین اصل کے اعتبار سے منگولین (یعنی موگ ماجوج اور یواگ، یاجوج) نسل ہونے کے باوجود تاریخ میں ان ناموں سے یاد نہیں کئے جاتے اور یاجوج و ماجوج کا نام صرف ان ہی قبائل کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے جو اپنی گذشتہ حالتِ وحشت و بربریت

Marfat.com

اور غیر متمدن زندگی میں اپنے مرکز کے اندر موجود ہیں اور مختلف صدیوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے کے لئے اپنی ہم نسل متمدن اقوام پر حملے کرتے رہے ہیں اور ان ہی کے وحشیانہ حملوں کی حفاظت کے لئے اور مشرقی تاخت و تاراج سے بچنے کے لئے مختلف اقوام نے مختلف دیواریں اور سد قائم کیں اور ان ہی میں سے ایک وہ سد ہے جو ذوالقرنین نے ایک قوم کے کہنے پر دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے سے ملا کر تیار کی تاکہ وہ یاجوج اور ماجوج کے مشرقی حملوں سے محفوظ ہو جائے۔

یاجوج و ماجوج کا ذکر توراۃ میں بھی ہے چنانچہ حزقیل علیہ السلام کے صحیفہ میں یوں کہا گیا ہے۔

اور خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سر زمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے سزا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں ... دیکھ میں تیرا مخالف ہوں اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار اور میں تجھے پلٹ دوں گا [1]

اور میں یاجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا [2] اور اس دن یوں ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جوج کو ایک گورستان دوں گا یعنی رہ گذروں کی وادی جو سمندر کے پورب ہے اور اس کے رہ گذروں کی راہ بند ہوگی اور وہ وہاں جوج کو اور اس کی جماعت کو گاڑ دیں گے اور اسے ہامون جوج کی وادی نام رکھیں گے [3]

ان حوالوں میں جوج ماجوج روش مسک اور توبال کا ذکر ہے اور ان کو خدا کا مخالف بتایا گیا ہے

مار دوں گا الخ [1] [1] حزقیل باب ۳۸ آیت ۱ - ۳

[1] حزقیل باب ۳۹ آیت ۱ [2] ایضاً باب ۳۹ آیت ۶ [3] ایضاً باب ۳۹ آیت ۱۱

Marfat.com

اور مظلوموں کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پھرا دے گا اور ان کے جبڑوں میں بنسیاں ماریگا تاکہ وہ پلٹ جائیں اور یہ کہ قیامت کے قریب ان وحشی اور ظالم قبائل کو تباہ و برباد کر دیا جائیگا اور ان کی موت سے عرصہ تک رہ گذروں کے لئے راہیں بند ہو جائیں گی۔

ان ناموں کی تفصیل میں توراۃ کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ جوج سے مراد گاگ (Gog) ہے اور ماجوج سے میگاگ (Magog) اور روش سے روس (Russia) اور مسک سے مراد ماسکو (Moscow) اور توبال سے بحر اسود کا بالائی علاقہ مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ توراۃ کی شہادت بھی اس سے اتفاق کرتی ہے کہ لفظ یاجوج اور ماجوج ان ہی قبائل کے لئے مخصوص ہو گیا تھا جو منگولیا اور کاکیشیا سے لے کر دور تک مشرق میں پھیلتے چلے گئے تھے اور یہ کہ حزقیل علیہ السلام کے زمانہ تک روس (Russia) کا علاقہ تہذیب و تمدن اور حضارت سے عاری اور وحشی قبائل کا موطن اور مسکن تھا اور قتل و غارت گری کا پیشہ کرتا تھا اور ظلم و ستم ان کا روزمرہ کا مشغلہ تھا لہٰذا حضرت حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئیوں میں یہ بشارت دی گئی کہ وہ وقت قریب ہے جب کہ ان قبائل کی تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک کے لئے بند ہو جائے گا اس پیشین گوئی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوج شمال کی جانب سے آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے اور یہ کہ ماجوج پر اور جزیروں میں بسنے والوں پر سخت تباہی آئے گی اور یہ کہ اسرائیلی بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے۔

اب اگر تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح سے بحرِ خزر اور بحر اسود کا علاقہ وحشی اور خونخوار قبائل کا مرکز بنا ہوا ہے جو مختلف ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے رہے ہیں بالآخر ان میں سے ایک زبردست قبیلہ نمودار ہوتا ہے جو تاریخ میں "سیتھین" کے نام سے مشہور ہے یہ وسط ایشیا سے بحر اسود کے شمالی کناروں تک پھیلا ہوا ہے اور اطراف میں مسلسل حملے کرتا رہتا اور متمدن اقوام پر تباہی لاتا رہتا ہے یہ زمانہ بابل و نینوی کے عروج اور آشوریوں کے تمدن کے آغاز کا زمانہ تھا پھر تقریباً ساڑھے چھ سو قبل مسیح میں ان کے ایک بڑے زبردست گروہ نے اپنی بلندیوں سے اتر کر ایران کا تمام مغربی حصہ تہ و بالا کر ڈالا۔

Marfat.com

اب ۵۲۹ قبل مسیح میں سائرس (کیخسرو) کا ظہور ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ اس کے ہاتھوں بابل کی تباہی بنی اسرائیل کی آزادی اور میڈیا وفارس کی دو سلطنتوں کی یکجا طاقت کا نظارہ سامنے آتا ہے اور ٹھیک خرقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے خصوصی امتیازات اس کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سیتھین قبائل کے مغربی حملوں سے حفاظت کے لئے اس کے ہاتھوں وہ سد قائم ہوئی ہے جس کا ذکر بار بار آرہا ہے۔

بہرحال ان تمام تاریخی مصادر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ خرقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق وہ یاجوج وماجوج جن کی حفاظت کے لئے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تیار کی، یہی سیتھین قبائل تھے جو ابھی تک اپنی وحشیانہ خصائص وخصائل کے اسی طرح حامل تھے جس طرح ان کے پیشرو اپنے مرکز میں رہتے ہوئے ان امتیازات کے ساتھ یاجوج وماجوج کہلا رہے تھے اور یہ دراصل ایک مزید ثبوت ہے اس دعوی کے لئے کہ ذوالقرنین" سائرس" کیخسرو ہی تھے۔

یاجوج وماجوج کے متعلق جس قدر بحث اس وقت تک کی جاچکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں ہیں بلکہ دنیا انسانی کی عام آبادی کی طرح وہ بھی حضرت نوح (علیہ السلام) کی ذریت میں سے ہیں اور یہ کہ یاجوج وماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا رہا ہے جو یورپ اور روس کی اقوام کے منبع ومنشا ہیں اور چونکہ ان کی ہمسایہ قوم ان قبائل میں سے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوچی کہتی تھی اس لئے یونانیوں نے ان کی تقلید میں ان کو میگ یا میگاگ اور یوگاگ کہا اور عبرانی اور عربی میں تصرف کرکے ان کو یاجوج وماجوج سے یاد کیا گیا۔

اب ان تاریخی حقائق کی تائید میں عرب مورخین اور محقق مفسرین ومحدثین کی تحقیق بھی قابل مطالعہ ہے تاکہ گذشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا اس کی تصویب ہوسکے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں تصریح فرماتے ہیں۔

ویافث ابو الترك فیاجوج وماجوج طائفة من الترك	اور یافث تاتاریوں کا نسلی باپ ہے پس یاجوج وماجوج تاتاریوں ہی کی ایک شاخ ہیں اور یہ منگولیا کے

Marfat.com

وھم مغلول المغلول وھم	قبائل کے منگولی ہیں اور دوسرے تاتاریوں کے مقابلہ
اشد باسا واکثر فسادًا من	میں بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ فسادی
ھؤلاء لہ	اور لوٹ مار مچانے والے ہیں

اور اپنی تفسیر میں بھی اسی کی تائید فرماتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ قبائل یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ان کا مولد وطن منگولیا کا وہی علاقہ ہے جہاں سے قوموں کے طوفان اٹھے اور اٹھ کر یورپ وغیرہ میں جا کر بسے ہیں۔

اور ابن اثیر نے کامل میں یہ تحریر فرمایا ہے۔

وقد اختلف الاقوال فیھم	یاجوج ماجوج کے متعلق مختلف اقوال ہیں اور صحیح
والصحیح انھم نوع من	قول یہ ہے کہ وہ تاتاریوں ہی میں سے ایک قسم کے
الترک لھم شوکۃ وفیھم	تاتاری ہیں وہ بہت طاقتور ہیں اور ان میں شر و فساد
شر وھم کثیرون وکانوا	کا مادہ بہت ہے اور وہ بہت بڑی تعداد رکھتے ہیں
یفسدون فیما یحاذیھم	اور قرب و جوار کی زمین میں فساد پھیلاتے اور جس بستی
من الارض ویخربون ما	پر قابو پا جاتے اس کو برباد کر ڈالتے تھے اور پڑوسیوں
قدروا علیہ من البلاد یؤذون	کو ایذا پہنچاتے رہتے تھے۔
من یقرب منھم ۱ ج ص ۶۸	

اور سید محمود آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

ان یاجوج وماجوج قبیلتان	یاجوج وماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں
من ولد یافث بن نوح علیہ	سے دو قبیلے ہیں اور وہب بن منبہ اسی پر یقین رکھتے
السلام وبہ جزم وھب بن	ہیں اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے

لہ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۰

Marfat.com

منبہ وغیرہ واعتمدہ کثیر

من المتاخرین (ج ۱۶ ص ۳۶

اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

وفی کلام بعضھم ان الترک منھم لما اخرجہ ابن جریر وابن مردویہ من طریق السدی من اثر قوی الترک سریۃ من سرایا یاجوج وماجوج (ج ۱۶ ص ۳۶)

اور بعض کہتے ہیں کہ ترک (تاتاری) ان ہی میں سے ہیں جیساکہ ابن جریر اور ابن مردویہ نے سدی سے ایک قوی اثر نقل کیا ہے کہ ترک (تاتاری) یاجوج وماجوج کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہیں۔

وفی روایۃ عن عبد الرزاق عن قتادہ ان یاجوج وماجوج ثنتان وعشرون قبیلۃ[1]

اور عبد الرزاق نے حضرت قتادہ سے روایت کی ہے کہ یاجوج اور ماجوج بائیس قبائل کا مجموعہ ہیں

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں یاجوج وماجوج سے متعلق جو کچھ نقل فرمایا ہے وہ بھی نقولِ بالا کی ہی تائید کرتا ہے[2] اور علامہ طنطاوی اپنی تفسیر جواہر القرآن میں لکھتے ہیں۔

"یاجوج وماجوج اپنی اصل کے اعتبار سے یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور یہ نام لفظ "اجیج النار" سے ماخوذ ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ اور شرارہ کے ہیں گویا ان کی شدت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے اور بعض اہل تحقیق نے ان کی اصل پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مغلوں (منگولیوں) اور تاتاریوں کا سلسلۂ نسب ایک شخص "ترک" نامی پر پہونچتا ہے اور یہی شخص ہے جس کو ابو الفدا ماجوج کہتا ہے۔

---

[1] ج ۱۶ ص ۳۶ [2] ج ۱۳ ص ۹۰

Marfat.com

پس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد منگولین اور تاتاری قبائل ہی ہیں ان قبائل کا سلسلہ ایشیا کے شمالی کنارہ سے شروع ہو کر تبت اور چین سے ہوتا ہوا محیط منجمد شمالی تک چلا گیا ہے اور غربی جانب ترکستان کے علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ ناکۃ الخلفاء اور ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق اور رسائل اخوان الصفا ان سب نے یہی کہا ہے کہ یہی قبائل یاجوج و ماجوج کہلاتے ہیں لہ

اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں یاجوج و ماجوج کے مستقر اور اس کے جغرافیائی حیثیت کو اس طرح واضح کیا ہے۔

ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جن کو قفجاق اور چرکس کہا جاتا ہے اور مشرق کی جانب یاجوج کی آبادیاں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط (Atlantic) سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہونچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلۂ کوہ کے درمیان "سد سکندری" واقع ہے۔ اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ "سد سکندری" ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے۔

اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ (خلیفہ عباسی) کا وہ خواب

لہ ج ۹ ص ۱۹۹

نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ "سد" کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے "سلام ترجمان" کو روانہ کیا اور اس نے واپس آکر اسی "سد" کے حالات واوصاف بیان کئے۔

اور ساتویں اقلیم کے دسویں حصہ میں ماجوج کی بستیاں ہیں جو مسلسل آخر تک چلی گئی ہیں یہ حصہ بحر محیط کے ساحل پر واقع ہے جو اس کے مشرقی شمالی حصہ کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے شمال میں تو طول میں چلا گیا ہے اور بعض مشرقی حصہ میں عرض میں گیا ہے۔[1]

ابن خلدون نے یاجوج و ماجوج اور سد کے متعلق اسی طرح اقلیم رابع، اقلیم خامس اور اقلیم سابع کی بحث میں بھی ضمناً بیان کیا ہے بلکہ اقلیم رابع میں یہ بھی تصریح ہے۔

وعلی قطعۃ من البحر المحیط	اور اقلیم رابع کے جزء عاشر کا ایک حصہ بحر محیط کے اوپر
ھنالك ھو جبل یاجوج ماجوج	واقع ہے اور یہ جبل یاجوج و ماجوج ہے اور یاجوج
وھذہ الامم کلھا من شعوب الترك[2]	و ماجوج تمام قبائل ترک ہیں۔

گزشتہ بحث میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ منگولیا یا کاکیشیا کے یہ قبائل جب تک اپنے مرکز میں رہتے ہیں یاجوج ماجوج کہلاتے ہیں اور جب وہاں سے نکل کر کہیں بس جاتے اور صدیوں بعد متمدن ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اس نام کو بھلا دیتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو اس وحشیانہ امتیاز سے یاد نہیں کرتے کیونکہ پھر یہ اپنے مرکز سے اس قدر اجنبی ہو جاتے ہیں کہ مرکز کے وحشی قبائل ان کو بھی اپنا حریف بنا لیتے اور ان پر غارت گری کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی اپنے ہی ہم نسل مرکزی وحشی قبائل سے اسی طرح خوف کھانے لگتے ہیں جس طرح دوسرے قبائل چنانچہ اس مسئلہ کی تائید حافظ عماد الدین ابن کثیر کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں۔

"حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ"   سدین سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۹۰ بحث الاقلیم السادس یہ واضح رہے کہ جبل قوقایا کوہ قاف اور جبال کاکیشیا ایک ہی چیز ہیں (مولف قصص القرآن)

وهما جبلان متناوحان بينهما ثغرة تخرج منها ياجوج وماجوج على بلاد الترك فيعيثون فيها فساداً ويهلكون الحرث والنسل[۱]

ہیں اوران کے درمیان شگاف ہے۔ اسی شگاف سے یاجوج وماجوج ترکوں کے شہروں پر آپڑتے اوران میں فساد مچادیتے اور کھیتوں اور نسلوں کو ہلاک اور برباد کرڈالتے تھے۔

یعنی یاجوج وماجوج بھی اگرچہ منگولی (تاتاری) ہیں مگر پہاڑوں کے درے جو تاتاری قبائل اپنے مرکز سے ہٹ کر آباد ہوگئے تھے اور متمدن بن گئے تھے ہم نسل ہونے کے باوجود دونوں میں اس قدر تفاوت ہوگیا کہ ایک دوسرے سے ناآشنا بلکہ حریف بن گئے اور ایک ظالم کہلائے اور دوسرے مظلوم اوران ہی قبائل نے ذوالقرنین سے سد بنانے کی فرمائش کی۔

اور بعض عرب مورخین نے تو "ترک" کی وجہ تسمیہ ہی یہ بیان کردی کہ یہ وہ قبائل ہیں جو یاجوج وماجوج کے ہم نسل ہونے کے باوجود سد سے ورے آباد تھے اور اس لئے جب ذوالقرنین نے سد قائم کی اوران کو اس میں شامل نہیں کیا تو اس چھوڑ دئے جانے کی وجہ سے وہ "ترک" کہلائے۔

یہ وجہ تسمیہ اگرچہ ایک لطیفہ ہے تاہم اس امر کا ثبوت ضرور بہم پہنچاتی ہے کہ متمدن قبائل تمدن و حضارت کے بعد اپنے ہم نسل مرکزی قبائل سے اجنبی ہوجاتے تھے اور وہ یاجوج وماجوج نہیں کہلاتے تھے اور لفظ یاجوج وماجوج صرف ان ہی قبائل کے لئے مخصوص ہوگئے ہیں جو اپنے مرکز میں سابق کی طرح ہنوز وحشت، بربریت اور درندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

سد | یاجوج وماجوج کے اس تعین کے بعد دوسرا مسئلہ "سد" کا سامنے آتا ہے یعنی وہ "سد" کس جگہ واقع ہے جو ذوالقرنین نے یاجوج وماجوج کے فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے بنائی اور جس کا ذکر قرآن عزیز میں بھی کیا گیا ہے۔

تعیین سد سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یاجوج وماجوج کی تاخت وتاراج اور

---

[۱] تفسیر ج ۲ ص ۱۰۳ جدید ایڈیشن ۔ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۲

Marfat.com

شر و فساد کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم سے نالاں تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ان کی شمالی دستبرد سے محفوظ نہ تھے اس لئے صرف ایک ہی غرض کے لئے یعنی قبائل یاجوج و ماجوج کے شر و فساد اور لوٹ مار سے بچنے کے لئے مختلف تاریخی زمانوں میں متعدد "سد" تعمیر کی گئیں۔ ان میں سے ایک "سد" وہ ہے جو دیوارِ چین کے نام سے مشہور ہے یہ دیوار تقریباً ایک ہزار میل طویل ہے اس دیوار کو منگولی اتکو وہ کہتے ہیں اور ترکی میں اس کا نام بوقورقہ ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمز کے قریب واقع ہے اور اس کے محلِ وقوع کا نام دربند ہے یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے ندیم خاص سیلابر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاویجو نے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور صاحبقراں کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس جگہ سے گذرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی "سد" موصل کے اس راستے پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے۔[۱]

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اس کو "الباب" بھی لکھ دیتے ہیں یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے۔

"داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) اغربی کے کنارہ واقع ہے اس کا عرض البلد ۴۳-۳ شمالاً اور طول البلد ۴۸-۱۵ شرقاً ہے اور اس کو دربند نوشیروان بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے اور اس کے اطراف و جوانب کو قدیم زمانہ سے چہار دیوار گھیرے ہوئے ہیں جن کو قدیم مورخین ابواب البانیہ کہتے آئے

[۱] جواہر القرآن ج ۹ ص ۱۹۸

Marfat.com

ہیں اور اب یہ خستہ حالت میں ہے اور اس کو باب الحدید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی سد کی دیواروں میں لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے [1]

اور جب اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں بڑھتے ہیں تو ایک درّہ ملتا ہے جو درّہ داریال کے نام سے مشہور ہے اور یہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے گزرا ہے یہاں ایک چوتھی سد ہے جو قفقاز یا جبل قوقایا جبل قاف کی سد کہلاتی ہے اور یہ سد دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے۔ بستانی اس کے متعلق لکھتا ہے۔

اور اسی کے قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالبًا اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال نہیں معلوم ہو سکا۔ بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی اور بعض نے کسریٰ و نوشیرواں کی جانب اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تیار کی گئی ہے [2]

اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی "دربند" کے مقالہ میں اس آہنی دیوار کا حال قریب قریب اسی کے بیان کیا گیا ہے [3]

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد کے تعین میں سخت اشکال پیدا ہو گیا ہے اور اسی لئے ہم مورخین میں اس مقام پر سخت اختلاف پاتے ہیں اور اس اختلاف نے ایک دلچسپ صورت اختیار کر لی ہے اس لئے کہ دربند کے نام سے دو مقامات کا ذکر آتا ہے اور دونوں مقامات میں سد یا دیوار بھی موجود ہے اور غرض بنا بھی ایک ہی نظر آتی ہے۔

تو اب دیوار چین کو چھوڑ کر باقی تین دیواروں کے متعلق قابل بحث یہ بات ہے کہ ذوالقرنین

---

[1] دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۵۱ [2] معجم البلدان ج ۸ ص ۹ [3] دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۵۲

[3] نواں ایڈیشن ج ۷ لفظ دربند ص ۱۰۶

Marfat.com

کی سدان تینوں میں سے کون سی ہے اور اس سلسلہ میں جس دربند کا ذکر آتا ہے وہ کون سا ہے

مورخین عرب میں سے مسعودی قزوینی اصطخری حموی سب اسی دربند کا ذکر کر رہے ہیں جو بحر خزر پر واقع ہے وہ کہتے ہیں کہ اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے بھی دیوار ملتی ہے اور شہر کے بعد بھی دیوار ہے اگرچہ ایک دیوار چھوٹی ہے اور دوسری بڑی مگر شہر سد یا دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور ایران کے لئے یہ مقام خاص اہمیت رکھتا ہے اور دیوار سے پرے بسنے والے قبائل کی زد سے بچاتا ہے البتہ ابوالفداء اور بعض اس سے ناقل مورخین کو یہ غلطی ہو گئی کہ انھوں نے بخارا اور ترمذ کے قریب دربند کو اور بحر خزر کے قریب دربند کو ایک سمجھ کر ایک کے حالات کو دوسرے کے ساتھ خلط کر دیا ہے۔

مگر ادریسی نے دونوں کی جغرافیائی حالت کو مفصل اور جدا جدا بیان کر کے اس خلط کو دور کیا اور اصل حقیقت کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔

اس کے باوجود حال کے بعض اہل قلم کو اس غلطی پر اصرار ہے کہ سد ذوالقرنین یا سد سکندری کے سلسلہ میں جس سد کا ذکر آتا ہے اس سے بحر خزر یا بحر قزوین کا دربند مراد نہیں ہے بلکہ بخارا و ترمذ کے قریب جو دربند حصار کے علاقہ میں واقع ہے وہ مراد ہے [۱]

بہرحال یہ مورخین بحر خزر اور کاکیشیا کے علاقہ دربند (باب الابواب) کی دیوار کے متعلق یہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن عزیز میں جس سد کا ذکر ہے وہ یہی ہے مگر یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ کوئی اس کو سد سکندری کہتا ہے اور کوئی سد نوشیروانی غرض دربند کے متعلق جب بھی مورخین کو خلط ہو جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی محقق اس کو دور کر کے یہ ضرور واضح کر دیتا ہے کہ سد ذوالقرنین کا تعلق اس دربند سے ہے جو کاکیشیا میں بحر خزر کے کنارہ واقع ہے اس دربند سے نہیں ہے جو بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے۔

[۱] صدق ۱۰ راگست ۱۹۴۶ء مضمون "سد سکندری"

Marfat.com

چنانچہ وہب بن منبہ فرماتے ہیں۔

قرآن عزیز میں جو "بین السدین" آیا ہے تو سدین سے مراد جبلین ہے یعنی دو پہاڑ کہ جن کے درمیان سد قائم کی گئی ہے پہاڑ کی یہ دونوں چوٹیاں بہت بلند ہیں اور ان کے پیچھے بھی آبادیاں ہیں اور ان کے سامنے بھی اور یہ دونوں منگولین سرزمین کے اس آخری کنارہ پہ واقع ہیں جو آرمینیہ اور آذربیجان کے متصل ہے [۱]

اور علامہ ہروی فرماتے ہیں۔

یہ دو پہاڑ کہ جن کے درمیان ذوالقرنین کی سد قائم ہے تاتاری قبائل کے درے واقع ہیں۔ (یعنی سد ان کو اس جانب آنے سے روکنے کے لئے بنائی گئی ہے) [۲]

اور امام رازی تحریر فرماتے ہیں۔

زیادہ صاف بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کا جائے وقوع جانب شمال میں ہے اور (تعین میں) بعض نے کہا ہے کہ وہ دو پہاڑ آرمینیہ اور آذربیجان کے درمیان واقع ہیں اور بعض نے کہا کہ تاتاری قبائل کی سرزمین کا جو آخری کنارہ ہے وہاں واقع ہیں۔

اور طبری نے اپنی "تاریخ" میں بیان کیا ہے کہ شاہ آذربیجان نے جب کہ وہ اس کو فتح کر چکا تھا ایک شخص کو خزر (بحر فزدین) کے اطراف سے بلایا کہ وہ صاحب آذربیجان کو بالمشافہ سد کے حالات سنائے۔ اس نے بتایا کہ وہ پہاڑوں کے درمیان ایک بلند سد ہے اور اس کے اس جانب بہت بڑی خندق ہے جو نہایت گہری ہے۔

اور ابن خرداذبہ نے کتاب المسالک والممالک میں بیان کیا ہے کہ واثق باللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا اس نے اس سد کو کھول ڈالا ہے اس خواب کی بنا پر اس نے اپنے بعض عمال کو اس کی تحقیق کے لئے بھیجا تاکہ وہ اس کا معائنہ کریں سو یہ لوگ باب الابواب سے آگے بڑھے

---

[۱] و [۲] تفسیر البحر المحیط ابوحیان اندلسی ج ۶ ص ۱۶۳

Marfat.com

اور ٹھیک سد کے مقام پر پہنچ گئے انھوں نے واثق باللہ سے آکر بیان کیا کہ یہ سد لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبا شامل کیا گیا ہے اور اس کا آہنی دروازہ مقفل ہے پھر جب انسان وہاں سے واپس ہوتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں واقع ہیں ۔[۱]

ابوریحان بیرونی کہتے ہیں کہ اس تعارف کا مقتضا یہ ہوا کہ وہ زمین کے ربع شمال مغربی میں واقع ہے۔

اور سید محمود آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

یہ دو پہاڑ ارمن متعین جہت شمالی میں واقع ہیں اور کتاب خرقیل علیہ السلام میں حرج کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ وہ شمال کی جانب سے آخری دنوں میں آئیں گے اس سے بھی یہی مراد ہے اور کاتب چلپی کا میلان بھی اسی جانب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے آرمینیہ اور آذربیجان کے پہاڑ مراد ہیں اور قاضی بیضاوی کی رائے بھی یہی ہے اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی یہی روایت ہو اگرچہ اس قول کا تعاقب کیا گیا ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے ان اقوال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس کا مصداق باب الابواب (دربند بحر قزوین) ہے حالانکہ ان ہی مورخین کے نزدیک اس کا بانی کسریٰ نوشیرواں ہے ۔[۲]

اور ابن ہشام "ترک" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت مسلمان ہوگئی تھی اس لئے جب ذوالقرنین نے آرمینیہ میں (یعنی ان پہاڑوں میں جو آرمینیہ سے آگے دور تک چلے گئے ہیں) سد بنانی شروع کی تو ان کو سد کے اس جانب چھوڑ دیا پس اس ترک کرنے پر وہ "ترک" کہلائے" ترکهم فسموا الترك لذلك ۔[۳]

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۳ و طبری ص ۲۵۶ [۲] خلاصہ روح المعانی ج ۱۶ ص ۳۵ [۳] کتاب التیجان

اور حضرت استاذ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (نور اللہ مرقدہٗ) عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں ....

"قرآن عزیز نے ذوالقرنین کے تیسرے سفر کی جہت کا ذکر نہیں کیا اور قرینہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شمال کی جانب تھا اور اسی جانب اس کی سد ہے جو قفقاز کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اور جس غرض کے لئے ذوالقرنین نے سد بنائی تھی اسی غرض کے لئے اور بادشاہوں نے بھی سد تعمیر کی ہیں۔ مثلاً چینیوں نے دیوار چین بنائی جس کو منگولین انکوہ اور ترک بوقورقہ کہتے ہیں صاحب ناسخ التواریخ نے اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور اسی طرح بعض عجمی بادشاہوں نے دربند (باب الابواب) کی سد کی تعمیر کی اور اسی طرح اور سد بھی ہیں جو شمال ہی کی جانب ہیں[1]

اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں کاکیشیا کے علاقہ یا بحر قزوین کے کنارہ واقع دربند (باب الابواب) کے متعلق جو مقالہ ہے اس میں تحریر ہے۔

یہاں جو دربند ہے یزدگرد اول نے دوبارہ صاف کرایا اور اس کی مرمت کرائی اس دیوار کو سکندر اعظم کی جانب منسوب کیا جاتا ہے[2]

اور دوسری جگہ بحر خزر کے متعلق تحریر ہے

"رسالہ اخوان الصفا میں جو بحر یاجوج وماجوج کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد بحر کاسپین یعنی بحر خزر ہے[3]

پس عرب مورخین محدثین، مفسرین اور محققین تاریخ کے ان حوالجات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) کوئی ایک مورخ بھی یہ صراحت نہیں کرتا کہ دربند ضلع حصار کی سد "سد سکندری" ہے

(۲) ابوالفداء اور بعض مورخین کو دربند کے متعلق یہ غلط ہو گیا ہے کہ وہ بحر قزوین والے

---

[1] ملخص عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۱۹۸ [2] ج ۱ ص ۹۴۰ [3] ص ۲۴۴ الحبث یاجوج وماجوج

Marfat.com

دربند کا ذکر شروع کرتے ہیں اور پھر ترمذ (بخارا) والے دربند (حصار) کے ساتھ اس کو ملا دیتے ہیں۔ اور دونوں کے درمیان امتیاز کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

(۳) باقی تمام محققین مورخین ہوں یا محدثین ومفسرین امتیاز کے ساتھ بہ تصریح کر رہے ہیں کہ جو "سدِ سکندری" کے نام سے مشہور ہے وہ وہی ہے جو بحر قزوین کے قریب دربند (باب الابواب) میں واقع ہے۔

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور دائرۃ المعارف بستانی میں بھی (جو کہ جدید وقدیم تحقیق کا ذخیرہ ہیں) یہی ہے حتیٰ کہ برٹانیکا جلد ۱۳ ص ۲۶ ۵ طبع یازدہم میں جو دربند ضلع حصار کا مختصر حال بیان کیا ہے اس میں بھی اس سد کو سدِ سکندری نہیں بتایا بلکہ اس کے برعکس بحر قزوین والے دربند کی سد کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس کی نسبت سکندر کی جانب کی جاتی ہے اور اس لئے سدِ سکندری کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) وہب بن منبہ ابوحیان اندلسی صاحب ناسخ التواریخ (جو ایران کا درباری مورخ ہے) بستانی اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ نے دربند "بحر قزوین" کے متعلق یہ توجہ دلائی ہے کہ سدّ ذوالقرنین اس دربند بحر قزوین میں نہیں ہے بلکہ اس سے بھی دیرہ قفقاز کے آخری کنارہ پر پہاڑوں کے درمیان واقع ہے چنانچہ مولانا ابوالکلام نے اپنی تفسیر میں اس کا درہ داریال کے نام سے ذکر کیا ہے

اب ان چاروں باتوں سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیجئے اور اس مسئلہ میں بھی سابق کی طرح قرآن عزیز ہی کو حکم بنایئے تاکہ معاملہ واضح سے واضح تر ہو جائے۔

سدّ ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے دو باتیں صاف صاف بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ سدّ دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور اس نے پہاڑوں کے درمیان اس "درہ" کو بند کر دیا ہے جہاں سے ہو کر یاجوج وماجوج اس جانب کے بسنے والوں کو تنگ کرتے تھے حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ (اَیْ بَیْنَ الجبلین) وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا قَالُوْا

لہ سدین کی تفسیر امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں روایت کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے اس میں ہے (باقی ص ۲۲۴ پر)

Marfat.com

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ" یہاں تک کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے اس طرف ایک ایسی قوم کو پایا جن کی بات وہ پوری طرح نہیں سمجھتا تھا وہ کہنے لگے اے ذوالقرنین بلاشبہ یاجوج وماجوج اس سرزمین میں فساد مچاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ وہ سد چونے یا اینٹ گارے سے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ لوہے کے ٹکڑوں سے تیار کی گئی ہے جس میں تانبا پگھلا ہوا شامل کیا گیا تھا" اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا" میں تمہارے اور ان کے (یاجوج وماجوج کے) درمیان ایک موٹی دیوار قائم کردوں گا تم میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاکر دو یہاں تک کہ پہاڑ کی دونوں پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان جب دیوار کو برابر کردیا تو اس نے کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب دھونک کر اس کو آگ کردیا کہا لاؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ کہ اس پر ڈالوں[1]

قرآن عزیز کی بتائی ہوئی ان دونوں صفات کو سامنے رکھ کر اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ بغیر کسی تاویل کے ان کا مصداق کون سی سد ہوسکتی ہے اور کس سد پر یہ صفات ٹھیک صادق آتی ہیں سب سے پہلے ہم اس سد پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو دربند (حصار) میں واقع ہے۔ اس سد کے حالات ساتویں صدی کے ایک چینی سیاح نے ہی نہیں بیان کئے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) شاہ رخ کے جرمنی مصاحب سیلد برجر اور ہسپانوی سفیر کلاویجو نے بھی پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انھوں نے بھی یہ کہا ہے کہ یہاں آہنی پھاٹک لگے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳) ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی) یا رسول اللہ میں نے سد کو دیکھا ہی نہیں ہے جیسے یمنی چادر" مثل البحر والمجر آپ نے فرمایا تو نے ضرور اس کو دیکھا ہے قال قد رأیتہ

یہ روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس شخص نے لوہے تانبے سے مخلوط بنی ہوئی دیوار کو دیکھا کیونکہ "حبرہ" کے معنی اس زردی کے آتے ہیں جو دھاتوں پر جمی ہوئی نظر آتی ہے اور یمنی چادریں سیاہ اور زرد یا سیاہ اور سرخ مخلوط دھاری دار ہوتی تھیں اس روایت کے موصول ہونے نہ ہونے میں کلام ہے جو فتح الباری میں قابل مراجعت ہے ۲ے و ۱۵۳ الجواہر طنطاوی ج ۱ ص ۱۹۸

ہیں مگر مورخین یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ سد (دیوار) پتھر اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور آہنی دروازوں کے علاوہ دیوار کسی جگہ بھی لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے اور لوہے کے پھاٹکوں کی وجہ سے اس کو بھی اسی طرح درہ آہنی کہتے ہیں جس طرح دربند (بحر قزوین) کو درہ آہنی کہا جاتا ہے۔

نیز یہ دیوار جس طرح پہاڑوں کے درمیان میں چلی گئی ہے اسی طرح اس کا ایک حصہ سطح زمین پر بھی بنایا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف دو پہاڑوں کی پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان ہی میں قائم کی گئی ہو۔

پس اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا قرآنی تصریحات کے قطعاً خلاف ہے اور غالباً اسی وجہ سے کسی ایک مورخ نے بھی (جو کہ دربند) حصار اور دربند (بحر قزوین) کے درمیان امتیاز کر سکے ہیں) اس دیوار (سد) کو سد ذوالقرنین یا سد سکندری نہیں کہا۔

مگر تعجب ہے محترم مدیر صاحب صدق سے کہ انھوں نے قرآنی تصریحات کو سامنے رکھے بغیر تمام مورخین کے خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ دربند (حصار) کی دیوار (سد) ہی "سد سکندری" یعنی سد ذوالقرنین ہے۔ شاید وہ اس جدت کے لئے اس لئے مجبور ہوئے ہیں کہ ایک تو ان کا مسلک یہ ہی کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسرے اس جانب میں سکندر کی فتوحات کی آخری حد اسی علاقہ تک ہے جیسا کہ ۱۸ اگست ۱۹۴۱ء کے صدق کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"سکندر اعظم اپنی تیسری فوج کشی میں اسی علاقہ تک گیا تھا"

ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کی صراحت کے بعد وہ مجبور ہیں کہ دربند (حصار) کی سد ہی سد ذوالقرنین تسلیم کریں۔ مگر اس سے زیادہ یہ ظاہر ہے کہ اس سد پر نہ قرآن عزیز کی بیان کردہ صفات ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ کوئی مورخ ہی اس کو سد سکندری یا سد ذوالقرنین کہتا ہے اور بالفرض اگر اس کو سکندر کی تعمیر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی وہ سد ذوالقرنین کسی طرح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ قرآنی صفات کے مطابق نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا نمبر دربند (بحر قزوین) کی دیوار (سد) کو زیر بحث لانے کا ہے اس کے متعلق

Marfat.com

یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کو عرب باب الابواب اور الباب کہتے ہیں اور اہل فارس در بند اور درہ آہنی نام رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بڑی کثرت سے مورخین اس دربند کی دیوار (سد) کو "سد سکندری" کہتے چلے آئے ہیں مگر محققین یہ بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہے البتہ اس کو سد سکندری بھی کہہ دیتے ہیں اور کاکیشین وال (کاکیشیا کی دیوار) اور دیوار نوشیرواں بھی۔

لیکن ہم اس بحث کو مؤخر کرتے ہوئے کہ اس کے متعلق یہ اضطراب بیانی کیوں ہے اس سد کو سد ذوالقرنین جب ہی مان سکتے ہیں کہ یہ قرآن عزیز کے بیان کردہ ہر دو صفات کے مطابق پوری اترے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس دیوار کے عرض وطول اور اس کے حجم کی تفصیلات دیتے ہوئے تمام مورخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دیوار کا بھی بہت بڑا حصہ سطح زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اور آگے بڑھ کر پہاڑ پر بھی بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ اگرچہ یہ دیوار بعض جگہ دوہری بھی ہے اور اس میں متعدد لوہے کے پھاٹک بھی ہیں جن میں سے بعض بعض پہاڑوں کے درمیان قائم ہیں اور پہاڑوں پر اس کے استحکامات بھی بہت ہیں۔ تاہم یہ دیوار لوہے کے ٹکڑوں اور تانبے سے نہیں بنائی گئی بلکہ عام دیواروں کی طرح پتھر اور چونہ ہی سے بنائی گئی ہے پس اس کا بانی کوئی شخص بھی ہو اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اب اس کو "سد سکندری" کہنا سو ہمیں اس سے انکار کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اگر تاریخی حقائق اس دعوے کا ساتھ دیتے مگر حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی مورخین جب سکندر مقدونی کا ذکر کرتے اور اس کی وسعتِ فتوحات کو زیر بحث لاتے ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ سکندر اعظم کاکیشیا تک پہنچا ہو اور بقول مولانا ابو الکلام

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کر دئے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اسطرح کی توجیہات قابلِ اطمینان تسلیم کر لی جائیں [1]

---

[1] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۲۸

یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سکندر اعظم کی جانب یہ انتساب صحیح ہے۔

امریکہ کے ایک مشہور جغرافیہ داں کریم (cram) نے اپنے جغرافیہ کریمس یونیورسل اٹلس (crames uiiuersal Aitl as.) میں سکندر اعظم کی سلطنت سنہ ۳۳۱-۳۰۱ قیام کا جو مکمل نقشہ تیار کیا ہے اس میں بھی کاکیشیا کا علاقہ اس کی فتوحات سے سینکڑوں میل دور نظر آتا ہے۔

بہرحال اکثر مورخین تو اس کا بانی نوشیرواں کو بتاتے ہیں اور جو نفیس سکندر کو اس کا بانی قرار دیتا ہے مگر بیان کردہ تاریخی حقائق کے پیش نظر نہ نوشیرواں کی نسبت صحیح ہے اور نہ سکندر اعظم کی اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی نسبت کو بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس کو "سد ذوالقرنین" کہنا حقائق قرآنی سے آنکھیں بند کر لینا ہوگا پس دربند (حصار) ہو یا دربند (بحر خزر) دونوں کی سد "سد ذوالقرنین" نہیں ہے۔

تیسری قابل ذکر وہ سد ہے جو دربند (قزوین) یا کاتین داں کے مغرب جانب میں ایک درہ کو بند کرتی ہے یہ درہ بند سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں آگے بڑھتے ہوئے ملتا ہے اور درۂ داریال کے نام سے مشہور ہے اور ققفاز اور تفلس کے درمیان واقع ہے یہ یہ درہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے ہو کر گذرا ہے اور قدرتی طور پر پہاڑ کی دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے اس کو فارسی میں درۂ آہنی اور ترکی میں دامر کپو کہتے ہیں۔

اس درہ کے متعلق گذشتہ صفحات میں امام رازی کی تفسیر سے اس تشریح کے بعد یہ "دو پہاڑ جن کے درمیان سد واقع ہے ققفاز میں ہے" ہم ابن خرداد کی کتاب المسالک کا یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ واثق باللہ نے جب اپنے خواب کی تعبیر کے پیش نظر سد ذوالقرنین کی تحقیق کے لئے تحقیقاتی وفد (ریسرچ کمیشن) مقرر کیا اور اس نے باب الابواب (دربند) سے آگے چل کر جب اس کا مشاہدہ کیا ہے تو یہ تصریح کی ہے کہ یہ دیوار تمام کی تمام لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے بنائی

---

۱ ص ۲۰۸

Marfat.com

گئی ہے اصل الفاظ یہ ہیں" ان الواثق باللہ رائی فی المنام کانہ فتح ھذا الروم فبعث بعض الخدم الیہ لیعاینوہ فخرجوا من باب الابواب حتی وصلوا الیہ وشاھدوہ فوصفوا انہ بناء من لبن من حدید مشدود بالنحاس المذاب وعلیہ باب مقفل"[1]

---

[1] دریتد نامہ کاظم بک ص ۲۱' یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض معاصر بزرگ زیر بحث سد کے متعلق یہ شک ظاہر کرتے ہیں کہ یاقوت نے واثق باللہ کے تحقیقاتی وفد کی تفصیلات دیتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ اس سفر کی آمد و رفت میں چھ ماہ صرف ہوئے پس اگر ذوالقرنین کی سد دره داریاں کی سد ہوتی تو بغداد سے کاکیشین (کوہ قاف) کی راہ ایسی طویل نہیں ہے کہ یہ وفد اتنی مدت میں واپس آتا۔

مگر یہ "شک" صرف ایک قیاسی مغالطہ ہے اس لئے کہ اول تو یاقوت حموی نے اس واقعہ کی تفصیلات کو خود ہی اہمیت نہیں دی اور ایک داستان کی طرح اس کا ذکر کر دیا ہے جیسا کہ سلام ترجمان سے منقول اس داستان کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے۔

قد کتبت من خبر السد ما وجدتہ	میں نے سد کے حالات میں ان واقعات کو لکھ
فی الکتاب ولست اقطع بصحتہ ما	دیا ہے جنکو میں نے کتابوں میں لکھا پایا اور میں نے
اوردتہ لاختلاف الروایات فیہ	یہ جو کچھ بھی نقل کیا ہے میں ہرگز اس پر یقین نہیں
واللہ اعلم بصحتہ	کرتا کیونکہ اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں
(معجم البلدان ج ۵)	جن کی صحت پر یقین نہیں کیا جا سکتا

دوسرے مدتِ سفر کی اس تصریح پر جب کچھ کہا جا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ تفصیلات بھی بیان کی جاتیں کہ ذرائع رسل و رسائل کیا تھے درمیانی مقامات میں آمد و رفت کے موقعوں پر کس قدر قیام رہا اور مقام مطلوب میں مدتِ قیام کیا رہی جب کہ عراق سے کاکیشس (جبل قوقایا) کی پہاڑیوں تک تقریباً آٹھ سو نو سو میل کی ایک طرفہ مسافت ہے۔

۲۱۹

علاوہ ازیں اس واقعہ کا ذکر ابن خلدون' ابن خرداذبہ' ابن کثیر (رحمہم اللہ) جیسے محقق مورخین (باقی برص

Marfat.com

پس جب کہ آج کے مشاہدے سے بھی یہ ثابت ہے کہ داریال کا یہ درہ پہاڑوں کی دو چوٹیوں کے درمیان گھرا ہوا ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کو تسلیم کرتے اور واضح کرتے ہیں نیز واثق باللہ کے کمیشن نے اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا ہے کہ یہ دیوار لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے تیار کی گئی ہے بلاشبہ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہی دیوار وہ "سد ذوالقرنین" ہے جس کا ذکر قرآن عزیز نے سورۂ کہف میں کیا ہے۔ کیونکہ قرآن عزیز کے بتائے ہوئے دونوں وصف صرف اسی دیوار پر منطبق ہوتے ہیں اسی لئے وہب، ابو حیان، ابن خرداذ، علامہ انور شاہ اور مولانا آزاد جیسے محققین کی یہی رائے ہے کہ سد ذوالقرنین قفقازکے اسی درہ کی سد کا نام ہے۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم کو کہنے دیجئے کہ درہ داریال کی یہ سد سائرس (گورش یا کیخسرو) کی تعمیر کردہ ہے اور جیسا کہ ہم یاجوج ماجوج کی بحث میں بیان کر چکے ہیں" یہ ان وحشی قبائل کے لئے اس نے بنائی تھی جو کاکیشیا کے انتہائی علاقوں سے آکر اور اس درہ میں سے گذر کر قفقازکے پہاڑوں کے اس طرف بسنے والوں پر لوٹ مار مچاتے تھے اور یہ وہی سیتھین قبائل تھے جو سائرس کے زمانہ میں حملہ آور ہو رہے تھے اور اس وقت کے یاجوج ماجوج کا مصداق یہی قبائل تھے اور ان ہی کی روک تھام کی ضرورت سے سائرس نے ایک قوم کی شکایت پر یہ "سد" تیار کی اور ارمنی نوشتوں میں اس سد کا جو قدیم نام "بھاک کورائی" (کور کا درہ) لکھا چلا آتا ہے اس کور سے مراد غالباً گورش ہے جو سائرس ہی کا فارسی نام ہے۔

اور اس کے قریب دربند (بحر خزر) کی دیوار اس کے بعد اسی غرض سے کسی دوسرے بادشاہ نے بنوائی ہے اور انوشیرواں نے اپنے زمانہ میں اس کو دوبارہ صاف اور درست کرایا ہے جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے حوالہ سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸) جغرافیہ داں بھی کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ واثق باللہ کا یہ وفد اسی زیر بحث سد تک گیا ہے اور واپس ہو کر اسی کے حالات اس نے خلیفہ کو سنائے ہیں۔

Marfat.com

اور ان تینوں دیواروں (سد) میں سے سکندر کی بنائی ہوئی کوئی ایک سد بھی نہیں ہے اس لئے کہ سکندر کی فتوحات کی تاریخ جو کہ سامنے ہے اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سکندر کو اس غرض کے لئے کسی سد قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو کیونکہ اس کی حکومت کے سارے دور میں یاجوج و ماجوج قبائل کا کوئی حملہ تاریخ میں موجود نہیں ہے اور نہ دربند (حصار) تک پہنچنے پر کسی قوم کا اس قسم کے وحشی قبائل سے دوچار ہونا اور سکندر سے اس کی شکایت کرنا تاریخی حقائق میں کہیں نظر آتا ہے۔

البتہ یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ آخر دربند (بحر قزوین یا بحر خزر) کی دیوار کے متعلق سد سکندری کیوں مشہور ہوا سو اس سلسلہ کے تمام حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد بآسانی اس کا یہ حل سمجھ میں آ جاتا ہے کہ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق یہود کی مذہبی روایات سے بہت زیادہ وابستہ ہے اور اسی لئے یہود کے سوال پر قرآن عزیز نے بھی اس کا ذکر کیا ہے تو اس بدعت اور غلط انتساب کی ابتدا بھی وہیں سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے جوزیفس نے اس کے متعلق یہ بلا دلیل بیان کیا کہ یہ سد سد سکندری ہے اور وہیں سے یہ روایت چل گئی اور مورخین اسلام میں سے محمد بن اسحاق نے بھی چونکہ سکندر یونانی کو ذوالقرنین بتایا اس لئے مسلمانوں نے بھی اس سد کو سد سکندری کہنا شروع کر دیا اور آخر کار اس انتساب نے شہرت حاصل کر لی۔

مذکورہ بالا سد کے متعلق اگرچہ اکثر عرب مورخین یہی کہتے جاتے ہیں کہ وہ انوشیرواں کی بنائی ہوئی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کے بانی کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکا البتہ تاریخی قیاسات سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید اس کی مرمت اور درستی انوشیرواں نے اپنے زمانہ میں کرائی ہو اور اسی وجہ سے وہ انوشیرواں کی جانب منسوب کر دی گئی ہو۔ بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس سد کو سد سکندری کہنا ایک افواہی انتساب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا نیز سکندر مقدونی جو انگریزی تاریخوں میں گریٹ الیگزنڈر" کہا جاتا ہے کسی طرح "ذوالقرنین" نہیں ہو سکتا اور نہ "سد ذوالقرنین" سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

یاجوج و ماجوج کا خروج

ذوالقرنین یاجوج و ماجوج اور سد کی ...... بحث کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ یاجوج و ماجوج کے اس خروج کا ہے جس کا ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے اور اس مسئلہ کی اہمیت اس

Marfat.com

لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق علاماتِ قیامت سے ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ خروج "یاجوج و ماجوج" کا مسئلہ کہ جس کی خبر قرآن عزیز نے بطور پیشین گوئی کے دی ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو محض ظنی قیاسات سے حل کر لیا جائے اور جب کہ اس مسئلہ کا تعلق قرآن عزیز کے "اخبارِ مغیبات" سے ہے تو پھر اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بھی قرآن عزیز ہی کو پہونچتا ہے نہ کہ ظن و تخمین کو قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ سے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ صرف ان دو سورتوں میں مذکور ہے۔

سورۂ کہف میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ	پس نہیں طاقت رکھتے وہ (یاجوج و ماجوج) اس سد پر
مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۝ قَالَ هٰذَا	چڑھنے کی اور نہ وہ اس میں سوراخ کرنے کی طاقت
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ	رکھتے ہیں (ذوالقرنین) نے کہا یہ میرے پروردگار کی
رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ	رحمت ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو گرا کر
رَبِّيْ حَقًّا۝	ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات (سچی ہے)

اور سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَا	یہاں تک کہ جب کھول دئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج
جُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ	اور وہ زمین کی بلندیوں سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے
يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ	اور خدا کا سچا وعدہ قریب آ جائے تو اس وقت اچانک ایسا
الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ	ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا	جائیں گی اور پکار اٹھیں گے) ہائے کم بختی ہماری کہ
فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ	ہم بے خبر رہے۔

ان دونوں مقامات میں قرآن عزیز نے ایک تو یہ بتایا ہے کہ جس زمانہ میں "ذوالقرنین" نے یاجوج و ماجوج" پر سد قائم کی تو اس کے استحکام کی یہ حالت تھی کہ یہ قومیں نہ اس کو پھاند کر اس جانب آ سکتی تھیں

Marfat.com

اور نہ اس میں سوراخ پیدا کر کے اس کو عبور کر سکتی تھیں اور سد کی اس مضبوطی اور پائیداری کو دیکھ کر ذوالقرنین نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ کہا کہ یہ سب کچھ خدا کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے مجھ سے یہ نیک خدمت کرا دی۔

اور دوسری بات یہ بیان کی ہے کہ جب قیامت کا زمانہ قریب ہو گا تو یاجوج و ماجوج بیشمار فوج در فوج نکل کر دنیا میں پھیل جائیں گے اور لوٹ مار اور تباہی و بربادی مچا دیں گے۔

ان دونوں باتوں سے عام طور پر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یاجوج و ماجوج "سد ذوالقرنین" میں اس طرح محصور ہو گئے ہیں کہ یہ "سد" قیامت تک اسی طرح صحیح و سالم کھڑی رہے گی اور جب یاجوج و ماجوج کے خروج کا وقت آئے گا اور وہ قیامت کے قریب اور علامات قیامت میں سے ہو گا تو اس وقت یہ بار گی "سد" گر کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور اس لئے انھوں نے دونوں مقامات میں اسی کے مطابق آیات کی تفسیر کی ہے چنانچہ انھوں نے سورۂ انبیاء کی اس آیت کا حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ کا یہ ترجمہ کر کے "یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج سد توڑ کر کھول دئے جائیں گے" اس ارشاد الٰہی کو ذوالقرنین کے اس مقولہ کے ساتھ جوڑ دیا جو کہف میں مذکور ہے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ "پھر میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔

مگر آیات کے سیاق و سباق اور ان کے مفہوم پر غائر نظر ڈالنے سے یہ تفسیر آیات قرآنی کا حق ادا نہیں کرتی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن عزیز نے سورۂ کہف میں تو صرف اسی قدر ذکر کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج پر جب ذوالقرنین نے سد تعمیر کر دی تو اس کے استحکام کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ جب میرے خدا کا وعدہ آ جائے گا تو یہ سد ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور خدا کا وعدہ برحق ہے اور اس کے خلاف ہونا محال و ممتنع ....

مگر اس جگہ یاجوج و ماجوج کے اس خروج کا کوئی ذکر نہیں ہے جو قیامت کے قریب وقوع میں آئے گا اور ہو تا بھی کیسے کیونکہ یہ تو ذوالقرنین کا اپنا مقولہ ہے جو سد کے مستحکم اور مضبوط ہونے کے سلسلہ

Marfat.com

میں کہا گیا ہے اور خروجِ یاجوج وماجوج ان اخبار مغیبات میں سے ہے جو علاماتِ ساعت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اقوامِ عالم کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ خدا کی یہ زمین اپنے آخری لمحات میں ایک سخت اور ہولناک عالمگیر حادثہ سے دوچار ہونے والی ہے۔

اور سورۂ انبیاء میں صرف یہ مذکور ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا اور وہ بہت سرعت کے ساتھ بلندیوں سے پستی کی جانب فساد بپا کرنے کے لئے امنڈ پڑیں گے اور اس جگہ سد کا اور سد کے ریزہ ریزہ ہو کر اس سے یاجوج وماجوج کے نکلنے کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں ہے اور لفظ "فتحت" سے ایسا سمجھنا محض قیاسی وتخمینی ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔

پس سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء دونوں میں اس واقعہ سے متعلق آیات کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ سورۂ کہف میں تو پہلے اس واقعہ کی تفصیلات سنائی گئی ہیں جن کے متعلق یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خود یا مشرکین مکہ کے واسطہ سے سوال کیا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت کے متعلق اگر کوئی علم رکھتے ہو تو اس کو ظاہر کرو۔ قرآن عزیز یعنی وحی الٰہی نے ان کو بتایا کہ ذوالقرنین ایک نیک اور صالح بادشاہ تھا اس نے تین مہمیں قابل ذکر سر کیں ایک مشرقِ اقصیٰ کی اور دوسری مغربِ اقصیٰ کی اور تیسری شمال کی جانب اور اس تیسری مہم میں اس کو ایک ایسی قوم سے سابقہ ہوا جس نے یاجوج وماجوج کی تباہ کاریوں کا شکوہ کرتے ہوئے اپنے اور ان کے درمیان سد قائم کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ذوالقرنین نے ان کے مطالبہ کو اس طرح پورا کیا کہ اس جانب وہ جس درہ سے نکل کر حملہ آور ہوا کرتے تھے اس کو لوہے کی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے بند کر دیا اور دو پہاڑوں کے درمیان درہ پر ایک بہترین سد قائم کر دی اور ساتھ ہی شکر خدا بجالاتے ہوئے اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ سد اس قدر مستحکم اور مضبوط ہے کہ اب یاجوج وماجوج نہ اس میں سوراخ کر سکیں گے اور نہ اس پر چڑھ کر ادھر آ سکیں گے لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح رہے گی بلکہ خدا کو جب تک منظور ہے یہ اسی طرح قائم رہے اور وہ چاہے گا کہ یہ روک باقی نہ رہے تو یہ ٹوٹ پھوٹ جائیگی

Marfat.com

اور خدا کا وعدہ "یعنی ہر شے کی طرح سد کا بھی فنا ہو جانا" پورا ہو کر رہے گا۔

یہود نے چونکہ صرف ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا اس لئے سورہ کہف میں اسی کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا اور یاجوج و ماجوج کا محض ضمنی تذکرہ آگیا اور سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ مشرکین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو بستیاں ہلاک کر دی گئیں اب ان کے باشندے دنیا میں زندہ نہیں واپس آئیں گے ہاں جب قیامت آجائے گی" اور وہ جب آئے گی کہ اس سے پہلے یاجوج و ماجوج کا فتنہ پیش آئے گا" تب البتہ میدان حشر میں سب دوبارہ زندہ کر کے رب العالمین کے سامنے جواب دہ ہونے کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

پھر چونکہ اس جگہ یاجوج و ماجوج کے خروج کو قیامت کی علامت بیان کر کے اہمیت دی گئی ہے اس لئے اس کے نکلنے کو سد کے ٹوٹنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ سرے سے سد کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ جب ان کے خروج موعود کا وقت آجائے گا تو سرعت کے ساتھ بلندیوں سے پستی کی جانب امنڈ پڑیں گے اور تمام اقطاع و امصار میں پھیل جائیں گے۔

پس ان مجموعۂ آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ "سد ذوالقرنین" یاجوج و ماجوج کے خروج سے پہلے ضرور ٹوٹ پھوٹ چکی ہوگی دوسرے یہ کہ یاجوج و ماجوج کے موعود خروج کا وقت ہوگا کہ قیامت کا وقت بالکل قریب ہو جائے اور اس کے بعد "نفخ صور" ہی کا مرحلہ باقی رہ جائے اس وقت یاجوج و ماجوج کے تمام قبائل بے پناہ سیلاب کی طرح امنڈ پڑیں گے اور تمام کائنات میں فساد عظیم برپا کریں گے۔

بہر حال ذوالقرنین کے مقولہ اِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَہٗ دَکَّاءَ" میں "وعدے یاجوج و ماجوج کا خروج موعود مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ بلاشبہ سد کا انذکاک ہو جائیگا اور وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور سورہ انبیاء میں خدائے تعالیٰ کے ارشاد "فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ میں فتح سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سد توڑ کر نکل آئیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کثرت سے فوج در فوج نکل پڑیں گے گویا کہیں بند تھے اور آج کھول دئے گئے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ اہل عرب لفظ "فتح" کو جب جاندار اشیاء کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑی ہوئی تھی اور اب اچانک نکل پڑی اس لئے جب کوئی شخص کہتا ہے "فتح الجراد" تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ٹڈیاں کسی جگہ بند تھیں اور اب ان کو کھول دیا گیا بلکہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں کہ ٹڈی دل کسی پہاڑی گوشہ میں الگ پڑا تھا کہ اب اچانک فوج در فوج باہر نکل پڑا۔

پس یہاں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ یاجوج وماجوج جیسے عظیم الشان قبائل جو عرصہ سے بایں کثرت و اژدہام دنیا کے ایک الگ گوشہ میں پڑے ہوئے تھے اس دن اس طرح امنڈ آئیں گے کہ گویا بند تھے اور اب اچانک کھول دیئے گئے۔

سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی زیر بحث آیات کی تفسیر راس المحدثین حضرت استاذ علامہ سید محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ نے بھی عقیدۃ الاسلام میں یہی فرمائی ہے اور بلاشبہ یہ تفسیر بغیر کسی تاویل کے صحیح اور درست ہے اور اس سلسلہ کے بہت سے خدشات کو دور کرنے کے لئے مفید۔

حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

وینبغی ان یعلم ان قول ذی القرنین "هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا" قول من جانبه لا قرينة على جعله منه من اشراط الساعة ولعله لا علم له بذلك وانما اراد وعدا انه كاله .... فان قوله تعالى بعد ذلك "وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ" للاستمرار التجددی

اور یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ ذوالقرنین کا یہ قول "هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ الآیہ" اس کا اپنا قول ہے اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے سد کے ریزہ ریزہ ہونے کے واقعہ کو علامات قیامت میں سے شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اشراط ساعت میں سے خروج یاجوج وماجوج بھی ہے اور اس نے "وعد ربی" سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہو پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "ہم نے چھوڑا ان کو اس دن سے اس حالت میں کہ بعض بعض پر امنڈ رہے ہیں" استمرار تجددی پر

Marfat.com

نعم قولہ تعالیٰ حتیٰ اِذَا فُتِحَتْ يَاجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ" هو من اشراط الساعة لکن لیس فیہ للردم ذکر فاعلم الفرق (ص ۲۰۱)

دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ خروج موعود کا وقت آجائے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو کہ سورہ انبیاء میں ہے "حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ" تو البتہ یہ بلا شبہ علامات قیامت میں سے ہے لیکن اس میں سد کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اور پھر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

واعلم ان ما ذکرتہ لیس تاویلاً فی القرآن بل زیادۃ شیئ من التاریخ والتجربۃ بدون اخراج لفظۃ من موضوعہ (۲۰۳)

اور یہ یاد رہے کہ میں نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ کہا وہ قرآن میں تاویل نہیں ہے بلکہ قرآن عزیز کے کسی لفظ کو اس کے اپنے موضوع سے نکالے بغیر تاریخ اور تجربہ کے پیش نظر مزید اظہار حال ہے۔

عام مفسرین نے بیان کردہ تفسیر سے الگ سورۂ کہف اور انبیاء دونوں کی آیات متعلقہ کے واقعات کو اشراط ساعت میں شمار کرتے ہوئے جو تفسیر فرمائی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے ترمذی اور مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اور جس کا ترجمہ یہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج روزانہ ذوالقرنین کی سد کو کھودتے رہتے ہیں اور جب سورج نکلنے کا وقت قریب ہو جاتا ہے تو آپس میں کہتے ہیں کہ اب کام ختم کرو اب یہ اس قابل ہو گئی ہے کہ کل تم اس کو کھود کر گرا سکو گے مگر جب وہ اگلے روز پھر اس کام پر واپس آتے ہیں تو سد کو اصلی حالت سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں یہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے مگر جب ان کی معین مدت کا وقت پورا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہو گا کہ اب وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو اس روز بھی سابق کی طرح اس کو کھودیں گے اور جب سورج نکلنے کا وقت قریب ہو گا تو کام لینے والے کام کرنے والوں سے کہیں گے اب واپس جاؤ کل انشاء اللہ اس کو کھود کر برابر کر سکیں گے

Marfat.com

اور آج چونکہ ان شاء اللہ کہدیا اس لئے جب واپس آئیں گے تو اپنی محنت کو درست پائینگے

اور اس وقت وہ باقی محنت کرکے سد کو گرادیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے۔ اور تمام روئے

زمین کا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان کے خوف سے قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائینگے

پھر وہ دنیا کو مغلوب سمجھ کر آسمان پر تیر پھینکیں گے کہ خدا اور عالم بالا سے جنگ کرکے اس کو

بھی مغلوب کریں اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کرکے واپس کرے گا تو وہ سمجھیں گے

کہ ہم عالم بالا پر بھی غالب آگئے پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گلٹیاں پیدا کر دے گا جس سے

وہ خود بخود مر جائیں گے۔

(ترمذی سورۂ کہف)

مگر ترمذی نے اس حدیث کو بیان کرکے حدیث کی حیثیت پر یہ حکم لگایا ہے کہ۔

ھذا حدیث حسن غریب	یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسی طریقہ سند سے
انما نعرفہ من ھذا الوجہ	ایسی ہی اچھنبی باتیں جانا کرتے ہیں۔
مثل ھذا	

یعنی ان کے نزدیک یہ روایت اپنے اعتبار سے منکر اور اچھنبی روایت ہے اور حافظ عماد الدین

ابن کثیر اس روایت کو نقل کرکے اس پر یہ حکم لگاتے ہیں۔

اس حدیث میں مضمون کے لحاظ سے نکارت (اچھنبا) ہے اور اس کو مرفوع کہنا یعنی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنا غلط ہے اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اسی قسم کی ایک اسرائیلی کہانی

کعب احبار سے منقول ہے اور اس میں بھی یہ سب باتیں اسی طرح مذکور ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے

کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جو کہ اکثر کعب احبار سے اسرائیلی قصے سنا کرتے تھے اس کو ایک اسرائیلی

کہانی کے طور پر بیان کیا ہوگا جس کو نیچے کے راوی نے یہ سمجھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے درحقیقت یہ راوی کا وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے متعلق میں نے یہ جو کچھ کہا ہے میرا اپنا خیال ہی نہیں ہے بلکہ امام حدیث احمد بن حنبل

Marfat.com

بھی یہی فرماتے ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۵)

ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کی ان تصریحات کے بعد اس روایت کی حیثیت ایک اسرائیلی قصہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی لہٰذا مفسرین کا محض اس روایت کی بنا پر سورۂ کہف کی زیر بحث آیات کی یہ تفسیر کرنا کہ سدِ ذوالقرنین ٹھیک اس وقت ریزہ ریزہ ہوگی جب کہ اشراطِ ساعت میں سے موعود خروج یاجوج و ماجوج پیش آئے گا صحیح نہیں ہے۔

اور اگر ان کی تفسیر کا یہ حصہ صحیح مان لیا جائے تو پھر بھی وہ مذکورہ بالا روایت کے تسلیم کر لینے کے بعد قرآنِ عزیز کی آیت کے تعارض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے اس لئے کہ قرآن عزیز (کہف) میں سد کے متعلق ذوالقرنین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے "فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا" اور اس کا مطلب تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج ماجوج اس سد میں کسی قسم کے رد و بدل پر قادر نہیں ہیں چنانچہ امام احمد اور ابن کثیر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

انهم لم يتمكنوا من نقبه	بلاشبہ اب یعنی بنا سد کے وقت یاجوج و ماجوج اس
ولا نقب شئ منه	میں سوراخ کرنے یا کسی حصہ کو بھی کھودنے پر قادر نہیں ہے

تو اب مفسرین اس روایت کے ان جملوں کے تعارض کو کس طرح دور فرمائیں گے جن میں یہ صراحت ہے کہ وہ اس کو کھود کر یا چاٹ کر گرنے کے قریب کر دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح حدیث کے تعارض کو کس طرح دور کر دیں گے جن کو امام بخاری نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت سے بیدار ہوئے تو یہ حالت تھی کہ چہرۂ مبارک سرخ تھا اور یہ ارشاد فرما رہے تھے لا اله الا الله ويل للعرب من شر قد اقترب فتح اليوم من ردم ياجوج وماجوج مثل هذا وحلق قلت يا رسول الله انهلك وفينا الصالحون(۱) قال نعم اذا كثر الخبث۔

لا الٰہ الا اللہ عرب کے لئے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب آ رہا ہے آج یاجوج و ماجوج پر قائم شدہ سد اس طرح کھول دی گئی ہے اور انگوٹھے پر انگلی رکھ کر اور گول حلقہ بنا کر دکھایا۔ حضرت

Marfat.com

زینب بنت جحش فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جائینگے جب کہ ہم میں صالحین امت بھی موجود ہوں گے ارشاد فرمایا بے شک ایسا ہو گا اگر امت میں خبائث کی کثرت ہو جائے گی" (بخاری و مسلم عن الزہری باب الفتن)

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "سد" میں حلقہ انگشت کی مقدار سوراخ ہو گیا ہے اور مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق قیامت کے موعود وقت سے قبل یہ ناممکن ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس صحیح بلکہ اصح روایت حدیثی میں "فتح" سے مراد شر اور فتنوں کا شیوع ہے اور اس کو استعارہ کے طور پر "فتح روم" کہا گیا تو سورۂ انبیا کی آیت میں "فتحت" کے معنی میں یہ اصرار کیوں ہے کہ اس سے سد ٹوٹ کر کھلنا مراد ہے حالانکہ اس جگہ روم یا سد کا تذکرہ تک نہیں اور کیوں نہ اس سے بھی استعارہ مراد لیا جائے اور کیوں وہ تفسیر نہ کی جائے جو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

اور اگر حدیث میں حقیقی نقب کا ذکر ہے تو یہ سورۂ کہف کی اس تفسیر کے خلاف اور معارض ہے جو مفسرین نے عام طور پر بیان کی ہے کہ سد کا یہ استحکام قیامت کے موعود وقت تک یوں ہی رہے گا اور سد کا اس سے قبل ٹوٹنا پھوٹنا ناممکن ہے۔

لیکن عام تفسیر کے برعکس اگر حضرت شاہ صاحب کی تفسیر کے مطابق ان دونوں مقامات کی تفسیر کی جائے کہ جس کی فی الجملہ تائید امام احمد اور محدث ابن کثیر کے اقوال سے بھی ہوتی ہے تو یہ سب مشکلات خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور آیات کا مطلب اور حدیث کا مقصد بآسانی سمجھ میں آ جاتا ہے چنانچہ ابن کثیر آیت "وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ای فی ذالك الزمان لان هذه	یعنی وہ یاجوج و ماجوج اس زمانہ میں سد کے متعلق ہر قسم کے
صیغة خبر ماض فلا ینفی وقوعه	رد و بدل سے بے بس ہو گئے ہیں اس لئے کہ استطاعوا کا صیغہ
فیما یستقبل باذن الله لهم	زمانہ ماضی کی اطلاع کے لئے وضع کیا گیا ہے بس اس آیت
فی ذالك قدرًا وتسلیطهم علیه	میں اس بات کی ہرگز نفی نہیں نکلتی کہ زمانہ مستقبل میں اللہ
بالتدریج قلیلاً قلیلاً حتی یتم	تعالیٰ ان کو اس پر قدرت دیدے کہ وہ آہستہ آہستہ اور تدریجی

Marfat.com

الاجل وینقضی الامر المقدور	طور پر اس سد کو توڑ پھوڑ ڈالیں تاکہ وہ وقت موعود آپہونچے جسکی
فیخرجون کما قال اللہ تعالٰے	خبر سورۂ انبیا میں دی گئی ہے اور امر مقدر پورا ہو جائے اور تب وہ یک
وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ	لخت یلغار کر کے اسطرح نکل پڑیں گے جسطرح سورہ انبیا کی اس
	آیت میں خبر دی گئی ہے "وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ"

غرض اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے منقول ہو چکا ہے اور بغیر کسی تاویل کے آیت وَمَا اسْطَاعُوا الایہ کا صاف طور پر یہی مطلب متعین ہو جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین کے زمانے کی کیفیت خود ان ہی کی زبانی بیان ہو رہی ہے یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں ہے کہ ذوالقرنین کی سد یاجوج و ماجوج کے خروجِ موعود سے پہلے ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔

اور یہ مطلب ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ یاجوج وماجوج صرف ایک اس درہ سے ہی نکل کر غارت گری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کوہ سے چین کے علاقہ منچوریا تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کے لئے سد ذوالقرنین نے درۂ داریال کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا؟

اسی لئے حضرت شاہ صاحب نے آیت "وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ کہ ذوالقرنین کے اس واقعہ میں چونکہ یاجوج وماجوج پر اس جانب سے روک قائم ہو جانے کا تذکرہ ہے اس لئے اللہ تعالٰی نے ذوالقرنین کے مقولہ کے بعد اپنی جانب سے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مخاطبین تم جن یاجوج وماجوج قبائل کے متعلق یہ باتیں سن رہے ہو یہ بھی سن لو کہ ہم نے ان قبائل کے لئے یہ مقدر کر دیا ہے کہ وہ آپس میں الجھتے رہیں گے اور موج در موج باہم دست بگریباں ہوتے رہیں گے حتٰی کہ وہ وقت آجائے جب کہ قیامت بپا ہونے میں "نفخ صور" کے علاوہ اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہے اور سورۂ انبیاء میں یہ ارشاد فرمایا کہ "نفخ صور" سے پہلے قیامت کی اشراط وعلامات میں سے ایک شرط یا علامت یہ پیش آئے گی کہ یاجوج وماجوج

ل البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۲

کے تمام قبائل اپنے نکلنے کے ہر مقام سے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا کی عام غارت گری کے لئے اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ" "الحدب" لغت میں اوپر سے نیچے جھکنے کو کہتے ہیں اس لئے "حدب" کے معنی اونچے مقام سے نیچے اترنے کے ہوتے ہیں اور "نسلان" عربی لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اس لئے "ینسلون" کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس سرعت کے ساتھ امنڈ آئیں گے کہ یہ معلوم ہوگا گویا وہ کسی ٹیلے سے پھسل رہے ہیں چنانچہ مفردات امام راغب اور نہایہ ابن اثیر میں "حدب" اور "نسل ونسلان" کی بحث میں یہی لغوی تفصیل مذکور ہے۔

لہٰذا اس تفسیر سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے یاجوج و ماجوج کے خروج موعود کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے وہ ان ہی قبائل پر منطبق ہوتی ہے جو بحر کاسپین سے لیکر منچوریا تک پھیلے ہوئے ہیں اور جو دنیا کی بہت بڑی آبادی کے محور ہیں اور جاء وقوع کے اعتبار سے عام سطح آبادی سے اس قدر بلند حصۂ زمین پر مقیم ہیں کہ جب کبھی نکل کر متمدن اقوام پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اوپر سے نیچے کو پھسل رہے ہیں پس آئندہ بھی جب اشراطِ ساعت کی شکل میں ان کا آخری خروج ہوگا تو ان کے تمام قبائل کا سیلاب ایک ہی دفعہ امنڈ آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ انسانوں کے سمندر کا بند ٹوٹ گیا ہے اور وہ اپنے مقامات کی ہر بلندی سے نیچے کی جانب بہ پڑا ہے۔

قرآن عزیز کی آیاتِ زیرِ بحث کی یہ تفسیر الفاظ اور جملوں کو ان کے لغوی معنی سے ادھر ادھر ہٹائے اور ان میں تاویل کئے بغیر" اس قدر لطیف ہے کہ جس سے وہ بہت سے شکوک و شبہات یک قلم دفع ہو جاتے ہیں جو اس سلسلہ میں مفسرین کو پیش آئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لئے غیر جاذب تاویلات کرنی پڑی ہیں۔ نیز مدعیان نبوت کو ان تاویلات سے فائدہ اٹھا کر الحاد و زندقہ پھیلانے کا موقعہ میسر آگیا ہے سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی آیات کی اس تفسیر کے بعد اب حدیثِ بخاری کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ تو حدیث "ویل للعرب من شر قد اقترب" اس بات پر تو صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا میں" جو نبی کے لئے وحی کی طرح صحیح اور حجت ہوتا ہے یہ دکھایا گیا کہ

Marfat.com

سدِ یاجوج و ماجوج میں رخنہ پڑ جانے سے ایسا سخت حادثہ پیش آنے والا ہے جو عرب کے لئے ہولناک ثابت ہوگا لیکن یہ بات پوری طرح وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آسکی کہ "فتح ردم یاجوج وماجوج میں لفظ" فتح سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ واقعی یاجوج وماجوج کی سد میں سے انگوٹھے اور انگلی کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار میں انکشاف ہوگیا ہے یا پیشین گوئیوں کی طرح اس پیشین گوئی میں بھی "فتح" اور حلق تسعین کو استعارہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے نیز یہ کہ اس جملہ کا پہلے جملہ ویل للعرب سے کوئی ربط ہے یا یہ الگ الگ دو مستقل باتیں ہیں۔

ان دونوں مسئلوں کے متعلق اہلِ تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس رویا صادقہ کی تعبیر خود ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے بسند صحیح منقول نہیں ہے اس لئے محدثین اور ارباب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق کو تقریبی طور پر متعین فرمائیں

شیخ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ "ویل للعرب" کے جملہ میں ان شرور وفتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی حکومت) کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا اور جن کی ہلاکتوں کا پہلا شکار اہلِ عرب ہی ہوئے اور بعد میں ان کا اثر تمام امتِ مرحومہ پر پڑا۔

اور دوم (سد) میں انگلی اور انگوٹھے کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سد ذوالقرنین کے استحکام کی مدت ختم ہوگئی اور اب اس میں رخنہ پڑنے کی ابتداء ہو چلی ہے گویا اب وہ آہستہ آہستہ شکست وریخت ہو جائے گی [۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رویا صادقہ کے بعد قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہوگیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کے لئے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالہ پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۰۵

Marfat.com

نے ارشاد فرمایا۔

وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالہ پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔ ۵۱

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں اور رخنہ سد کے متعلق دونوں محدثین کا رجحان اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقیقی رخنہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے۔

ان ہر دو محدثین کی تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک "ویل للعرب" والا جملہ جو شرور و فتن سے متعلق ہے اور "فتح ردم" کے جملہ میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے۔ اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ دونوں کو ایک ہی حادثہ سے متعلق سمجھا جائے۔

اور حافظ عماد الدین بن کثیر اس بارہ میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ زیر بحث حدیث "فتح من ردم یاجوج وماجوج" میں فتح سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئندہ ایسے حادثہ سے جو یاجوج وماجوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہ راست عرب حکومت قریش پر پڑے گا۔ لیکن کرمانی شارح بخاری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یاجوج وماجوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور قیامت کی علامت سے جدا درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا اور "فتح ردم" استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئندہ رونما ہونیوالا ہے اس کی ابتدا ہو گئی ہے اور یہ وہ حادثہ تھا جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں "فتنہ تاتار" کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ ۵۲

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یاجوج وماجوج قبائل کی اس تاخت و تاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے۔

---

۵۱ فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۱ ۵۲ عمدۃ القاری ج ۱۱

Marfat.com

البتہ ساتویں صدی عیسوی میں ان کے لئے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انھوں نے بحر خزر اور بحر اسود کے اس درہ کے علاوہ جوان پر بند کر دیا گیا تھا بحیرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ پالیا نیز ادھر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہوگیا تھا اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یاجوج وماجوج کے ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا صادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگرچہ ابھی وہ وقت دور ہے جبکہ قیامت کے قریب تمام قبائل یاجوج وماجوج عالم انسانیت پر چھا جائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہی جب کہ ذوالقرنین کے بعد ان کا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرماں روائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اسی خروج کو اس طرح حسی طور پر دکھایا گیا کہ گویا (سد) دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہوگیا ہے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہو جانے والی ہے۔

چنانچہ زمانہ نبوی میں یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے چند منگولین قبائل نے اپنے مرکز سے نکل کر قرب وجوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیا تھا اور آخر کار چھٹی صدی ہجری میں چنگیز خاں ان کا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا اور پھر اس کے بیٹے اوکتائی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھ کر مغرب وجنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ھ بدایں آخر ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور اس نے "خلافت عربیہ" کو تہ و بالا کر ڈالا

تو یوں سمجھئے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس خود علامات قیامت میں سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپ خاتم النبیین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت میں اور ذات اقدس میں کافی غیر متعین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتار بھی علامت قیامت "خروج یاجوج وماجوج کا ایک ابتدائی نشان ہے اور جس طرح خروج دجال وقتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی قریبی علامات ہیں اسی طرح سورۂ انبیاء میں ذکر کردہ خروج یاجوج وماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخری علامت یا آخری شرط ہے پس "فتح روم" میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ

Marfat.com

کے وقت شروع ہو چکی تھی اور" ویل للعرب" سے اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوا ہے
لیکن شیخ بدرالدین عینی نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید
کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاتاری فتنہ کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلاکو خاں تھا اور ان کو یاجوج و ماجوج
میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہٰذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے۔ بہرحال حدیث
ویل للعرب" کی ان مختلف توجیہات سے جب کہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین
خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرآن اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیش نظر رکھ کر اپنی جانب سے
مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب ان ہی کے بتائے
ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے مقصد کو متعین کرنے کا حق رکھتے
ہیں اگرچہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابل رد و قبول ہو گا۔

حدیث زیر بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اس کے دو جملے بہت
اہم ہیں ایک" ویل للعرب من شر قد اقترب" عرب کے لئے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلاشبہ قریب
آلگا ہے" اور دوسرا" فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج وحلق تسعین" آج کے دن یاجوج و ماجوج
کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے" اور ان ہر دو جملوں کے درمیان
واو عطف بھی نہیں ہے۔

لہٰذا الفاظ حدیث پر کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو
اقوال کی گنجائش ہے یعنی حدیث کا پہلا جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اہم شر
کی اطلاع دے رہے ہیں جس کا اثر یہ ہو گا کہ عرب کے لئے سخت ہلاکت کا سامنا ہو گا اور" خلافت
قریش" زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملہ کی تائید میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت میں جو اہم
فتنے بپا ہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ ان فتنوں کے رونما
ہونے کے لئے حسی علامت اس طرح سامنے آ گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد ذوالقرنین

Marfat.com

میں رخنہ پڑنا شروع ہوگیا اور اس کی شکست و ریخت ہونے لگی۔ گویا یہ رخنہ آئندہ اسلامی طاقت یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کے لئے ایک علامت ہے۔ چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہوکر مختلف فتنوں کے بعد چند صدیوں میں قریشی حکومت کی ہلاکت و تباہی پر جاکر ٹھہرا اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پس اس شکل میں "فتح ردم" آئندہ فتنوں اور شروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو امت اسلامیہ میں بپا ہوکر قرب قیامت میں موعود خروج یاجوج وماجوج پر جاکر ختم ہوجائیں گے اور اس کے بعد دنیا کے درہم وبرہم ہوجانے سے قیامت ہوجائے گی۔

یا یوں کہئے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت آپہنچا۔ گویا یاجوج وماجوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخنہ پڑ گیا اور یعنی اس میں شکست و ریخت شروع ہوگئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تاتاری فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائے گی جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیشین گوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتدا دورِ رسالت سے شروع ہوگئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے دورِ حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال کا باعث ہوئی۔

پس اگر ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہ "یعنی اہم شرور و فتن کا شیوع اور کرمانی کا بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ "یعنی فتنہ تاتار کا وجود" ان دونوں توجیہات کو حاوی ہو سکے تو ایسا تسلیم کر لینے میں نہ شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی اور زیر بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔

رہا شیخ بدر الدین نور اللہ مرقدہ کا یہ ارشاد کہ چنگیز خانی تاتاری "یاجوج وماجوج نہیں کہلائے جا سکتے

Marfat.com

تو یہ شیخ کا تسامح ہے اس لئے کہ یاجوج وماجوج کے تعین کی بحث میں محققین محدثین ...... اور مورخین نے جن قبائل اور ان کے مواطن کو محقق قرار دیا ہے اور خود شیخ موصوف نے بھی جن کو بڑی حد تک تسلیم فرمایا ہے ان ہی قبائل میں سے ایک شاخ ان تاتاریوں کی بھی ہے جو چنگیز خانی کہلائے اور یہ اپنے دورِ بربریت و وحشت میں ان ہی جگہوں میں آباد رہے ہیں اور وہیں سے ان کا خروج ہوا ہے جن پر سدِ ذوالقرنین قائم کی گئی تھی۔

بہرحال سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی زیر بحث آیات کی اس تفسیر کے درمیان جو ہم نے حضرت علامہ انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ اور حافظ حدیث عماد الدین بن کثیر کے حوالجات سے بیان کی ہے اور اس حدیث کی پیشین گوئی کے مصداق متعین کرنے والی مسطورہ بالا توجیہات کے درمیان کسی قسم کا بھی تعارض پیدا نہیں ہوتا اور زیر بحث آیات و روایات کے مصداق اپنی اپنی جگہ صاف اور واضح ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے میں نہ رکیک تاویلات کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو تفسیر بالرائے یا قابلِ اعتراض جدت کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ جو کچھ بھی ہے سلفِ صالحین اور محدثین و اربابِ سیر کے مختلف اقوال میں ترجیح راجح کے اصول کو کار فرما بنا کر ایک ایسی معتدل راہ ہے جو نصوصِ قرآنی اور صحیح روایاتِ حدیثی کے درمیان تطبیق کی راہ کہلائی جاتی اور سلفاً عن خلفٍ مقبول و محمود رہی ہے اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ حدیث مسطورہ بالا میں حلقہ کی مقدار رخنہ پڑ جانے کا جو تذکرہ ہے اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے۔ کہ استعارہ و تشبیہ مراد ہو یا حسی رخنہ بہر وصورت حلقہ کی مقدار رخنہ کا ذکر تقریبی ہے نہ کہ تحدیدی یعنی یہ مطلب ہے کہ سد میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا یہ مراد نہیں ہے کہ واقعی ایک حلقہ کی مقدار ہی رخنہ پڑا ہے چنانچہ گذشتہ صفحات میں ہم ابن کثیر سے اس سلسلہ میں نقول پیش کر چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ابو الکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اور بعض دوسرے علماء نے کتب سیرت میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ سورۂ انبیاء کی ان آیات کا مصداق جن میں یاجوج وماجوج کے موعود خروج کا ذکر کیا گیا ہے ۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ" فتنہ تاتار

Marfat.com

کو بنا کر یہیں قصہ کو ختم کر دیں اور اس کا امارت ساعت و علامت قیامت سے کوئی تعلق باقی نہ رہنے دیں مگر ہمارے نزدیک قرآن عزیز کا سیاق و سباق ان کی اس تفسیر یا توجیہ کا قطعاً ابا اور انکار کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کو جس ترتیب سے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

اور مقرر ہو چکا ہے ہر ایک ایسی بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کے بسنے والے واپس نہ ہونگے یہاں تک کہ کھول دئے جائیں یاجوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے امنڈ پڑیں اور قریب آجائے سچا وعدہ پھر اس وقت حیرانی سے کھلی کی کھلی رہ جائیں آنکھیں منکروں کی اور کہیں ہائے ہماری بدبختی کہ ہم بے خبر رہے اس (قیامت) سے بلکہ ہم ظلم و شرارت میں سرشار رہے۔

ان آیات میں آیت زیر بحث "حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ الآیۃ" سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مرنے والوں کی موت کے بعد اب ان کے لئے اس دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں ہے اور آیت زیر بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا وقت جن علامات و آیات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یا جن پر معلق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبائل اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیک وقت اپنے مراکز سے نکل کر تیزی سے تمام دنیا پر چھا جائیں اور اس سے متصل آیت میں مزید یہ کہا گیا کہ پھر اس کے بعد قیامت بپا ہو جائے گی اور تمام شخص اپنی زندگی کے نیک و بد انجام دیکھنے کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور ناکام اپنی ناکامی پر حسرت و یاس کرتے رہ جائینگے

پس آیت زیر بحث کے سیاق و سباق نے یہ بات بخوبی واضح کر دی کہ اس مقام پر یاجوج و ماجوج کے ایک ایسے خروج کی اطلاع دی گئی ہے جس کے بعد شر و فتن کا کوئی سلسلہ بلکہ دنیا کی ہستی کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہ جائے گا اور صرف قیامت بپا ہو جانے یعنی نفخ صور کی دیر باقی

Marfat.com

رہ جائے گی جو اس واقعہ کی تکمیل کے بعد عمل میں آجائے گی۔

لہٰذا آیت کے سیاق و سباق سے قطع نظر کرتے ہوئے اور حدیث "ویل للعرب من شر قد اقترب" کا مصداق "فتنۂ تاتار" کو متعین کرتے ہوئے سورۂ انبیاء کی اس آیت کو آخری علامتِ ساعت سے نکال کر فتنۂ تاتار پر محمول کر لینا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ نیز جمہور سلف صالحین کی مسلّمہ توجیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

ممکن ہے کہ اس میں توجیہ کے ناقلین و قائلین ہمارے اس اعتراض کو ہم پر ہی پلٹ دیں اور یہ فرمائیں کہ اسی طرح سورۂ کہف میں بھی آیت "اِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ" میں "وعد" سے کیوں قیامت مراد لی جائے جب کہ اس کے بعد ہی آیت "وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ" موجود ہے جو بلاشبہ قیامت کی آخری علامت ہے اور کیوں نہ کہا جائے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ یاجوج وماجوج نفخ صور تک سدّ کے اندر محصور اور بند رہیں گے اور نفخ صور کے قریب یک بیک سد گر جائے گی اور وہ نکل پڑیں گے۔

تو اس کے متعلق ہماری یہ گذارش ہے کہ یہ اعتراض اپنی اس تقریر کے ساتھ ہرگز ہم پر وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ سورۂ کہف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہم پہلے ہی یہ واضح کر چکے ہیں کہ ان آیات میں سب سے پہلے "یَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ" سے شروع کر کے "وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا" تک ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی آیت "فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ" میں ذوالقرنین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد نہیں ہے اس لئے یہاں "وعد" سے "وعدۂ قیامت" مراد نہیں ہے بلکہ کسی تعمیر کی تخریب کا مقدور و معین وقت مراد ہے جس کی تعیین کو ذوالقرنین نے اپنی جانب سے تخمینی طور پر متعین کرنے کی بجائے مرد مومن اور مرد صالح کی طرح خدا کی مرضی کے حوالہ کر دیا ہے۔

اور چونکہ ذوالقرنین کے واقعہ میں ضمنی طور سے یاجوج وماجوج کا بھی ذکر آ گیا تھا اس لئے اس کے خاتمہ پر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی یاجوج وماجوج کا مختصر ذکر فرمایا اور آیت "وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ" میں یہ بیان کیا کہ جن یاجوج وماجوج کا ذکر تم نے ابھی ذوالقرنین کے واقعہ میں سنا ان کو ہم نے شر و فتنہ کی اس زندگی میں اس طرح کر چھوڑا ہے کہ وہ نزا

Marfat.com

فساد اور چپقلش باہمی میں مصروف رہیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن وہ سب جمع کئے جائیں گے اور اس دن جہنم کافروں پر پیش کی جائے گی۔

گویا سورۂ انبیاء میں تو یاجوج وماجوج کا ذکر مستقل حیثیت رکھتا ہے اور وہاں بتانا ہی یہ منظور ہے کہ ان کا اجتماعی خروج قیامت کی آخری علامات میں سے ایک نمایاں علامت ہے اور سورۂ کہف میں ان کا تذکرہ صرف ضمنی ہے اور ان کے فساد اور شر انگیزی کے خصوصی واقعہ کی مناسبت سے ان کی باہمی فساد انگیزیوں اور مختلف اوقات میں موج در موج چپقلشوں کی وارداتوں کا ذکر اس انداز میں کر دیا گیا کہ ان کے موعود خروج کی جانب بھی اشارہ ہو جائے۔

غرض سورۂ کہف کی زیر بحث آیات کا سیاق وسباق یعنی ان سے پہلی اور بعد کی آیات کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے مقولہ " اِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ " میں " وعد " سے مراد وعدۂ قیامت لیا جائے اور وہ معنی بیان کئے جائیں جو معترض نے ہماری بیان کردہ سورۂ انبیاء کی تفسیر کے مقابلہ میں پیش کئے ہیں
الحاصل جن معاصر مفسرین نے سورۂ انبیاء کی زیر بحث آیات کا مصداق فتنہ تاتار کو بتایا ہے اور اسکی تائید میں بخاری کی مشہور حدیث " ویل للعرب من شر قد اقترب الخ " کو پیش کیا ہے ان کی یہ تفسیر غلط ہے اور حدیث سے اس کی تائید قطعاً بے محل ہے بلکہ بخاری ومسلم کی دوسری صحیح احادیث جو کتاب الفتن میں مذکور ہیں اس تفسیر کے خلاف صاف صاف یہ بیان کرتی ہیں کہ علاماتِ قیامت میں جب آخری علامات رونما ہوں گی تو پہلے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آسمان سے نزول ہوگا اور دجال کا سخت فتنہ برپا ہوگا اور آخر کار حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ہاتھوں وہ مارا جائیگا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یاجوج وماجوج کا موعود خروج ہوگا جو تمام دنیا پر شر وفساد کی صورت میں چھا جائے گا اور پھر کچھ وقفہ کے بعد نفخ صور ہوگا اور یہ کارخانۂ دنیا درہم وبرہم ہو جائے گا [1]

یہ بھی واضح رہے کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری صحیح اور اصح روایات سے ان تینوں (جھوٹے مدعیانِ نبوت) کے دعووں کا بھی ابطال ہو جاتا ہے اور ان کے کذب صریح کی رسوائی آشکارا ہو جاتی ہے جو اپنی

---

[1] بخاری کتاب الفتن ج ۲

Marfat.com

نبوت کی صداقت کی تعبیر یہ کہہ کر تیار کرتے ہیں کہ انگریز اور روس یاجوج و ماجوج ہیں اور جب کہ ان کا خروج ہو چکا اور وہ عالم کے اکثر حصوں پر قابض ہو چکے تو اب "بعثت مسیح" کی آمد ضروری ہو گئی لہٰذا وہ موعود مسیح (عیسیٰ) ہم ہیں کیونکہ جب شرط موجود ہے تو مشروط کیوں موجود نہ ہو۔

کسی جھوٹے مدعیِ نبوت کی یہ دلیل اگرچہ خود تارِ عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی اور اس لئے در خورِ اعتناء بھی نہیں ہے تاہم عوام کو غلط فہمی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس مدعی کے بیان کردہ یہ دونوں دعوے جو دلیل کے دو مقدموں کے طور پر بیان کئے گئے ہیں غلط اور ناقابل قبول ہیں اور اس لئے ان سے پیدا شدہ نتیجہ بھی بلاشبہ باطل اور مردود ہے۔

پہلا دعویٰ یا مقدمہ تو اس لئے غلط ہے کہ ہم نے یاجوج و ماجوج کی بحث میں تفصیل کے ساتھ حدیث و تاریخ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یاجوج و ماجوج کا اطلاق صرف ان ہی قبائل پر ہوتا رہا ہے جو اپنے اصل مرکز میں بہمہ طریق وحشت و بربریت مقیم ہیں اور ان میں سے جو افراد یا قبائل مرکز چھوڑ کر دنیا کے مختلف حصوں میں بس گئے اور آہستہ آہستہ متمدن بن گئے ہیں وہ تاریخ کی نظر میں یاجوج و ماجوج نہیں کہلاتے بلکہ اپنے بعض امتیازاتِ خصوصی کے پیشِ نظر نئے نئے ناموں سے موسوم ہو گئے اور اپنے اصلی اور نسلی مرکز سے اس قدر اجنبی ہو گئے ہیں کہ وہ اور یہ دو مستقل جدا جدا قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ اسی طرح قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان ہی قبائل کو یاجوج و ماجوج کہتا ہے جو اپنی بربریت اور وحشت کے ساتھ عام دنیا سے الگ اپنے مرکز میں گوشہ گیر ہیں۔

اور اسی اصول پر دوسرا دعویٰ یا مقدمہ بھی باطل ہے کہ انگریز اور روس بلکہ یورپین حکومتوں کا تسلط اور قبضہ یاجوج و ماجوج کا خروج ہے اور یہ اس لئے کہ ایک تو ابھی ذکر ہو چکا کہ متمدن اقوام کو یاجوج و ماجوج کہنا ہی غلط ہے دوسرے اس لئے کہ یاجوج و ماجوج کے اس فتنہ و فساد کے پیشِ نظر جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ میں سورۂ کہف میں مذکور ہے اور صحیح احادیث کی تصریحات کے مطابق ان کا وہ خروج بھی جس کا ذکر سورۂ انبیاء میں کیا گیا ہے اور جس کو علاماتِ قیامت میں سے ٹھیرایا ہے

Marfat.com

ایسے ہی فساد وشر کے ساتھ ہوگا جس کا تعلق تمدن وحضارت سے دور کا بھی نہ ہو اور جو خالص وحشیانہ طرز وطریق پر برپا کیا جائے۔ کہاں سائنس کے ایجادات وآلات کا طریقۂ جنگ اور کہاں غیر متمدن وحشیانہ جنگ وپیکار؟ شتّان بینہما۔

اور یہ بات اس لئے بھی واضح ہے کہ متمدن اقوام کی جنگ وپیکار کتنی ہی وحشیانہ طرز وطریق اختیار کئے ہوئے کیوں نہ ہوں بہرحال سائنس اور حرب وضرب کے اصول کے مطابق ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ اقوام وامم میں ہمیشہ سے جاری ہے اس لئے اگر اس قسم کے جابرانہ وقاہرانہ تسلط اور قبضہ کے متعلق قرآن کو پیشین گوئی کرنی تھی تو اس کی تعبیر کے لئے ہرگز یہ طریقہ اختیار نہ کیا جاتا جو یاجوج وماجوج کے خروج موعود کے سلسلہ میں سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء میں اختیار کیا گیا ہے بلکہ ان کی ترقی تمدن کی جانب ضروری اشارات یا تصریحات کا ہونا لازم تھا۔[1]

الحاصل احادیث صحیح اور آیاتِ قرآنی کی مطابقت کے ساتھ ساتھ جب مسئلہ زیر بحث پر غور وفکر کیا جاتا ہے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول از آسمان ضروری ہے نہ یہ کہ پہلے یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا اور پھر مسیح علیہ السلام کی آمد کا انتظار کیا جائے چنانچہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے۔

فبینما ھو کذلک اذ بعث اللّٰہ	واقعات یہاں تک پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح
المسیح بن مریم فینزل عند	بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجے گا اور وہ (جامع) دمشق
المنارۃ البیضاء شرقی دمشق	کے سپید شرقی منارہ کے نزدیک اس طرح اتریں گے
بین مھرودتین واضعاً کفیہ	کہ زعفرانی رنگ کی دو چادروں میں ملبوس اور فرشتو

[1] رہا یہ امر کہ آج جبکہ کاکیشیا کا تمام علاقہ متمدن ہو چکا اور یہاں کی بیشتر آبادی مسلمان ہے تو قریب بہ قیامت یاجوج وماجوج کا خروج اس علاقہ سے کس طرح ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ کاکیشیا کے اس حصہ سے چین وتبت تک کے تمام ساحلی اور پہاڑی علاقوں کا سلسلہ ان ہی وحشی قبائل کا مسکن رہا ہے اور آج بھی ہے پس ان ہی علاقوں کے مختلف حصوں سے بے تعداد وحشی انسان وقتِ موعود پر نکل کر دنیا انسانی کو تاراج کرنے کے لئے پھیل جائیں گے۔

Marfat.com

على اجنحة ملكين اذا طأطأ رأسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان كاللؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه الا مات ونفسه ينتهي حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله ثم يأتي عيسى ابن مريم قوم قد عصمهم الله منه فيمسح عن وجوههم ويحدثهم بدرجاتهم في الجنة فبينما هو كذلك اذ اوحى الله الى عيسى انى قد اخرجت عبادا لي لا يدان لاحد بقتالهم فحرز عبادي الى الطور ويبعث الله ياجوج وماجوج وهم من كل حدب ينسلون ۵

کے بازوؤں پر ہاتھ کا سہارا دیے ہوئے ہوں گے جب سر کو جھکائیں گے تو پانی ٹپکنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے پانی کے قطرات اسطرح گرنے لگیں گے گویا ہار سے موتی ٹوٹ کر گر رہے ہیں یعنی آسمان پر غسل کر کے فوراً ہی نزول ہوگا جہاں تک ان کا سانس جائیگا کافر کی موت کا باعث ہوگا اور ان کا سانس ان کی حد نظر تک پہنچے گا پھر آکر وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور وہ اس کو بیت المقدس کے قریب بستی لُد کے دروازہ پر پائیں گے اور قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا اور ان کے غبار آلودہ چہروں کو مس کرتے ہوئے انکو جنت میں جو درجات ملیں گے اس کے متعلق باتیں کریں گے حالات یہاں تک پہنچینگے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر وحی کریگا کہ آپ میں اپنے بندوں میں سے ایک ایسی قوم کو نکالتا ہوں جن سے جنگ کرنے کی دنیا میں کسی کے اندر طاقت نہیں ہے لہٰذا تم میرے تمام بندوں کو طور پر لے جاؤ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو نکالے گا جو تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ہر بلند جگہ سے نکل پڑیں گے۔

پس یاجوج وماجوج کا خروج کسی حال میں بھی ان اقوام پر صادق نہیں آسکتا جو تمدن اور حضارت کی راہوں سے قاہرانہ اور جابرانہ جنگ وپیکار کے ذریعہ سے دنیا پر غالب وقابض ہوتی رہی ہیں اور کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یاجوج وماجوج قبائل کی تاریخی بحث سے ناجائز فائدہ اٹھا کر

---

۵ مسلم کتاب الفتن۔

Marfat.com

اور جدید نبی بن کر اسلام کے اساسی اور بنیادی مسئلہ ختم نبوت کے خلاف تشکیل نبوت کی جدید طرح ڈالے اور اس طرح اسلام میں رخنہ انداز ہو کر دوست نما دشمن بنے۔

کیا ذوالقرنین نبی تھے

ذوالقرنین کی تعیین کے بعد یہ مسئلہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ ذوالقرنین نبی ہیں یا ایک نیک نہاد بادشاہ ہ سلف صالحین اور متاخرین کی اکثریت اسی جانب ہے کہ ذوالقرنین صالحین میں سے ہیں اور نیک نفس بادشاہ اور وہ نبی یا رسول نہیں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں کہ جس میں ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے ان کا یہ قول مصرح موجود ہے۔

لم یکن نبیاً ولا ملکاً الحدیث[۱] — ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ

کان رجلا احب اللہ فاحبہ الخ — وہ ایک انسان تھے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو نقل کر کے اس کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ میں نے اس روایت کو حافظ حدیث ضیاء الدین مقدسی کی کتاب مختارہ کی احادیث سے بسند صحیح سنا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ذوالقرنین کے متعلق یہ الفاظ بھی مذکور ہیں۔

بعثہ اللہ الی قومہ[۳] — اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم کی طرف بھیجا

اس سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ لفظ "بعث" تو نبوت و رسالت کے لئے بولا جاتا ہے پھر نبوت کے انکار کے کیا معنی؟ اس کے بعد خود ہی یہ جواب دیا ہے کہ "بعث" یہاں اپنے عام معنی میں ہے جو نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے بولا جا سکتا ہے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وقیل کان من الملوک وعلیہ الاکثر (فتح) — اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور اکثر کی یہی رائے ہے۔

---

[۱] و [۲] فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۵ [۳] ایضاً ص ۲۹۸

Marfat.com

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی یہی مسلک ہے کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے بلکہ ایک نیک اور صالح بادشاہ تھے۔

عن ابن عباس قال کان ذوالقرنین ملکا صالحا رضی اللہ عملہ و اثنی علیہ فی کتابہ وکان منصورا[1]	حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نیک اور صالح بادشاہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کو پسند فرمایا اور اپنی کتاب (قرآن) میں اس کی تعریف فرمائی اور وہ فاتح وکامیاب بادشاہ تھا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ بھی ذوالقرنین کو صالحین میں سے مانتے تھے[2]

البتہ حضرت عمرو بن العاص کی جانب یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ ذوالقرنین کو نبی مانتے تھے۔

عن مجاھد عن عبد اللہ بن عمرو قال کان ذوالقرنین نبیا[3]	عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے۔

اور حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کا ظاہر یہی بتاتا ہے[4] مگر ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فیصلہ کچھ نہیں دیتے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر ان اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں۔

والصحیح انہ کان ملکا من ملوک العادلین[5]	اور صحیح یہ ہے کہ ذوالقرنین عادل بادشاہوں میں سے تھا

اور حضرت استاذ علامہ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی تحقیق بھی یہی ہے چنانچہ عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔

بل ملک آخر من الصالحین ینتھی نسبہ الی العرب السامیین	کہ وہ ایک اور نیک بادشاہوں میں سے تھا اور اس کا نسب قدیم سامیوں پر پہونچتا ہے۔

۲۹۵

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۰۲ [2] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۳ [3] فتح ج ۶ ص ۲۶۵ [4] ایضاً ص ۲۹۵ [5] ایضاً ص ۱۰۷

Marfat.com

الاولین۔

پس ان نقول کے پیش نظر مولانا آزاد کا یہ فرمانا۔

"تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ الخ" [۱]

اپنے عموم کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ بیشتر سلف صالحین ذوالقرنین کی نبوت کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کو ایک بادشاہ کی حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں البتہ بعض سلف کی رائے میں وہ نبی تھے۔

اسی طرح متاخرین میں ابن کثیر کے متعلق یہ کہنا بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ وہ ذوالقرنین کے نبی ہونے کی تائید میں ہیں اس لئے کہ سطور بالا میں ابن کثیر سے جو کچھ منقول ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذوالقرنین اور خضر کا جو ایک جگہ ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں خضر کی نبوت کی توثیق فرمائی ہے تو اس جگہ شاید ضمائر کے مرجع میں مولانا نے موصوف کو مغالطہ ہو گیا ہے چنانچہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

فان الاول کان عبداً مؤمناً	اس لئے کہ اول (یعنی ذوالقرنین) ایک عبد مومن اور
صالحاً وملکاً عادلاً وکان وزیرہ	صالح تھا اور عادل بادشاہ اور اس کے وزیر خضر علیہ السلام
الخضر، وقد کان نبیاً علی ما	تھے اور وہ (خضر) اس تحقیق کے مطابق جو ہم سابق میں بیان
قررناہ قبل هذا [۲]	کر چکے ہیں بے شک نبی تھے۔

بہر حال حضرت علیؓ ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ امام رازیؒ ابن کثیر اور ان کے علاوہ سلف صالحین اور متاخرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ عادل صالح بادشاہ تھے۔ پس جب کہ صحابہ اور سلف صالحین بلکہ متاخرین میں سے بھی اکثر اسی جانب ہیں کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے تو جمہور کا یہ رجحان بلاشبہ اس امر کی دلیل ہے کہ آیت "قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ" میں خدائے تعالیٰ کی مخاطبت ذوالقرنین کے ساتھ اسی قسم کی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کے قصہ میں "اَوْحَيْنَا" کے اندر ہے۔

---

[۱] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۲۰ [۲] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۲

Marfat.com

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ — اور ہم نے موسیٰ کی والدہ پر وحی کی کہ تو اس (موسیٰ) کو دودھ

اَرْضِعِيْهِ — پلانا منظور کرلے

اور یقیناً ان حضرات کا منطوق پر مفہوم کو ترجیح دینا بے وجہ نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اس مخاطبت کو نہ "اَوْحَيْنَا" سے تعبیر کیا گیا اور نہ "اَنْزَلْنَا" سے اور نہ "قُلْنَا" کے علاوہ ذوالقرنین سے متعلق آیات میں کوئی ایسا مؤید موجود ہے جو "قُلْنَا" کی خطابت کو خطابتِ وحی قرار دیتا ہو۔

لہٰذا راجح مذہب یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ عادل اور صالح بادشاہ تھے۔

بصائر (۱) مطالب قرآن کی بصیرت کے لئے جس طرح لغتِ عرب معانی، بلاغت و بیان صرف و نحو احادیث اور آثارِ صحابہ جیسے علوم کی معرفت ضروری ہے اسی طرح صحیح علمِ تاریخ کی معرفت ضروری ہے چنانچہ گذشتہ اقوام و امم کے حالات و واقعات کا علم حاصل کر کے ان سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب خود قرآن عزیز نے پرزور اسلوب بیان کے ساتھ دی ہے۔ ارشاد ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا — کہد یجیے، زمین کی سیاحت کرو پھر دیکھو جھٹلانے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ — والوں کا انجام کیا ہوا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ — بے شبہ تم سے پہلے (خدا کی مقرر کردہ) راہیں گذر چکی

فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا — ہیں پس زمین کی سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ — کیا ہوا۔

(۲) جہاں تک اسلام کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے اس میں "سلف صالحین" کا مسلک ہی بغیر چون و چرا دلیلِ راہ ہے اور اس سے تجاوز زیغ اور گمراہی ہے لیکن جہاں تک قرآن کے لطائف و نکات، معارف و علوم اسرار و غوامض اور علمی و تاریخی مطالب کا تعلق ہے اس کے لئے کسی زمانہ میں بھی درِ تحقیق بند نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

فلا تنقضی عجائبہ — قرآن کے لطائف و حکم کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں

خصوصاً جب کہ تاریخی مطالب کے حصول کے لئے آج کے ذرائع معلومات قدیم علومِ تاریخ کے ذرائع سے

Marfat.com

زیادہ وسیع ہو چکے ہیں تو سلفِ صالحین کے مسلکِ قدیم پر قائم رہتے ہوئے قرآنی حقائق اور اس کے تاریخی مباحث کی تفصیلات وجزئیات میں اقوالِ سلف کا پابند رہتے ہوئے قرآن کی تائید کے لئے قدیم تحقیق اٹھانا سلفِ صالحین کا اقتداء ہے نہ کہ ان کے مسلک سے انحراف' کیا کوئی اہل علم اور صاحبِ نظر اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ ان مطالبِ تفسیری کے علاوہ جن کے متعلق دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ارشاداتِ نبوی ہیں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ذاتی اقوال کے خلاف یا ان سے جدا تابعین اور تبع تابعین کے اقوال بہ کثرت کتبِ تفسیر میں مذکور ہیں اور متاخرین علمائے تفسیر متقدمین کے اقوال پر نقد و جرح کرتے اور اختلافِ رائے رکھتے نظر آتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص کی تحقیق قرآن عزیز کے مطالب کی خدمت ہی سمجھی جاتی ہے' البتہ اہلیت شرط ہے اور جو شخص بھی اس خدمت کے لئے اقدام کرے اس کا فرض ہے کہ فیما بینی وبین اللہ یہ غور وفکر کرے کہ وہ جس مسئلہ میں کوئی راہ اختیار کر رہا ہے حقیقت میں اس کے تمام مالہٗ اور ماعلیہ سے واقف ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کی اس تحقیق سے قرآن کی مزید تائید ہی ہوتی ہے اور سلفِ صالحین کے بنیادی مسلکِ قویم سے قطعاً تجاوز لازم نہیں آتا۔

(۳) عدل و ظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عادل حکومت کا.... نصب العین رعایا اور عوام (پبلک) کی خدمت ہوتا ہے اور اس لئے عادل بادشاہ کا شاہی خزانہ رفاہِ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوش حالی کے لئے ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے صرف نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت کا منشا بادشاہ اور حکومت کا اقتدار' ذاتی تعیش اور اس کا استحکام ہوتا ہے اس لئے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی راحت و آرام کا خیال رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی ہوتا ہے نیز اس حکومت میں رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔

ذوالقرنین چونکہ ایک صالح اور عادل بادشاہ تھا اس لئے اس نے شمالی سیاحت میں اس قوم سے ٹیکس لینے سے انکار کر دیا جو یاجوج و ماجوج پر سد بنانے کے سلسلہ میں دینا چاہتے تھے اور اس نے

Marfat.com

صاف کہا کہ خدا نے مجھ کو حکومت و ثروت اس لئے نہیں دی کہ میں اس کو ذاتی تعیش پر صرف کروں بلکہ صرف اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے مخلوقِ خدا کی خدمت انجام دوں۔ نیز اس نے جو ملک بھی فتح کیا اس کی رعایا پر عفو و کرم ہی کی بارش کی اور کبھی ان کو نہیں ستایا۔

Marfat.com

اصحاب الکہف والرقیم

سنہ ۱ء (تخمیناً)

قرآنِ عزیز اور اصحاب الکہف والرقیم۔ کہف و رقیم؛ واقعہ کی حیثیت تفسیری حقائق، نتائج و عبر

قرآنِ عزیز اور اصحاب الکہف والرقیم

ابن اسحاق بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش مکہ میں یہ مشورہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بہت سنگین ہوتا جا رہا ہے اس لیے ایسا کوئی یقینی فیصلہ ہونا چاہیئے کہ یہ صادق ہیں یا کاذب تاکہ ہم ان کے متعلق اپنی آخری رائے پر عمل کر سکیں بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ کو یہود مدینہ سے حل کیا جائے کیونکہ وہ خود کو اہلِ کتاب کہتے اور اس قسم کے معاملات میں صاحبِ بصیرت ہیں۔ قریش نے اس غرض سے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط پر مشتمل ایک وفد علماءِ یہود کے پاس بھیجا۔ علماءِ یہود نے ان سے کہا کہ تم ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ صحیح صحیح جواب دیں تو بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں تم کو ہرگز ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے اور اگر وہ صحیح جواب نہ بتا سکیں تو تم کو اختیار ہے جو چاہو ان کے ساتھ کرو۔ وہ تین سوال یہ ہیں ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ اصحاب کہف کون تھے اور ان پر کیا گزرا؟ روح کی حقیقت بیان کیجیے؟ وفد نے مکہ جا کر صنادید قریش سے صورت حال کہہ سنائی اور قریش نے اس بات کو بہت پسند کیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے یہ تینوں سوالات کیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جواب وحی آنے پر دوں گا چنانچہ جب وحی کے ذریعہ آپ کو ان واقعات کی حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تب آپ نے ان کے سامنے سورۂ کہف

Marfat.com

تلاوت کر کے واقعات کی حقیقت ان پر واضح کر دی۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ
وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا
رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً
وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا
عَلٰى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ
عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ
الْحِزْبَيْنِ أَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا أَمَدًا ۝
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ
إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ إِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا
رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖ إِلٰهًا
لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ هٰؤُلَاءِ
قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً
لَوْلَا يَأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ
بَيِّنٍ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ
وَمَا يَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ فَأْوٗا

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم کا معاملہ
ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب (معاملہ) ہے جب چند
نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گیر ہو گئے تھے اور یہ دعا
مانگ رہے تھے اے ہمارے پروردگار تو اپنے پاس سے
ہم کو رحمت عطا کر اور ہمارے لئے رشد و ہدایت مہیا کر پھر
ہم نے غار میں چند سال تک کے لئے ان کو تھپک کر سلا دیا
پھر ان کو اٹھایا (بیدار کیا) تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں بستی
والوں (اور غار والوں) میں سے کس نے ان کی مدت کا صحیح
اندازہ لگایا ہم تجھ کو ان کا صحیح اور سچا واقعہ بتائے دیتے
ہیں بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان
لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت کی روشنی اور زیادہ عطا
کر دی تھی اور جب وہ (حاکم وقت کے سامنے) یہ اعلان
کرنے پر کمربستہ ہو گئے کہ ہمارا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں
اور زمین کا پروردگار ہے اور ہم ہرگز اس کے علاوہ
کسی کو خدا نہیں پکار سکتے اور اگر ایسا کریں تو خدا
پر بہتان باندھیں گے اس وقت ہم نے ان کے
دل خوب مضبوط کر دئیے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ ہماری
قوم ہے جنہوں نے اللہ کے ماسوا بہت سے معبود
بنا لئے ہیں ۔ یہ کیوں کھلی دلیل اپنے معبودان
باطل کی صداقت کے لئے نہیں لاتے پس اس سے

Marfat.com

إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ
مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ
مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا وَتَرَى الشَّمْسَ
إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ
ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ
ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي
فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ط
مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ
مَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا
مُرْشِدًا وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا
وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ
الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ
اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ
فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا وَ
كَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا
بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا
أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ
بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ

زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے اور
اے رفیقو! جب تم ان سے اور ان کی عبادت سے جو
اللہ کے سوا وہ باطل معبودوں کی کرتے ہیں علیٰحدگی
اختیار کرتے ہو تو پہاڑ کے غار میں چلے چلو تمہارا پروردگار
اپنی رحمت نچھاور کرے گا اور تمہارے معاملہ میں سہولت
کار پیدا کرے گا اور اے پیغمبر تم سورج کو دیکھو گے
کہ وہ نکلتے وقت ان کے غار سے داہنی جانب بچکر
نکل جائے گا اور ڈوبتے وقت غار سے کترا کر بائیں
جانب کو ہو جاتا ہے اور وہ کشادہ غار میں ہیں یہ
اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو وہ ہدایت
دے وہی راہ یاب ہے اور جس شخص کو اس کی مسلسل
سرکشی کی بنا پر گمراہ کرے تو اس کے لئے کسی راہ
دکھلانے والے مددگار کو نہ پائیگا اور تو ان کو بیدار گمان
کریگا حالانکہ وہ سو رہے ہوں گے اور ہم ان کی کروٹیں
بدلتے رہتے ہیں داہنے بھی اور بائیں بھی اور ان کا کتا اپنے
اگلے ہاتھ پھیلائے غار کے منہ پر بیٹھا ہوا ہے اگر تو ان کو جھانک
کر دیکھے تو ان کی اس شان اور حالت کو دیکھ کر مرعوب
ہو جائے اور بھاگ پڑے اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھا
دیا جگا دیا تاکہ آپس میں پوچھ گچھ کریں ایک نے ان میں سے
کہا تم غار میں کب سے ہو دوسروں نے جواب دیا ایک دن یا
دن کے کچھ حصہ سے پھر انھوں نے کہا تمہارا پروردگار ہی

Marfat.com

أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ
مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ أَحَدًا ۝ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا
عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ
فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا
أَبَدًا ۝ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا
عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ
اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ
لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ
بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا
ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا رَّبُّهُمْ
أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ
غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ
عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝ سَيَقُولُونَ
ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ
وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ
كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَ
يَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ
كَلْبُهُمْ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم
مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا
تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا

خوب جانتا ہے کہ تم یہاں کتنی مدت سوئے ہو تو اب یہ کرو کہ)
اپنے میں سے کسی ایک کو شہر میں یہ سکہ دے کہ بھیجو کہ وہ
تمہارے لئے دیکھ بھال کر عمدہ قسم کا کھانا لائے اور
اس کو چاہیے کہ بہت ہی رازدارانہ طریقہ پر جائے اور
ہرگز کسی کو اطلاع نہ ہونے دے کہ ہم یہاں مقیم ہیں
اس لئے کہ اگر ان پر تمہارا معاملہ منکشف ہو گیا تو وہ تم کو
سنگسار کر دیں گے یا تم کو زبردستی اپنے دین کی جانب
لوٹانے پر مجبور کریں گے اور اس وقت تم ہرگز کامیاب
نہ ہو گے (نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں) اور اسی طرح
ہم نے شہر والوں پر ان کا معاملہ ظاہر کر دیا تاکہ وہ یہ
یقین کر لیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کی گھڑی
ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے ہم نے
ان کو اس وقت اس معاملہ کی اطلاع دی جب کہ وہ
قیامت کے وجود و عدم پر آپس میں اختلاف کر رہے تھے
پھر وہ کہنے لگے کہ ان اصحاب کہف پر قبہ تعمیر کر دو ان کا
پروردگار ان کے حال کا خوب واقف کار ہے یعنی ان
سے کوئی تعرض نہ کرو) ان لوگوں نے جو برسر حکومت
تھے کہا ہم تو ان کے غار پر ایک مسجد (ہیکل) تعمیر کریں گے
اے پیغمبر کچھ لوگ کہیں گے وہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا
کتا ہے کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں نہیں پانچ ہیں چھٹا
ان کا کتا ہے یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں بعض

Marfat.com

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ
اَحَدًا ۝ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ
اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا
نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ
رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا
وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ
وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝

کہتے ہیں سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے (اے پیغمبر) کہدے ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے اور تو لوگوں سے اس بارہ میں نزاع نہ کر مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو (یعنی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ کتنے آدمی تھے کتنے دنوں تک رہے تھے اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر۔ اور ہرگز کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہنا کہ میں کل کو یہ ضرور کرنے والا ہوں مگر یہ کہکر کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلو تم کہدو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دیگا اور کہتے ہیں وہ غار میں تین سو برس تک رہے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دئے ہیں (اے پیغمبر) تو کہدے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے بڑا ہی دیکھنے والا بڑا سننے والا ہے اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے

کہف و رقیم لغت میں کہف پہاڑ کے اندر وسیع غار کو کہتے ہیں مگر رقیم کے معنی میں مفسرین کو سخت تردد ہے اور ضحاک اور سدی جو ہر ایک تفسیری روایت کو حضرت عبداللہ بن عباس کی جانب ضرور منسوب کر دیا کرتے ہیں اس مقام پر بھی حضرت عبداللہ بن عباس سے متعدد اقوال نقل کرتے ہیں (۱) یہ رقم سے مشتق ہے اور رقیم بمعنی مرقوم (مکتوب) ہے چونکہ بادشاہِ وقت نے ان کی تلاش کے بعد ان کے نام پتھر کی ایک تختی پر کندہ کر دئے تھے اس لئے ان کو اصحاب رقیم بھی کہا جاتا ہے سعید ابن جبیر اسی کی تائید میں ہیں اور مفسرین کے یہاں یہی قول مشہور ہے (۲) یہ وادی کا نام ہے جہاں پہاڑ میں وہ غار تھا جس میں اصحاب کہف روپوش ہوئے تھے۔ قتادہ عطیہ عوفی اور مجاہد بھی اسی کی تائید کرتے ہیں (۳) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار تھا

Marfat.com

(۴) عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو یہ کہتے سنا "ما ادری ما الرقیم کتاب ام بنیان" میں نہیں کہہ سکتا کہ رقیم سے کندہ تختی مراد ہے یا شہر مراد ہے (۵) بروایت کعب احبار، وہب بن منبہ حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ یہ ایلہ (عقبہ) کے قریب ایک شہر کا نام ہے' یہ بلادِ روم میں واقع ہے۔

تاریخ اور اثری تحقیقات کے پیش نظر یہ آخری قول ہی صحیح اور قرآن عزیز کے بیان کے مطابق ہے اور باقی اقوال محض قیاس و تخمین پر مبنی ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے تاریخ اور علم الآثار کے چند اوراق کا مطالعہ ضروری ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ واقعہ بعثت مسیح (علیہ السلام) سے کچھ زمانہ بعد کا ہے اور انباط کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے یہ انباط کون ہیں؟ اور ان کا مسکن و موطن کہاں ہے؟ یہی وہ گتھی ہے جس کے سلجھ جانے پر حقیقت روشن ہو سکتی ہے مورخین عرب انباط کے متعلق عموماً یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عجمی النسل ہیں اور اسی لئے وہ نبطی کو عربی کا مقابل قرار دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے اور عرب مورخین کے مختلف تاریخی مقولے اور توراۃ اور رومی و یونانی تاریخیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ نبطی خالص عربی اور اسمٰعیلی النسل ہیں مگر بدویانہ زندگی ترک کر دینے اور حجاز سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بس جانے کی وجہ سے یہ عربوں کے لئے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ خود بھی یہ بھول گئے کہ عرب سے ان کو کیا نسبت ہے؟ اسی بنا پر حضرت فاروق اعظم کا مشہور مقولہ ہے۔

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط	اپنے نسب کو سیکھو عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب
السواد اذا سئل احدھم	ان میں سے کسی سے دریافت کیا جائے کہ تم کس خاندان سے
عن اصلہ قال من قریۃ کذا	ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

لیکن "انباط" کی بحث کو چھوڑ کر جب مورخین عرب سے دریافت کیا جائے کہ نبط یا نابت کون ہے تو وہ بغیر کسی اختلاف کے فوراً یہ جواب دیں گے "ابن اسمٰعیل علیہ السلام" کیونکہ حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے بارہ لڑکوں میں سے بڑے کا نام نابت یا نبط ہے۔ چنانچہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں نابت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

Marfat.com

ثم جميع عرب الحجاز علی اختلاف قبائلهم يرجعون فی انسابهم الی ولديه نابت وقيدار و كان الرئيس بعده والقائم بالامور الحاكم فی مكة والناظر فی امر البيت و زمزم نابت بن اسمعيل وهو ابن اخت الجرهميين ثم تغلب جرهم علی البيت طمعًا فی بنی اختهم فحكموا بمكة وما والاها عوضا عن بنی اسمعيل مدة طويلة فكان اول من صار اليه امر البيت بعد نابت مضاض بن عمرو بن سعد بن الرقيب بن عباير بن نابت ؎

تمام حجازی عرب کے مختلف قبائل کا نسب حضرت اسمٰعیل کے دو صاجزادوں نابت اور قیدار پر ختم ہوتا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ان کا جانشین نابت ہوا وہی تمام امور کا والی مکہ کا حاکم، زمزم اور کعبہ کا متولی قرار پایا اور یہ بنی جرہم کا بھانجا تھا پس بنی جرہم اس تعلق کی وجہ سے اس کے بعد عرصہ تک مکہ پر حاکم و قابض رہے اور اطرافِ مکہ پر بھی انہی کی حکومت رہی مدت دراز کے بعد نابت کی پانچویں پشت میں سے ایک شخص مضاض نے دوبارہ مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت کو بنی جرہم کے قبضہ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لی۔

مگر اس کے آگے عرب مورخین عام طور پر اس بارے میں خاموش ہیں کہ جب نابت بن اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کثرت سے بڑھی تو کیا وہ صرف حجاز ہی کے اندر محدود رہی یا اطراف و جوانب میں پھیلی اور اگر ادھر گئی تو اس کا سلسلہ کہاں تک پھیلا۔ البتہ ابن خلدون نے اس سے متعلق معلومات میں کچھ اضافہ کیا ہے وہ کہتا ہے۔

؎ البدایہ والنہایہ جلد ۲

Marfat.com

"نابت بن اسمٰعیل بیت اللہ کا متولی ہوا اور مکہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مقیم رہا تاآنکہ اس کی نسل نے اس درجہ ترقی کی کہ وہ مکہ میں نہ سما سکے اور حجاز کے اطراف و جوانب تک میں پھیل گئے"[1]

لیکن توراۃ نے اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر جو کچھ کہا ہے وہ اصل گتھی کو سلجھانے میں بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے اس نے شروع میں تو حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے بارہ بیٹوں کی فہرست دی ہے اور اس کے بعد اس نے یہ بتایا ہے کہ خاندان نابت ساعیر (کوہ سراط) یعنی حجاز سے شام کے علاقہ تک پھیلا ہوا ہے اور ایلہ (عقبہ) تک ان کا قبضہ ہے توراۃ میں نابت کا تلفظ بھی مختلف طریقوں سے مذکور ہے کہیں نبیت ہے تو کہیں نبیط اور کہیں نبایوط:

توراۃ کے حوالجات یہ ہیں۔

"یہ اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام ہیں مطابق ان کے ناموں اور نسبتوں کی فہرست کے اسمٰعیل کا پہلوٹھا نبیت اور قیدار اور ادبئیل اور مبسام اور مسماع اور دومہ اور مسّا اور حدر اور تیمہ اور اطور اور نفیس اور قدماہ"[2]

یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں یروشلم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔

"اور قوموں کی دولت تیرے (یروشلم) کے پاس فراہم ہوگی اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور علیفہ کی سانڈنیاں تیرے گرد آکے جمع ہوں گی وہ سب جو سبا کے ہیں آئیں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے"[3]

اور حزقیل نبی کے صحیفہ میں ہے۔

"بنایوط (نابت) کی بھیڑیں نذر کی جائیں گی"[4]

اور سفر تکوین میں خاندانِ نابت کا علاقہ سکونت یہ بتلاتے ہیں۔

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے آشور کو جاتے ہیں بستے تھے ان کا قطعۂ زمین ان کے سب بھائیوں کے سامنے پڑا تھا"[5]

---

[1] جلد ثانی [2] تکوین باب ۲۵ آیات ۱۳-۱۶ [3] باب ۲۱ آیات ۱۷ [4] باب ۲۵ آیات ۱۸
[5] باب ۲۵ آیات ۱۸

Marfat.com

ان حوالجات کی تفصیل و تشریح کے لئے اب اگر ان رومی مورخین کی شہادات بھی شامل کرلی جائیں جو نبطیوں (انباط) کے معاصر ہیں تو یہ بات بالکل ہی صاف ہو جاتی ہے کہ انباط اور بنو نابت بن اسمٰعیل ؑ ایک ہی ہیں اور یہ کہ انھوں نے غیر متمدن زندگی کو چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کرلی تھی۔

یوسیفوس جو پہلی صدی عیسوی میں ہو گذرا ہے اور انباط کا معاصر بھی ہے لکھتا ہے۔

"ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے ان کا نام نبوطینہ (Nabatena) پڑ گیا ہے اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان (Petraea) مل گئی ہے اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتہی ہوتی ہے عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام نبایوط عرب ہے.... (Nebayoth) ہے [۱]

اور ڈائسڈروس نشہ ق م بیان کرتا ہے۔

"انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں" [۲]

اور دوسری جگہ لکھتا ہے۔

اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) میں داخل ہو گے جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ بنط کہتے ہیں [۳]

اور آثار اور کتبات میں نبط کا نام سب سے پہلے نشہ ق م میں نظر آتا ہے جب کہ آشور بنی پال شاہ اسیریا کے کتبہ میں وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہ نبط کا تذکرہ کرتا ہے [۴]

ان تمام تفاصیل کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ ایلہ (عقبہ) کی خلیج سے شام تک اور سواحلِ مصر سے خلیج فارس تک جو قوم مسطورۂ بالا حوالجات میں برسر اقتدار نظر آتی ہے وہ نابت بن اسمٰعیل ہی کی نسل ہے جو نبط، انباط، نبایوط اور نبیت کے ناموں سے پکاری جاتی رہی ہے۔

[۱] ماخوذ از گولڈ کالس آف ربن ص ۲۲۵ انتہیٰ ۱۲ (ارض القرآن ج ۲) [۲] ارض القرآن ج ۲ ص ۶۱ ماخوذ از گولڈ کالس آف مدن ص ۲۲۵ انتہیٰ ۱۲ [۳] ایضاً ج ۲ ص ۶۰ [۴] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۶

البتہ ایک بات طبیعت میں ضرور کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ نابت بن اسمٰعیل (علیہ السلام) کی جس نسل سے توراۃ اور رومی مورخین اس تفصیل کے ساتھ واقف ہوں وہ عرصۂ دراز کے بعد اپنے بھائیوں (اہل عرب) کی نگاہ میں کیوں اجنبی ہو گئی بلکہ خود نبطی یہ کیوں بھول گئے کہ وہ خالص عربی النسل اور اسمٰعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہیں سو اس کے متعلق یاقوت حموی کے ایک جملہ سے بآسانی جواب دیا جا سکتا ہے۔ یاقوت (عرب) کے عنوان میں بحث کرتے ہوئے یہ بیان کرتا ہے۔

اما النبط فکل من لم یکن راعیا	اہل عرب دنیا کے ہر اس انسان کو نبطی کہہ دیتے
او جندیا عند العرب من	ہیں جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔
ساکن الارضین	

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاز سے نکل کر مدت مدید کے بعد چونکہ نبطیوں نے بدویانہ، سپاہیانہ زندگی کو چھوڑ کر متمدن شہریوں کی زندگی اختیار کر لی تھی اس لئے آہستہ آہستہ اہل عرب کی نگاہ میں بنی نابت اجنبی ہو گئے اور وہ ان کو بھی عجمی حکمرانوں کی طرح سمجھنے لگے لہٰذا ان کے طریق بود و ماند معاشرتی تمدن اور اختلافِ احوال نے ان حجازیوں سے الگ کر کے ان ہی کے بھائیوں کی نگاہ پر ان کے حجابی پردے ڈال دیے۔

مورخین کے نزدیک انباط کا رقبۂ حکومت تین مختلف العہد قوموں کے دائرۂ حکومت پر حاوی تھا یعنی (۱) ثمود کا ملک "وادی قریٰ" اس کا دارالحکومت مشہور شہر حجر تھا (۲) ملک مدین اس کا دارالحکومت خود شہر مدین ہی تھا (۳) ملک ادوم[۱] اس کا دارالحکومت رقیم تھا۔

انباط کا زمانہ حکومت ؁ ق م سے شروع ہو کر ؁ تک ختم ہو جاتا ہے۔ اوائل صدی عیسوی میں رومیوں نے ان پر لشکرکشی کر کے اور شکست دے کر رقیم اور اس کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا اور انباط کے پاس صرف حجر کا علاقہ باقی رہ گیا تھا جو ۱۰۶ء میں جب ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو انباط کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا رومیوں نے رقیم پر قبضہ کرنے کے بعد جب اس کو اپنی

[۱] ادوم کا علاقہ اول عیسو بن اسحاق (علیہ السلام) کے قبضہ میں تھا جیسا کہ ادوم کے ذکر میں قصص القرآن ج ۱ میں ذکر ہو چکا ہے۔

Marfat.com

تمدنی، سیاسی اور معاشرتی ترقیوں کا مرکز بنایا تو اس کا پرانا نام بدل کر پیٹرا رکھا۔

یہی وہ رقیم ہے جس کا ذکر اصحابِ کہف کے واقعہ میں قرآنِ عزیز نے کیا ہے "اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا" اور یہی وہ شہر ہے جس کے کچھ سعادت مند انسان بت پرستی سے نفور ہو کر اور بت پرست حکمرانوں کے ظلم وجور سے محفوظ رہنے کی خاطر اس شہر کے پہاڑوں کے ایک غار میں چھپ رہے تھے پس حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا یہ ارشاد کہ رقیم "ایلہ" کے قریب شہر تھا اور یہ کہ وہ روم کے علاقہ میں تھا بالکل صحیح اور قرآن اور تاریخ دونوں کے عین مطابق ہے۔ بلاشبہ وہ ایلہ (خلیج عقبہ) کے قریب واقع تھا اور چونکہ رومیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے اس کو روم کے علاقہ میں شمار کرنا قطعاً درست ہے۔

مگر حیرت ہے اس تاریخی انقلاب پر کہ جب رومیوں نے انباط کے اس مرکزی شہر کا نام پیٹرا رکھ دیا تو اس نام نے تھوڑے ہی دنوں میں اس درجہ شہرت حاصل کر لی کہ عرب اور عجم نے اس کے سیناؤں اور فنونِ لطیفہ کی نیرنگیوں سے متاثر ہو کر اس کا اصل نام بالکل فراموش کر دیا اور ان کے لئے چند صدیوں ہی میں رقیم ایک اجنبی اور غیر معلوم نام ہو گیا حتیٰ کہ اہلِ عرب نے بھی اس کو بطرا ہی کے نام سے یاد رکھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب قرآن نے اس کا اصل نام بیان کیا تو دوسروں کی طرح اہلِ عرب بھی حیران تھے کہ رقیم غار کا نام ہے یا وہ کسی کتبہ کا یا پہاڑ کا یا شہر کا لیکن جس نام کو انباط کے بھائیوں (حجازیوں) نے بھلا دیا تھا اس کو توراۃ نے اپنی سند میں محفوظ رکھا تاکہ جب "نبی امی" وحی کے ذریعہ اصل حقیقت کا اعلان کرے تو وہ اس کی تائید کے لئے خود کو پیش کر سکے۔[۱]

گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے جہاں اور بعض جدید انکشافات کئے ہیں ان میں سب سے نمایاں اسی شہر رقیم (پیٹرا یا بطرا) کی دریافت ہے اور اس کے متعلق جس قدر اثری تحقیق کی جا رہی ہے اس سے قرآنِ عزیز کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی جاتی ہے۔

---

[۱] توراۃ سفر عدد اور صحیفہ یسعیاہ میں اس شہر کا نام "راقیم" بیان کیا گیا ہے و دائرۃ المعارف (ع ب)

Marfat.com

خلیج عقبہ (ایلہ) سے شمال کی جانب بڑھتے ہوئے پہاڑوں کے دو متوازی سلسلے ملتے ہیں ان ہی میں سے ایک پہاڑ کی بلندی پر انباط کا دارالحکومت رقیم آباد تھا۔

اس شہر کی موجودہ زمانہ میں جو اثری پیمائش کی جا رہی ہے اس میں نئے نئے انکشافات کے ساتھ اس کے پہاڑوں کے عجیب وغریب "غار" بھی قابل ذکر ہیں یہ غار بہت وسیع اور دور دور تک چلے گئے ہیں اور اس طرح واقع ہیں کہ دن کی دھوپ اور تپش ان تک نہیں پہونچتی ایک غار ایسا بھی دریافت ہوا ہے کہ جس کے دہانہ پر قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بہت سے ستونوں کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی ہیکل کی عمارت ہے۔

اس صاف اور بے لاگ اثری اور تاریخی شہادتوں کے بعد یہ کہنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے جن اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے وہ اسی شہر رقیم سے تعلق رکھتا ہے۔

واقعہ | اسمٰعیلی عربوں کے مذہب سے متعلق تاریخ کے صفحات یہ شہادت دیتے ہیں کہ ان میں گو کچھ عرصہ باپ دادا کا دینِ حق "ملتِ ابراہیم" باقی رہا مگر آہستہ آہستہ مصر، شام اور عراق کے صنم پرستوں کے تعلقات نے عمرو بن لحی کے ذریعہ ان میں بت پرستی اور ستارہ پرستی کی داغ بیل ڈال دی اور کچھ عرصہ بعد ان عربوں کو شرک پرستی میں ایسا ید طولیٰ حاصل ہو گیا کہ وہ دوسروں کے لئے پیش رو بن گئے چنانچہ نابت کی اولاد بھی شرک کی گمراہی میں مبتلا تھی اور ان کے مشہور بت ذوالشریٰ لات، منات، ہبل، کسعہ عمیانس اور حریش تھے۔[1] صدیوں تک نبطی بت پرستی کی اسی گمراہی میں مبتلا رہے کہ مسیحی دور کے اوائل میں دارالحکومت رقیم کے اندر ایک عجیب معاملہ پیش آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مسیحی مذہب کا ابتدائی دور ہے نبطی حکومت کے اطراف یعنی شام وغیرہ میں عیسائیت کا زور ہے کہ رقیم کی چند نوجوان سعید روحیں شرک سے بیزار اور نفور ہو کر توحید کی جانب مائل ہو جاتی اور دینِ عیسوی کو قبول کر لیتی ہیں شدہ شدہ یہ بات بادشاہِ وقت تک بھی پہونچ جاتی ہے۔ بادشاہ نوجوانوں کو دربار میں

---

[1] کتاب الاصنام لدین الکلبی۔

Marfat.com

بلانا اور انکشافِ حال چاہتا ہے نوجوان کلمۂ حق بلند کرنے میں بے باک اور جری ثابت ہوتے ہیں یہ بات بادشاہ کو ناگوار گذرتی ہے مگر وہ دوبارہ معاملہ پر غور کرنے کے لئے ان کو چند روز کی مہلت دیتا ہے یہ دربار سے واپس آکر آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور طے پاتا ہے کہ خاموشی کے ساتھ کسی پہاڑ کے غار میں پوشیدہ ہو جانا چاہئے تاکہ مشرکوں کے شر سے محفوظ رہ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہ سکیں۔ یہ سوچ کر وہ ایک غار میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ جب وہ غار میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نیند طاری کر دیتا ہے اور خواب ہی کی حالت میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ غار کی عجیب کیفیت ہے اندر سے بہت وسیع ہے مگر قدرت نے اس کو ایسا موقع نصیب کیا ہے کہ زندگی کے بقاء کے قدرتی سامان وہاں سب موجود ہیں ایک طرف دہانہ ہے تو دوسری جانب ہوا گذرنے کے منفذ اور سوراخ ہیں جن کی وجہ سے ہر وقت تازہ ہوا اندر آتی جاتی رہتی ہے غار شمال و جنوب رویہ ہے اس لئے طلوع و غروب کے وقت آفتاب کی تپش اندر نہیں پہنچ پاتی مگر ہلکی ہلکی روشنی برابر پہنچتی رہتی ہے اور ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ نہ تاریکی ہی ہے کہ کچھ نظر نہ آئے اور نہ اتنی روشنی ہے کہ کھلے میدان کی طرح جگہ روشن ہو جائے۔ اس حالت میں چند انسان اس غار میں خواب آلود ہیں اور ان کا رفیق کتا اپنے اگلے ہاتھ پھیلائے غار کے دہانہ پر باہر کی جانب منہ کئے بیٹھا ہے۔

اس مجموعی صورتِ حال نے ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے کہ پہاڑوں کے درمیان غار کے اندر جھانکنے والے انسان پر خوف و ہراس کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

برسوں تک یہ نوجوان اسی حالت میں آرام کے ساتھ محفوظ رہتے ہیں کہ شہر میں انقلاب ہو جاتا ہے رومی عیسائی بنطی حکومت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر اس پر قابض ہو جاتے ہیں اور اس طرح رقیم (پیٹرا) عیسائیت کے آغوش میں آجاتا ہے۔ اب خدا کی مشیت فیصلہ کرتی ہے کہ یہ نوجوان بیدار ہوں، وہ بیدار ہو جاتے ہیں اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم کتنی مدت سوتے رہے ایک نے جواب دیا کہ ایک دن اور دوسرے نے کہا یا دن کا بھی کچھ حصہ، پھر کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی شہر جا کر کھانا لے آئے اور یہ سکہ لے جائے مگر جو بھی جائے اس طرح لین دین کرے کہ شہر والوں کو پتہ نہ لگ سکے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں؟ ورنہ مصیبت آجائے گی۔

Marfat.com

بادشاہ ظالم بھی ہے اور مشرک بھی، وہ یا تو شرک پر آمادہ اور بے دینی پر مجبور کرے گا اور یا ہم سب کو قتل کر ڈالیگا اور یہ باتیں ہماری دین و دنیا کو برباد کر دینے والی ثابت ہوں گی۔

اب نوجوان میں سے ایک شخص سکہ لے کر شہر گیا وہاں دیکھا تو حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ اور نئے آدمی اور نیا طور و طریقہ نظر آرہا ہے مگر پھر بھی وہ ڈرتے ڈرتے ایک باورچی کی دوکان پر پہنچا اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں، جب قیمت ادا کرنے لگا تو باورچی نے دیکھا کہ سکہ قدیم ہے۔ اس طرح آخر بات کھل گئی لوگوں کو جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انھوں نے اس شخص کا خیر مقدم کیا اور اس عجیب و غریب معاملہ سے بہت زیادہ دلچسپی لی۔ کیونکہ عرصہ ہوا کہ یہاں مشرک بادشاہوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

اس شخص نے جب یہ حال دیکھا تو اگرچہ عیسائیت پھیل جانے سے اس کو بے حد خوشی ہوئی مگر اپنے اور اپنے رفیقوں کے لئے یہی پسند کیا کہ دنیا کے ہنگاموں سے علیحدہ رہ کر یادِ خدا میں گزار دیں اس لئے کسی طرح مجمع سے جان بچا کر پہاڑ کی راہ لی اور اپنے رفقا میں پہنچ کر سب حال کہہ سنایا اور ادھر شہر والوں میں ان کی جستجو کا شوق پیدا ہوا اور انھوں نے آخر ان کو ایک غار میں پالیا، لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ شہر کو چلیں اور اپنی پاک زندگی سے اہلِ شہر کو فائدہ پہنچائیں مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے اور انھوں نے اپنی عمر کا باقی حصہ راہبانہ زندگی کے ساتھ اسی غار میں گذار دیا۔

جب ان مردانِ خدا راہبوں کا انتقال ہو گیا تو اب لوگوں میں چرچا ہوا کہ ان کی یادگار قائم ہونی چاہئے چنانچہ ان میں جو حضرات ذی اثر اور با اقتدار تھے انھوں نے کہا کہ ہم تو ان کے غار پر ہیکل (مسجد) تعمیر کریں گے اور غار کے دہانہ پر ایک عظیم الشان ہیکل تعمیر کرا دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کی روایت میں ہے کہ جب اس جوان کے پیچھے بادشاہ وقت اور پبلک دونوں آئے تو غار کے قریب پہنچ کر وہ یہ نہ معلوم کر سکے کہ جوان کس جانب چلا گیا اور جب بہت جستجو کے بعد بھی اصحابِ کہف کا پتہ نہ پا سکے تب مجبور ہو کر واپس ہو گئے اور ان کی یادگار میں پہاڑ پر ایک ہیکل (مسجد) تعمیر کر دیا[1]

[1] فتح الباری ج ۶ حدیث غار و تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورۂ کہف، البدایہ والنہایہ ج ۲

Marfat.com

واقعہ کی تاریخی حیثیت

ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) اور دیگر بزرگوں کی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بعثت سے کچھ زمانہ بعد کا ہے یعنی ابتدا دورِ مسیحی کا واقعہ ہے مگر مجھ کو اس قول میں یہ تردد ہے کہ محمد بن اسحٰق کی اس روایت سے جو اس واقعہ کے شانِ نزول سے متعلق ہے" یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف کے بارے میں قریشِ مکہ کو یہود نے تعلیم کیا تھا کہ وہ دوسرے سوالوں کے ساتھ ایک سوال یہ بھی کریں اور یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس واقعہ کے ساتھ یہود کو خاص دلچسپی تھی پس اگر یہ واقعہ عیسائیت کی ترقی سے متعلق تھا تو یہود کو اس کے ساتھ دلچسپی کے کیا معنی کیونکہ یہودیت اور عیسائیت تو نبرد آزما اور حریف جماعتیں ہیں اس سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح (علیہ السلام) سے بہت پہلے یہودی دور سے متعلق ہے [1]

ابن کثیر (رحمہ اللہ) کا یہ سوال اگرچہ اہمیت رکھتا ہے لیکن تاریخی سندات اس کی تائید نہیں کریں بلکہ خلاف فیصلہ کرتی ہیں اس لئے کہ یہ مسلم ہے کہ واقعہ زیر بحث شہر رقیم میں پیش آیا ہے اور یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ "رقیم" اپنی آبادی کے وقت سے کبھی یہودیت سے متاثر نہیں ہوا بلکہ نبطی دور میں بت پرستی کا گہوارہ رہا اور اس کے بعد رومیوں نے جب اس پر قبضہ کر لیا تو وہ عیسائیت کی آغوش میں آگیا۔ چنانچہ رقیم کی تاریخ ان ہی دو عہدوں سے بنتی ہے تو پھر ایک خاص نکتہ کے پیش نظر محض ظن وتخمین سے کس طرح اس واقعہ کو یہودیت سے متعلق کہا جا سکتا ہے اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسیحی مذہب کے ابتدائی دور میں اس قسم کے چند واقعات اور بھی پیش آئے ہیں جن میں مشرک اور بت پرست بادشاہوں کے خوف سے عیسائیوں نے غاروں اور پہاڑوں میں جا کر راہبانہ زندگی اختیار کی ہے چنانچہ ایک واقعہ شہر افسس میں پیش آیا ایک انطاکیہ میں اور ایک خود روم میں پیش آچکا ہے لہذا قرآن عزیز نے ایک ایسے ہی واقعہ کی خبر دی ہے جو شہر رقیم یا راقیم میں پیش آیا تھا۔

اس بنا پر ابن اسحٰق کی روایت کے متعلق دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنی چاہیئے اول یہ کہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورۂ کہف البدایہ والنہایہ ج ۲

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت میں تین سوالات کا جو ذکر کیا ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دو سوالات تو صرف یہودی علماء کے بنائے ہوئے تھے اور ان سے مشرکین مکہ قطعاً ناآشنا تھے مگر تیسرے سوال و اصحاب کہف کا سوال، سے متعلق خود قریش مکہ کو بھی ایک حد تک علم تھا اس لئے کہ یہ واقعہ ان کے بہت قریب ہی پیش آیا تھا اور اگرچہ وہ رقیم کو بھول گئے تھے لیکن پیٹرا (بطرا) سے وہ بخوبی واقف تھے اور شام کی تجارت کی وجہ سے نبطیوں کے ساتھ ان کا ہر وقت کا واسطہ تھا اور واقعہ بھی کچھ زیادہ طویل عرصہ کا نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ وہ اس واقعہ کی کچھ معمولی باتیں جانتے ہوں اور چونکہ اس کا تعلق اہل کتاب سے تھا اس لئے قریشیوں نے آپ کی صداقت کے امتحان کے لئے بمشورہ یہود اس کو بھی شامل کر لیا ہو اور چونکہ سوالات بہرحال مشرکین ہی کی جانب سے کئے گئے اس لئے حضرت ابن عباس نے اختصار کے طور پر ان تینوں کو ایک ہی اسلوب سے نقل فرما دیا۔

یہ احتمال محض اندیسرے کا تیر نہیں ہے بلکہ قرآن عزیز کے اسلوبِ بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ زیر بحث تینوں سوالات میں سے پہلے اور دوسرے سوالوں کے متعلق قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے "یَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ" "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ" یعنی ان دونوں جگہ سوال کی حیثیت نمایاں کیا ہے مگر تیسرے مسئلہ میں پیرایہ بیان اس سے جدا یہ اختیار کیا گیا ہے "اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا" اس جگہ اگرچہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے لیکن مقصود وہی لوگ ہیں جو سوال کر رہے ہیں اور اس واقعہ کی کچھ حقیقت جاننے کی وجہ سے اُسے ایک عجیب و غریب واقعہ سمجھتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید تفصیلات کے طالب ہیں نیز اسی واقعہ میں قرآن نے یہ بھی کہا ہے کہ جب آپ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ ان کو بتائیں گے تو آپ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف چرچے سنیں گے "سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ" "یَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ" یہ بھی ثبوت ہے اس امر کا کہ قریش مکہ ضرور اس واقعہ سے قدرے آگاہ تھے اور اسی لئے "اَلرَّقِیْم" کہہ کر قرآن نے اس جانب ان کو توجہ دلائی کہ تم آج جس کا بطرا کہہ کر ذکر کرتے ہو وہ دراصل تمہارے ہی بھائیوں کی حکومت کا مرکزی شہر "رقیم" ہے جو تم سے فراموش ہو چکا ہے

Marfat.com

دوسری بات یہ کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ سے رومیوں کی فتوحات رقیم و حجر تک نبطیوں کے ہاتھوں یہودیوں کو ہر قسم کی تکالیف پیش آچکی اور ان کے ساتھ سیاسی و مذہبی حریفانہ نبرد آزمائیاں بھی ہو چکی تھیں[۱] اس لئے اگرچہ اس واقعہ میں عیسائیت کی صداقت کا ایک پہلو ضرور نکلتا تھا تاہم نبطیوں کی مشرکانہ زندگی میں رومیوں کے ہاتھوں ان کی تذلیل و تحقیر کا پہلو بھی کچھ کم نمایاں نہیں ہوتا تھا جو بہرحال ان کی مسرت کا باعث تھا اور اسی لئے غالباً یہود نے اس حیثیت کو نظر انداز کر دیا اور دو سوالوں کے ساتھ اس تیسرے سوال کو بھی خصوصیت کے ساتھ منتخب کیا۔

تفسیری حقائق (۱) "اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا" اے پیغمبر کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے؟ یعنی جو لوگ اس واقعہ کو خدا کی نشانیوں میں سے بہت زیادہ نشانی سمجھ رہے ہیں تو ان پر یہ ظاہر کر دو کہ میرے خدا کے نشان یوں تو کائناتِ انسانی کے لئے بلاشبہ عجیب ہیں لیکن اس کی قدرتِ کاملہ کے پیش نظر اس کے دوسرے نشانات کے مقابلہ میں یہ کوئی عجیب و غریب نشان نہیں ہے اس لئے کہ زمین و آسمان کی صناعی، سورج، چاند اور ستاروں کی تخلیق اور ان کا حیرت زا نظامِ کشش، نظامِ فلکی کی یہ بے نظیر ترتیب، انسان پر وحی الٰہی کا نزول اور نظامِ اسبابِ حق کی کمزوری اور باطل کی قوت کے باوجود حق کی فتح اور باطل کی شکست ایسے امور ہیں جو اس واقعہ سے کہیں زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں پس جن لوگوں کو یہ واقعہ بادی النظر میں عجیب معلوم ہوتا ہے وہ اگر قدرتِ حق کی مسطورہ بالا کارفرمائیوں پر نگاہِ حقیقت آگاہ سے غور کریں تو پھر ان کو بھی اقرار کرنا پڑے کہ بلاشبہ قدرتِ حق کے سامنے یہ واقعہ نہ عجیب ہے اور نہ حیرت انگیز البتہ عبرت زا اور بصیرت افزا ضرور ہے "لَوْ کَانُوْا یَفْقَهُوْنَ"۔

(۲) امام بخاری نے اپنی صحیح میں اصحابِ کہف پر بھی ایک باب معنون کیا ہے مگر مسطورہ بالا واقعہ سے متعلق مشہور حدیث ان کی شرائط کے مطابق ثابت نہیں ہوئی اس لئے انھوں نے سورۂ کہف کی آیاتِ

---

[۱] سفر عدد باب ۲۰ آیات ۲۱ - ۱۴ و یسعیاہ۔

Marfat.com

زیر بحث کی تفسیر اس روایت کے ذریعہ نہیں کی البتہ انھوں نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے واقعہ کے پیش نظر جو کہ "حدیث الغار" کے عنوان سے معنون ہے یہ سمجھا ہے کہ "اصحاب کہف" اور اصحاب رقیم" دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور اصحاب رقیم وہ حضرات ہیں جن کا ذکر "حدیث الغار" میں کیا گیا ہے اسی بنا پر انھوں نے حدیث غار کو "اصحاب الرقیم" کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ حدیث غار کا واقعہ یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل میں سے تین شخص سفر کر رہے تھے اثناء راہ میں بارش آگئی، وہ تینوں ایک پہاڑ کی کھوہ (غار) میں پناہ لینے کے لئے داخل ہو گئے اتفاقاً پہاڑ کی اونچائی سے ایک بھاری پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آگرا اور اس کو ڈھانپ لیا۔ یہ دیکھ کر تینوں نے ایک دوسرے سے کہا: بھائی اب اس ویرانہ میں اس حادثہ سے نجات کی بظاہر اسباب تو کوئی صورت نظر نہیں آتی البتہ اگر ہم میں سے ہر ایک شخص اپنی زندگی کے کسی ایسے کام کا ذکر کرکے جو اس نے ریا، و نمود سے خالی صرف رضاء الٰہی کی خاطر کیا ہو "رب العالمین کی درگاہ میں دعا مانگے تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات دیدے، تب ان میں سے ایک نے کہا خدایا تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک مزدور سے چند سیر چاولوں پر مزدوری کرائی تھی مگر کام کے بعد مزدور چلا گیا اور اس کی اجرت میرے ذمہ باقی رہ گئی۔ فصل پر جب میں نے چاول کی کاشت کی تو اس کا حصہ بھی شامل کر لیا اور پیداوار پر اس کے حصہ کے چاولوں سے ایک عمدہ بیل خرید لیا۔ اس عرصہ میں مزدور آیا اور اس نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا میں نے بیل کی رسی اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تیری مزدوری کا حاصل ہے اور اس کو واقعہ سنایا وہ بہت خوش ہوا اور بیل کو لے گیا پس اے خدا اگر تیرے نزدیک میرا یہ عمل صرف تیری خوشنودی اور حقوق العباد کی حفاظت پر مبنی تھا تو اس کی برکت سے ہماری اس مصیبت کو دور کر دے چنانچہ اس کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ بھاری چٹان نے حرکت کی اور غار کے منہ سے کچھ ہٹ گئی اور کشادگی پیدا ہو گئی۔ اب دوسرے نے کہا خدایا تو دانا و بینا ہے کہ میرے والدین بہت ضعیف اور ناتواں تھے اس لئے میرا یہ دستور تھا کہ اپنی بکریوں کا دودھ دوہ کر شام کو سب سے پہلے ان کو پلاتا اور بعد میں اپنے اہل و عیال کو شکم سیر کرتا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مجھ کو جنگل میں دیر ہو گئی دودھ لیکر

Marfat.com

گھر آیا تو والدین انتظار کرکے سو چکے تھے۔ اہل وعیال بھوک سے مضطرب اور بے تاب تھے اور دودھ کے خواہش مند مگر میں نے کہا کہ جب تک والدین اٹھ کر نہ پی لیں گے کسی کو دودھ نہیں ملے گا اور والدین کی نیند خراب نہ ہو اس لئے بیدار کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اور تمام شب اسی طرح ان کے سرہانے دودھ لئے بیٹھا رہا کہ شاید درمیان میں بیدار ہوں اور بھوک ستائے مگر وہ صبح کو ہی بیدار ہوئے تب میں نے پہلے ان کو دودھ پلایا اور جب وہ سیراب ہو گئے تو بعد میں اہل وعیال کو دیا" پس اے خدا اگر میرا یہ عمل صرف تیری رضا اور اطاعتِ والدین کے ادا حق کے لئے تھا تو ہماری اس مصیبت کو ٹال دے پتھر میں دوبارہ جنبش ہوئی اور چٹان اس درجہ ہٹ گئی کہ سامنے آسمان نظر آنے لگا اب تیسرے شخص کی نوبت تھی اس نے کہا! الٰہی تو علیم و خبیر ہے کہ میں اپنی چچازاد بہن پر عاشق تھا اور اس کے وصل کیلئے بے تاب مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی تھی بمشکل تمام میں نے اس کو سو درہم دے کر ورغلایا اور عمل بد پر آمادہ کر لیا جب میں اس کے قریب ہوا اور ہم دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ رہا تو اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا بندۂ خدا! خدا کے خوف سے ڈر اور ناحق عصمت ریزی پر بے باک نہ بن" یہ سنتا تھا کہ مجھ پر تیرا خوف غالب آیا اور میں اس سے الگ ہو گیا اور سو درہم بھی اسی کو بخش دئے الٰہ العالمین اگر میرا یہ عمل خالص تیری رضا اور تیرے خوف کے پیش نظر تھا تو ہماری اس آفت کو دور کر اور ہم کو اس سے نجات دے اس کے بعد فوراً چٹان حرکت میں آئی اور غار کے دہانہ پر سے لڑھک کر نیچے جا رہی اور وہ تینوں اسرائیلی اس مصیبت سے نجات پا کر مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنی منزل پر روانہ ہو گئے۔

اس روایت کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بزار اور طبرانی نے سند حسن کے ساتھ نعمان بن بشیر سے یہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نعمان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رقیم کا ذکر کرتے ہوئے سنا آپ غار میں بند ہو جانے والے تین آدمیوں کا واقعہ سنا رہے تھے غالباً اسی بنا پر امام بخاری نے رقیم کی تفسیر میں یہ "حدیث غار" روایت کی ہے[1] لیکن اس تحقیق کے بعد جو گزشتہ سطور میں زیر بحث آ چکی جب کہ قرآن، بعض آثار صحابہ

---

[1] فتح الباری ج ۶ حدیث الغار۔

Marfat.com

اور تاریخ سے یہ پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا کہ رقیم اس شہر کا نام ہے جس کے کسی پہاڑ کے غار میں اصحاب کہف جا چھپے تھے تو اب مسند بزار اور معجم طبرانی کی روایت کے مبہم الفاظ سے اصحاب رقیم کو اصحاب کہف سے جدا سمجھنا صحیح نہیں ہے خصوصاً جب کہ روایت نعمان میں یہ احتمال موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب رقیم کا ذکر فرما رہے ہوں اور اس کے ساتھ اس واقعہ کا بھی ذکر فرمایا ہو اور بعد کو راوی نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث غار کا واقعہ دراصل اصحاب رقیم کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے نیز جب کہ عربی زبان میں "رقیم" کے معنی "غار" کے کبھی نہیں آتے نہ حقیقتہً نہ مجازاً تو پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "رقیم" بمعنی "غار" کہہ کر حدیث غار کو اس کی تفسیر بتایا ہو یہ راوی کا وہم ہے اور غالباً اسی لئے بزار اور طبرانی کے علاوہ کسی نے بھی اس اضافہ کو بیان نہیں کیا حالانکہ کتب حدیث میں یہ واقعہ بہ کثرت منقول ہے اور خود صحیح بخاری بھی اس اضافہ سے خالی ہے نیز اگر صحیح روایت سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے "الرقیم" کی تفسیر صاف اور واضح الفاظ میں خود ارشاد فرمادی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ جلیل القدر مفسرین اپنی اپنی تحقیق کے مطابق الرقیم کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل فرماتے؟ اور خود حافظ ابن حجر عسقلانی بھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس روایت کے خلاف یہ فرمائیں کہ صحیح اور صواب یہ ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دونوں ایک ہی ہیں۔

چنانچہ یہ فرماتے ہیں:۔

وقال قوم اخبر اللہ عن قصة اصحب الکھف ولم یخبر عن قصة اصحاب الرقیم (قلت) ولیس کذلک بل السیاق یقتضی ان اصحاب الکھف ھم اصحاب الرقیم[۱]	اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا واقعہ تو ہم کو سنایا ہے مگر اصحاب رقیم کا واقعہ نہیں بیان کیا (میں کہتا ہوں) یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ قرآن کا سیاق یہ چاہتا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی ہیں۔

[۱] فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۹

Marfat.com

(۳) فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِھِمْ فِی الْکَھْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا " مولانا آزاد نے "فَضَرَبْنَا عَلٰی الآذان کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں " صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے یعنی دنیا کی صدا ان تک نہیں پہونچتی تھی"[۱] آیت کی تفسیر میں یہ قول ضعیف اور شاذ ہے[۲] اس کے برعکس مفسرین کے نزدیک مشہور تفسیر یہ ہے کہ کان پر نیند طاری ہو گئی تھی چونکہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا اس لئے اس حالت کو "ضرب علی الاذان" سے تعبیر کیا گیا مگر اس تفسیر کے متعلق مولانا آزاد یہ فرماتے ہیں " اس تفسیر میں اشکال یہ ہے کہ عربی میں نیند کی حالت کے لئے "ضرب علی الاذان" کی تعبیر نہیں ملتی لیکن وہ (مفسرین) کہتے ہیں یہ ایک طرح کا استعارہ ہے گہری نیند کی حالت کو "ضرب علی الاذان" کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے"[۳]

ہمارے نزدیک مفسرین کی تفسیر ہی راجح ہے اور استعارہ ہر زبان کے محاورات میں پایا جاتا ہے مثلاً جب ماں گود کے بچے کو لوریاں دے کر سلاتی ہے تو اس کے کان اور بازو پر ہاتھ رکھ کر تھپکتی جاتی ہے اس لئے اردو زبان میں بھی "کانوں کو تھپک دینا" نیند طاری کر دینے کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ شیخ الہند (نور اللہ مرقدہٗ) نے اس جملہ کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے[۴]

" پھر تھپک دئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ (غار) میں چند برس گنتی کے" (کہف)

علاوہ ازیں عربی زبان میں "ضرب علی اذنہ" کے معنی "منعہ ان یسمع" کے آتے ہیں یعنی اس کو سننے سے روک دیا" اب سننے سے روک دینے کی متعدد صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی شخص بستی سے دور جنگل میں غار کی کھوہ میں جا بیٹھا اور اس لئے دنیا کی باتوں سے اس کے کان نا آشنا ہو گئے دوسری یہ کہ وہ بہرا ہو گیا اور سننے سے معذور کر دیا گیا۔ تیسری یہ کہ وہ سو گیا اور اس کے دیگر حواس ظاہرہ کی طرح کان بھی سننے سے معطل ہو گئے۔ لہٰذا "ضرب علی الاذان" کی تعبیر ان سب صورتوں کے لئے یکساں قابلِ استعمال ہے اور استعارہ و تشبیہ ہے تو تینوں معنی کے لئے ہے البتہ مولانا آزاد کی تفسیر میں یہ

---

[۱] ترجمان القرآن ج ۲ [۲] فتح الباری ج ۶ [۳] ترجمان القرآن ج ۲ [۴] ترجمہ حضرت مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہٗ

Marfat.com

اشکال ضرور لازم آتا ہے کہ اگر "ضرب علی الاذان" کے معنی یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے" یعنی وہ بحالت بیداری عام زندگی کے مطابق بستی سے دو پہاڑ کے غار میں راہبانہ زندگی بسر کررہے تھے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے؟ "وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" اور ہم نے ان کو اٹھایا کہ وہ آپس میں سوال کریں ایک نے ان میں سے کہا تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔"

کیا یہ آیت اپنے صاف معنی میں یہ ظاہر نہیں کرتی کہ "ضرب علی الاذان" کی صاف تعبیر یہاں وہی ہے جو جمہور مفسرین کے نزدیک صحیح اور راجح ہے بلکہ ایسے موقع پر "بعثناھم" کی تعبیر کا تقاضا تو یہ ہے کہ مفسرین کی تفسیر کے علاوہ دوسرے معنی لینا قطعاً بے محل ہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن نے اصحاب کہف کی اس گفتگو کے بعد جو وہاں سوئے رہنے کی مدت سے متعلق ہے ان کی یہ گفتگو بھی نقل کی ہے کہ ان میں سے کوئی شہر جائے اور پوشیدہ طور پر جائے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے یہ بھی جمہور کی تفسیر کو قوت پہنچاتی ہے اس لئے کہ غار میں مدتِ قیام پر بات چیت اور پھر فوراً کھانے کی خواہش کا اظہار دونوں باتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑئے تو صاف معنی وہی بنتے ہیں جو مفسرین نے بیان کئے ہیں اور مولانا آزاد کی یہ تفسیر کہ عرصۂ دراز کے بعد ان کو شہر کی حالت معلوم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس سلسلہ میں ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی" تکلفِ بارد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد کو شروع سے آخر تک اس واقعہ کی تمام آیات میں تکلفِ بارد اختیار کرنا پڑا ہے مثلاً جب قرآن نے ان کی حالت بیان کرتے ہوئے یہ کہا "وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ" تو ان کو گمان کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ خواب میں ہیں" تو مولانا موصوف کو اپنی تفسیر کو صحیح بنانے کے لئے "یقظہ" کے معنی زندہ اور "رقد" کے معنی "مردہ" کے اختیار کرنے پڑے ہیں حالانکہ ان کے حقیقی معنی "بیداری" اور "نیند" کے ہیں اور یہ معنی بلاتکلف یہاں صادق آتے ہیں پس مولانا پر بھی وہی بات صادق آتی ہے جو انھوں نے مفسرین کی مسلمہ تفسیر پر لازم کی ہے یعنی "ففی الکلام تجوز بطریق الاستعارۃ" (کلام میں استعارہ کی راہ سے مجاز اختیار کیا گیا ہے۔

Marfat.com

بلکہ اگر غائر نظر سے دیکھئے تو "حقیقت کے صادق ہوتے ہوتے ہوئے مجاز اختیار کرنا" مولانا آزاد کی تفسیر پر تو صادق آتا ہے لیکن جمہور مفسرین کی تفسیر پر صادق نہیں آتا۔

مولانا آزاد نے آیاتِ زیرِ بحث کی تفسیر میں اگرچہ مفسرین کے مختار قول کے خلاف ضعیف قول کو اپنا مختار بنایا ہے تاہم مفسرین کے اقوال کو احتمال کے درجہ میں تسلیم کرتے ہوئے ان کی تائید میں جو جملے ارشاد فرمائے ہیں وہ بلاشبہ ایسے حضرات کے لئے خصوصاً قابلِ مطالعہ ہیں جو اس قسم کے واقعات کو محض تعجب خیز سمجھ کر خلافِ عقل کہہ دینے کے عادی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"بہرحال اگر یہاں "ضرب علی الاذان" سے مقصود نیند کی حالت ہو تو پھر مطلب یہ قرار پائیگا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے اور ثم بعثنا ھم کا مطلب یہ کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔

یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے طبی تجارت کے مسلمات میں سے ہے اور اس کی شالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت تک انھیں سلائے رکھا تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں" ؎۵

(۴) "ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا" پھر ہم نے ان کو (خواب سے) اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ دو جماعتوں میں سے کس نے اس مدت کو محفوظ رکھا جس میں وہ (غار کے اندر) رہے یہاں دو جماعتوں میں سے ایک اصحاب کہف کی اور دوسری اہلِ شہر کی جماعت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ اس لئے کیا کہ صحیح مدت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو برسوں تک بحالتِ خواب زندہ رکھا" جب کہ وہ زندگی کی بقاء کے وسائل سے یکسر محروم تھے" لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بلاشبہ اسی طرح وہ مخلوق کو مرنے کے بعد بھی زندہ کرے گا اور بلاشک قیامت اور بعث بعد الموت

؎۵ ترجمان القرآن ج ۲

Marfat.com

کا مسئلہ حق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو بیدار کیا اور ان میں سے ایک نوجوان شہر میں کھانا خرید کرنے گیا تو اس زمانہ میں بستی والوں کے درمیان "بعث بعد الموت" پر جھگڑا اور مناقشہ جاری تھا ایک جماعت کہتی تھی کہ فقط روح کا بعث ہوگا اور دوسری جماعت قائل تھی کہ روح اور جسم دونوں کو زندہ ہونا ہے یہ تو نصاریٰ کی جماعتیں تھیں اور جو بنطی مشرک آباد تھے وہ سرے سے بعث بعد الموت ہی کے منکر تھے ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو غار سے بیدار کر کے بھیجا اور اس طرح جب اصحاب کہف کا واقعہ سب پر ظاہر ہو گیا تو اس نے علیٰ رؤس الاشہاد یہ نظیر قائم کر دی کہ جس طرح برسوں تک اسباب حیات سے محروم رہنے کے باوجود روح کے ساتھ جسم بھی صحیح و سالم باقی رہا اسی طرح "بعث بعد الموت" روح اور جسم دونوں سے تعلق رکھتا ہے اور جس طرح سوتے رہنے کے بعد اصحاب کہف بیدار کر دیئے گئے اسی طرح قبر (عالم برزخ) میں سینکڑوں اور ہزاروں برس مردہ رہنے کے بعد قیامت میں زندہ کر دیئے جائیں گے" وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ" اور پھر (دیکھو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا (ان کی بات، پوشیدہ نہ رہ سکی) اور اس لئے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے[1]

آیت کی یہ تفسیر عکرمہ کی روایت سے ماخوذ ہے اور اسی کو عام طور پر اختیار کیا گیا ہے لیکن مولانا آزاد نے "لَا رَيْبَ فِيْهَا" کو "اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ" سے جدا کرتے ہوئے آیت کے معنی یہ کئے ہیں "اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے ان لوگوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے لوگوں نے کہا اس غار پر ایک عمارت بنا دو۔ حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ (مرقدہٗ) نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

"دراں وقتیکہ نزاع می کردند مردماں درمیانِ خود در مقدمہ ایشاں پس گفتند عمارت کنید بر غار ایشاں"

یعنی یہ حضرات "يَتَنَازَعُوْنَ" میں قیامت کے متعلق شہریوں کے باہم اختلاف کو مراد نہیں لیتے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ عن عکرمہ۔

Marfat.com

بلکہ اس گفتگو کو مراد لیتے ہیں جو اصحابِ کہف کے مرقد پر ہیکل تعمیر کرنے کے بارے میں ہوئی۔

(۵) "فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ" ہم نے واقعہ کی جو تفصیلات بیان کی ہیں اور قرآن کی اندرونی اور تاریخ و روایات کی بیرونی شہادتوں سے جن امور کو ثابت کیا ہے ان سے جدا عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ یہود بنی اسرائیل کے قدیم زمانہ کا ہے جو شہر افسس میں ایک مشرک ..... بادشاہ دقیانوس کے زمانۂ حکومت میں پیش آیا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ انھوں نے عیسائیت نہیں بلکہ یہودیت کو قبول کر لیا تھا اور بادشاہِ وقت کے ظلم و جور سے بچ کر غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ لیکن ہم اس پر گذشتہ سطور میں سیر حاصل بحث کر چکے اور ثابت کر چکے ہیں کہ اس واقعہ کا تعلق عیسائی دور سے ہے۔

(۶) "سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ" اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے متعلق ان حقائق کے اظہار کے بعد جو اس کے مقصد "تذکیر" کے لئے مفید تھے واقعہ کی ان جزئیات کے متعلق جو محض تاریخی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے جان لینے سے کوئی خاص فائدہ مرتب نہیں ہوتا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ نصیحت فرمائی کہ وہ ان لاحاصل بحثوں سے پرہیز کریں اور ان پر سرسری طور سے گذر جائیں اور بیکار باتوں کے کھوج لگانے کی فکر نہ کریں۔ مثلاً یہ کہ ان نوجوانوں کی تعداد کیا تھی؟ ان کی عمروں کا تناسب کیا تھا؟ وہ غار میں کتنی مدت مقیم رہے؟ مدت کی صحیح مقدار کیا ہے؟ وغیرہ "قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا" (اے پیغمبر! کہہ دے ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے" اور جب صورتِ حال یہ ہے تو لوگوں سے اس بارہ میں بحث و نزاع نہ کر مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر؟ اس لئے کہ جو بات بھی ہو گی اٹکل سے ہو گی)

"تاہم حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) نے یہ فرماتے ہوئے کہ ان قلیل میں سے جن کو ان کی تعداد کا علم ہے ایک میں بھی ہوں" ارشاد فرمایا کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تعداد کے متعلق پہلے دو مقولوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا "کہ یہ باتیں

Marfat.com

آنکل کے تیر ہیں" مگر نتیسرا قول ذکر کرنے کے بعد ایسی کوئی بات نہیں کہی اس لئے یہ ہی صحیح تعداد ہے۔[۱]

(۷) "وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا" اس آیت کا ترجمہ عام طور پر مفسرین نے اس طرح کیا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے یہ اطلاع دے رہا ہے کہ وہ تین سو نو سال غار میں رہے مگر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، سے بعض روایات میں جو معنی مذکور ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگوں کا مقولہ ہے اللہ تعالیٰ کا اپنا قول نہیں ہے یعنی وہ آیت "وَلَبِثُوا" الایہ کو اس سے قبل کے جملہ "يَقُولُونَ" کے تحت میں داخل سمجھتے اور یہ معنی کرتے ہیں" کہ جس طرح لوگ (عیسائی) اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق مختلف باتیں کہتے ہیں اور کہیں گے اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ اصحاب کہف تین سو نو سال تک غار میں رہے" چنانچہ قاضی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں نقل فرماتے ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم وابن	ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس
مردویہ عن ابن عباس قال	سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا آدمی آیت کی تفسیر
ان الرجل لیفسر الاٰیۃ	کرتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے بالکل صحیح تفسیر کی ہے
یری انہا کذالک فیہوی	حالانکہ وہ اس میں فاش غلطی کرتا ہے گویا وہ اس آسمان
ابعد ما بین السماء والارض	وزمین سے بھی دور جا گرا حضرت ابن عباس نے یہ فرما کر
ثم تلا "وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ"	بعد میں اس آیت کو تلاوت کیا "وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ"
ثم قال کم لبث القوم قالوا	اور فرمانے لگے لوگوں نے یہ سوال پیدا کیا کہ اصحاب
ثلث مائۃ وتسع قال لو کانوا	کہف کتنے عرصہ غار میں رہے اور خود ہی یہ کہنے
لبثوا کذالک لم یقل اللہ	لگے کہ وہ تین سو نو سال غار میں رہے۔ پھر حضرت
قل اللہ اعلم بما لبثوا	عبداللہ بن عباس نے ارشاد فرمایا کہ اگر اصحاب کہف

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۳

Marfat.com

ولکنہ حکی مقالۃ القوم فقال	واقعی اتنے عرصہ ہی غار میں رہے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔
سَیَقُولُونَ ثَلٰثَۃٌ الی قولہ رَجْمًا	قل اللہ اعلم بما لبثوا آپ کہہ دیجئے اللہ ہی خوب جانتا ہے
بِالْغَیْبِ" فاخبر انہم	کہ وہ کتنے عرصہ مقیم رہے" دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ نہیں ہے
لا یعلمون ثم قال سَیَقُولُونَ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قول کو حکایت کیا ہے اور
وَلَبِثُوا فِی کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ	ان کی گفتگو کو یہاں سے شروع کیا ہے" سَیَقُولُونَ
سِنِیْنَ وَازْدَادُوا تِسْعًا"	ثَلٰثَۃٌ الیٰ قولہ رَجْمًا بِالْغَیْبِ" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی
لہ	کہ وہ صحیح تعداد سے واقف نہیں ہیں اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے
	لوگوں کا دوسرا یہ مقولہ بیان کہ وہ کہتے ہوئے پائے جائینگے
	"وَلَبِثُوا فِی کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوا تِسْعًا"

اور ابن کثیرؒ نے تفسیر میں بروایت قتادہ عبداللہ بن مسعود سے یہ نقل کیا ہے۔

قال قتادۃ وفی قراءۃ عبد اللہ	قتادہ کہتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں یہ
"وقالوا ولبثوا" یعنی انہ قالہ	ہے" وقالوا ولبثوا" یعنی یہ مقولہ لوگوں کا ہے قتادہ
الناس وھکذا قال قتادۃ	اور مطرف کی رائے بھی یہی ہے۔
ومطرف لہ	

ہمارے نزدیک بھی یہی معنی راجح ہیں کیونکہ قرآن کا سیاق اسی کو ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ ان ہی آیات میں قرآن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اس قسم کی غیر مفید اور اٹکل کی باتوں کے پیچھے نہ پڑیں پس جب کہ" وَلَبِثُوا فِی کَھْفِھِمْ" الآیہ۔ کے بعد یہ کہا گیا" اَللہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" تو اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ غار میں قیام کی مدت کا مسئلہ بھی اندھیر کا

لہ فتح القدیر سورہ کہف لہ جلد ۳ — حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت سے یہ مراد ہے کہ وہ اس مقام پر بطور تفسیر کے یہ پڑھ دیا کرتے تھے (مؤلف)

Marfat.com

یتر ہے اور اس لئے صحیح طریق کار اس بارے میں بھی یہی ہے کہ اس کو علمِ الٰہی کے سپرد کر دیا جائے لہٰذا اس صورت میں یہ مقولہ اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جو زمانۂ نبوت میں اس واقعہ کی تفصیلات کے سلسلہ میں بے فائدہ اٹکل کے تیر چلاتے رہتے تھے۔

بایں ہمہ ابن کثیر عام مفسرین کے معنی کو ہی راجح کہتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کو منقطع اور ان کی قراۃ کو شاذ ثابت کر کے اس کو ناقابلِ حجت قرار دیتے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کی صحیح روایت کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟ ابن کثیر یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اول تین سو سال فرمایا اور یہ شمسی حساب کے مطابق ہے اور پھر "وَازْدَادُوا تِسْعًا" کہہ کر نو سال کا اور اضافہ اس لئے کیا تاکہ شمسی حساب قمری حساب کے ساتھ مطابق ہو جائے مگر اول نظر میں آسانی کہا جا سکتا ہے کہ آیت کی یہ تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے اس لئے کہ ایک طرف تو قرآن تذکیر و موعظت کے مقصد سے زائد تفصیلات کو دور از کار کہتا ہے اور دوسری جانب خود ہی ایسی باتوں کے در پے ہوتا ہے جس کا موعظت و بصیرت سے کوئی خاص تعلق نہیں بلکہ خالص علم ہیئت کا مسئلہ[1] ہے۔ ابن کثیر کے نزدیک یہ مقولہ اس لئے بھی لوگوں کا نہیں ہو سکتا کہ نصاریٰ کے یہاں قیامِ کہف کی مدت تین سو سال مشہور ہے اور نو کا ان کے یہاں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا مگر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے مفسرین نے ان کے دونوں قول نقل کئے ہیں۔ شاید ابن کثیر کی نظر سے دوسرا مقولہ نہیں گزرا۔

(۸) وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ (الیٰ) وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا" ان آیات میں قرآن عزیز نے اصحابِ کہف کی اس حالت کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ شروع میں غار کے اندر جا کر پوشیدہ ہوئے تھے اور یہ اس لئے کہ ان آیات کے متصل ہی جو آیات اس واقعہ پر روشنی ڈال رہی ہیں، ان میں یہ باتیں مذکور ہیں وہ نیند سے بیدار ہوئے اور انھوں نے ایک رفیق کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اس کی وجہ سے شہر والوں پر حقیقتِ حال ظاہر ہو گئی" جملہ معترضہ

---

[1] نیز از روئے حساب بھی نو کا اضافہ تطابقِ حساب کے لئے کافی نہیں ہے۔

Marfat.com

کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اس حقیقتِ حال کے منکشف کر دینے کی مصلحت بیان کی وہ دوبارہ غار میں عزلت گزیں ہو گئے اور اہلِ شہر نے اس غار کے دہانہ پر ہیکل تعمیر کر دیا ان واقعات کے بیان کرنے کے بعد ان آیات میں اس کیفیت کو بیان کیا جا رہا ہے جو اصحابِ کہف پر نیند طاری ہونے کی حالت میں گذری یعنی اس غار کی اندر سے کیا حالت تھی دھوپ اور تازہ ہوا پہنچے نہ پہنچنے کی کیا کیفیت تھی ایک طویل مدت تک خواب کی حالت میں رہنے کی کیا شکل تھی۔ کیا ایک ہی کروٹ پر سویا کیے یا زندہ انسانوں کی طرح کروٹیں بدلتے رہتے تھے ان کا کتا کس طرح وفاداری کا حق ادا کر رہا تھا۔ اس مجموعی کیفیت کا اثر باہر سے جھانک کر دیکھنے والے انسان پر کیسا پڑتا تھا۔

جمہور مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے اور آیات کے باہم نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ بہت صاف اور واضح تفسیر ہے مگر مولانا آزاد ان تمام آیات کو اصحاب کہف کے دوبارہ غار میں عزلت گزین ہو جانے سے متعلق سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآن یہ تفصیلات اس حالت کی بیان کر رہا ہے جب ان پر موت طاری ہو چکی تھی اور پھر انھوں نے "ایقاظ" میں یقظہ" کے معنی زندگی اور "رقود" میں رقد کے معنی موت کے اختیار کر کے کافی تکلف کیا ہے اور بعض مقدمات کے اضافہ کے ساتھ اپنی تفسیر کو دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ چونکہ مفسرین نے ان آیات کو اصحاب کہف کے پہلی مرتبہ غار میں پوشیدہ ہو جانے سے متعلق کہا ہے اس لئے ان کو آیات کی تفسیر میں حیرانی پیش آئی ہے مگر اس پوری تفصیل کے مطالعہ سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آیاتِ زیرِ بحث کی تفسیر میں مفسرین قدیم کو تو کوئی حیرانی پیش نہیں آئی البتہ خود مولانائے موصوف کو اپنی اختیار کردہ تفسیر کی وضاحت میں ضرور تکلفات بارد اختیار کرنے پڑے ہیں اور سچ پوچھیے تو اس مقام پر ان کی تفسیر تاویل ہو کر رہ گئی ہے۔

(۹) ذَالِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ" یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

یعنی پہاڑ کے اندر غار کی یہ مجموعی کیفیت کہ غار کا دہانہ اگرچہ تنگ ہے مگر اس کے اندر بہت کافی وسعت ہے اس کا جائے وقوع شمالاً و جنوباً ہے کہ جس کی وجہ سے طلوع و غروب دونوں حالتوں میں

Marfat.com

آفتاب غار کے سامنے سے داہنے اور بائیں کترا کر نکل جاتا ہے اور غار اس کی تپش سے محفوظ رہتا ہے اور دوسری جانب منفذ ہونے کی وجہ سے ہوا اور روشنی بقدر ضرورت پہنچتی رہتی ہے گویا جسمانی بقاء کے لئے جو چیز مضر ہے یعنی تپش اس سے حفاظت اور جو بقاء حیات کے لئے ضروری شے ہے یعنی روشنی اور ہوا اس کی موجودگی یہ ایسے امور ہیں جو خدائے تعالیٰ کی کھلی نشانیاں کہی جاسکتی ہیں کہ کہ اُن کی بدولت برسوں تک خدا کے نیک بندے دنیا کے علائق سے جدا ہو کر غار میں بحالتِ خواب بسر کر سکے اور ایسی حالت میں بسر کر سکے جب کہ سامان خورد ونوش اور بقاء حیات کے دیگر وسائلِ دنیوی سے قطعاً محروم تھے

(۱۰) عام طور پر مشہور ہے کہ اصحاب کہف ابھی تک غار میں سو رہے ہیں اور زندہ ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباس نے بصراحت یہ فرمایا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا۔

قال قتادہ غزا ابن عباس مع	قتادہ کہتے ہیں:۔ ابن عباس ایک مرتبہ حبیب بن مسلمہ
حبیب بن مسلمہ فمروا بالکھف	کے ساتھ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے راہ میں بلاد
فی بلاد الروم فراؤا فیہ عظاما	روم میں اس مقام پر گذر ہوا جہاں پہاڑی غاروں کا
فقال قائل ھذہ عظام اھل	سلسلہ ہے وہاں انھوں نے کسی غار کے اندر انسانوں
الکھف فقال ابن عباس	کی ہڈیاں یا ڈھانچے دیکھے تو کسی کہنے والے نے کہا
لقد بلیت عظامھم من اکثر	یہ اہل کہف کی ہڈیاں معلوم ہوتی ہیں اس پر حضرت عبداللہ
من ثلثمائۃ سنۃ	بن عباس نے فرمایا کہ ان کی ہڈیاں تو تین سو سال سے
(ج ۱۵ ابن جریر) [1]	بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ بوسیدہ ہو چکیں۔

(۱۱) قرآن عزیز اور صحیح روایات سے یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے بلکہ قرآن عزیز نے تو مشرکین مکہ یا نبطی اور رومی عیسائیوں کے یہاں اس سلسلہ میں جو اٹکل کی باتیں مشہور تھیں ان پر اعتماد رکھنے اور ان کی تحقیقات میں پڑنے سے روکا ہے البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے نام یہ بتائے گئے ہیں مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، کسطونس، بیرونس، دنیموس، انطونس اور ان کے کتے کا

[1] یہ روایت بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں پیش آیا ہے۔

Marfat.com

نام قطمیر یا حمران ہے ؎۵

(۱۲) "وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ" کتے نے وفاداری اور جاں نثاری کا ثبوت دیا اور صلحا کی صحبت پائی تو قرآن نے بھی اس کا ذکر خیر کرکے اس کو وہ عزت بخشی کہ انسانوں کے لئے قابل رشک بنا دیا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

پسرِ نوح با بداں بہ نشست خاندانِ نبوتش گم شد

(۱۳) "وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ" اور کسی چیز کے لئے یہ نہ کہو کہ کل میں اس کو ضرور کروں گا مگر (یہ کہہ لیا کرو) یہ کہ خدا چاہے تو"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب مستقبل میں کسی کام کا ارادہ ہو تو دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ میں اس کو ضرور کروں گا اس لئے کہ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور کہنے والا اس کائنات میں موجود بھی ہوگا یا نہیں لہذا اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے "انشاء اللہ" ضرور کہنا چاہیئے۔

(۱۴) "وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا" "تم کہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا"

اس آیت میں اس جانب اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ تم کو بھی پیش آنے والا ہے بلکہ وہ اس سے بھی عجیب و غریب ہوگا یعنی اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑے گا۔ راہ میں غارِ ثور کے اندر کئی دن تک پوشیدہ رہوگے۔ دشمن غارِ ثور کے منہ پر پہنچ جانے کے باوجود تم کو نہ پا سکیں گے۔ تم بخیر و خوبی مدینہ پہنچ جاؤ گے اور وہاں تم پر فتح و کامرانی کی ایسی راہیں کھول دی جائیں گی جو اس معاملہ سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل ہوں گی یہ سورت مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے نزول کے بہت تھوڑے زمانہ بعد ہجرت کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کے دورِ حیات میں حیرت ناانقلاب پیدا کر دیا اور باطل نے حق کے سامنے سپر ڈال دی۔

؎۵ یہ روایت بھی اس کی دلیل ہو کہ یہ واقعہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں پیش آیا ہے۔

Marfat.com

(۵) لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡهِمۡ مَّسۡجِدًا "ہم ضرور ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے"
معلوم نہیں کہ اس کہنے سے ان لوگوں کا مقصد کیا تھا ؟ یہ کہ واقعی ان کے مرقد پر ہیکل بنا کر
اس کو سجدہ گاہِ عام وخاص بنائیں گے کیونکہ یہ خدا کے مقبول بندے تھے تب تو ان عیسائیوں کا
یہ عمل اسلام کی نگاہ میں قابلِ مذمت ونفرت ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے "لعن اللّٰہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجدا"[1] اللہ تعالیٰ
یہود ونصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد (سجدہ گاہ) بنا لیا تھا یعنی قبروں
کو سجدہ کرتے تھے اور پھر ارشاد فرمایا "لا تتخذوا قبری عیدا" لوگو تم میری قبر کو عید
کی طرح تہوار نہ بنا لینا۔

اور اگر ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کی یادگار میں غار کے منہ پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے کہ
جس میں صرف خدائے عزوجل ہی کی عبادت ہوا کرے گی تو ان کا یہ فیصلہ بے شبہ محمود اور
قابلِ ستائش تھا۔

نتائج وعبر (۱) اگر ہم کو کوئی بات اپنی عقل کے مطابق عجیب وغریب معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں
ہے کہ وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے بھی واقعی کوئی عجیب بات ہے اور اگر وہ عجیب ہے بھی تو ہمارے
لئے ہے نہ کہ خالقِ کائنات کے لئے جس نے کہ کائناتِ ہست وبود کو پیدا کیا اور پھر ایسے محکم نظام
پر اس کو قائم کیا کہ عقل حیران ہے مگر آنکھ روزانہ اس کا مشاہدہ کرتی اور قلب ہر لحظہ اس حقیقت
کا اعتراف کرتا ہے کہ "وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ" خدائے تعالیٰ پر یہ بات کچھ بھاری نہیں ہے
(۲) جب شر وفساد اور ظلم وسرکشی اس درجہ بڑھ جائے کہ خدا کے نیک بندوں کے لئے کہیں
پناہ نہ رہے تو اگرچہ عزیمت کا مرتبہ یہی ہے کہ کائنات کی رشد وہدایت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف
برداشت کرے اور کلمۂ حق پر کوہِ استقامت بنا رہے اور مخلوقِ خدا سے منقطع ہو کر عزلت و

---

[1] رواہ الصحیحین

Marfat.com

کنج نشینی اختیار نہ کرے لیکن اگر حالات اس درجہ نزاکت اختیار کرلیں کہ مخلوق کے ساتھ تعلق رکھنے کی شکل میں یا جان دینی پڑے اور یا دین باطل قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور حالت یہ ہوجائے " اِنَّھُمْ اِنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْکُمْ یَرْجُمُوْکُمْ اَوْ یُعِیْدُوْکُمْ فِیْ مِلَّتِھِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا " تو اس وقت رخصت ہے کہ جان کی حفاظت اور دین کی صیانت کے لئے دنیا کے علائق سے کٹ کر عزلت نشینی اختیار کرلے۔

گویا یہ اضطراری حالت کا ایک ہنگامی اور وقتی علاج ہے جو صرف تحفظ دین وایمان کے لئے کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں بذاتہٖ کوئی محبوب عمل نہیں ہے اور اختیاری طور پر اس جوگیانہ زندگی کو اختیار کرنا رہبانیت ہے " ولا رھبانیۃ فی الاسلام " اور اسلام رہبانیت کو ناپسند کرتا ہے۔

عیسائیوں کی مذہبی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی عہد میں بعض سچے عیسائیوں کو اصحاب کہف کی طرح کے چند واقعات پیش آئے جن میں سے ایک روم میں، ایک انطاکیہ میں اور ایک شہر افسس میں پیش آنا بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے حالات سے مجبور ہوکر اضطراری طور پر اس جوگیانہ زندگی کو اختیار کیا تھا مگر بعد میں دوسری بدعات کی طرح یہ عمل بھی عیسائیت کا اہم جزء اور محبوب عمل شمار ہونے لگا اور جس طرح ہندوستان کے قدیم دہرم کے مطابق علائق دنیا سے کٹ کر ہندو جوگی پہاڑوں کی کھوہ اور ویرانوں میں یوگ کرنا مقدس عمل سمجھتے ہیں اسی طرح عیسائیوں نے بھی اختیاری رہبانیت کو مذہب کے مقدس اعمال میں شامل کرلیا۔

لیکن قرآن حکیم نے ان کے اس عمل کے متعلق صفائی کے ساتھ ظاہر کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بذاتہٖ یہ عمل کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے بلکہ اہل کتاب کی مذہبی بدعات میں سے ایک بدعت ہے " وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا " اور راہبانہ زندگی کو کہ جس کو ان (عیسائیوں) نے دین میں ایجاد کرلیا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر انھوں نے اختیار کیا تھا اللہ کی رضاجوئی کے لئے پر اس کے حق کی رعایت نہ رکھ سکے " مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہ طریق دین کے طریقوں میں سے نہیں مقرر کیا تھا بلکہ انھوں نے خود ہی اختیار کرلیا تھا اور اگرچہ ابتدا میں انھوں نے یہ خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اختیار کیا تھا مگر بعد میں اس کو نباہ نہ سکے اور رہبانیت

Marfat.com

کے پردہ میں دنیاداروں سے زیادہ دنیاطلبی اور ہوسناکیوں میں مبتلا ہو گئے۔

حق یہ ہے کہ صاف اور سیدھی راہ اعتدال کی راہ ہے نہ اس میں پیچ وخم ہے اور نہ نشیب فراز یہ راہ افراط اور تفریط دونوں سے جدا کر کے منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے اور چونکہ اسلام دین فطرۃ ہے اس لئے اس نے ہر معاملہ میں اعتدال ہی کو پسندیدہ عمل قرار دیا ہے اس کی نگاہ میں جس قدر دنیا میں انہماک برا ہے اسی قدر مخلوقِ خدا سے کٹ کر جوگیانہ رہبانیت بھی مذموم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت کے لئے "رہبانیت" جہاد فی سبیل اللہ" ہے کیونکہ میدان جہاد کے لئے انسان جب ہی قدم اٹھاتا ہے کہ وہ اپنے نفس، اپنے اہل وعیال اور ہر قسم کے دنیوی علائق سے بے نیاز ہو کر صرف خدائے تعالیٰ کی مرضی کو پورا کرنا اپنا مقصد اور نصب العین بنالے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس سے آیہ" وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ" کے شانِ نزول کے متعلق یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل وحی سے معلوم کر کے اس کا جواب دوں گا مگر آپ کو "انشاء اللہ" کہنا یاد نہ رہا اس وجہ سے تقریباً پندرہ روز وحی کا نزول نہیں ہوا تب مشرکین نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور آپ اس وجہ سے دل فگار ہونے لگے پندرہ روز کے بعد وحی کا نزول ہوا اور اس نے واقعہ کی ضروری تفصیلات کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ انسان جبکہ فردا سے ناواقف ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جب کل کے لئے کسی بات کا وعدہ کرے تو خدا کی مشیت کا حوالہ ضرور دیدیا کرے تاکہ یہ بات کبھی فراموش نہ ہونے پائے کہ بندہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں اور اگر زندہ بھی رہا تو وعدہ کے ایفا پر قادر ہو سکوں گا یا نہیں۔

(۴) دین اور ملت، خدائے تعالیٰ کی صاف اور سیدھی راہ کا نام ہے اس لئے وہ جبر و اکراہ سے قلب میں نہیں اترتی بلکہ اپنی صادق روشنی سے اندھے دلوں کو روشن اور منور کرتی ہے "لَآ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ" دین کے بارہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے" مگر اس کے برعکس باطل کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ خدا کی مخلوق پر زبردستی ظلم اور جبر سے اپنا اثر جمائے اور دلیل کی جگہ جبر سے کام لے

Marfat.com

لیکن خدا کی مشیت انجام کار صداقت (دین حق) کو غالب اور باطل کو مغلوب کر دیتی ہے اور انجام و نتیجہ حق ہی کے ہاتھ رہتا ہے مگر چونکہ خدا کی گرفت کا قانون اول کافی مہلت دیتا ہے اس لئے ظالم اقوام جہالت سے اس کو اپنی کامیابی سمجھ کر خدا کی بطش شدید سے غافل ہو جاتی ہیں اور اس لئے تاریخ بار بار اپنے سبق کو دہراتی رہتی ہے۔

(۵) تجربہ اس کا شاہد ہے کہ حق و صداقت کی تحریک اور نہ صرف یہ بلکہ ہر انقلابی تحریک جس درجہ قوم کے نوجوانوں پر اثر انداز ہوتی ہے، عمر رسیدہ افرادِ قوم پر اس سرعت کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتی "علم النفس" (psychology) کے ماہرین اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ معمر افراد کا دل و دماغ چونکہ عمر کے بڑے حصہ میں پرانی ریت ورسم کا عادی ہو جانا اور گذشتہ نظام سوسائٹی سے عرصہ تک مانوس رہ چکا ہوتا ہے اور اس کے رگ و ریشہ میں قدیم اثرات راسخ ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے ہر وہ تحریک جو قدیم نظام یا فرسودہ رسوم کے خلاف ظاہر ہوتی ہے ان کا دل و دماغ اس کے جدید اثرات سے اذیت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور جدید و قدیم محرکات کا تصادم ان کے لئے بار بن جاتا ہے اس لئے وہ جدید انقلاب سے مانوس ہونے کی بجائے اور زیادہ متوحش ہو جاتے ہیں البتہ ان میں سے جو دل و دماغ جذبات کے مقابلہ میں عقل کو اور تاثرات کے مقابلہ میں دلائل کو راہ نما بنا لیتے اور ہر معاملہ میں جدت و قدامت سے قطع نظر متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس کی افادیت و مضرت پر غور کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اس عام اصول سے مستثنیٰ ہیں اور جب وہ انقلابی تحریک کے فوائد کو دلائل کی قوت سے محسوس کر لیتے ہیں۔ تو اس تحریک کے لئے زبردست پشت پناہ ثابت ہوتے ہیں مگر جماعتوں اور قوموں میں عموماً ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔

لیکن عمر رسیدہ افراد کے برعکس چونکہ نوجوانوں کے دل و دماغ بڑی حد تک غیر جانبدار ہوتے اور پرانے رسم و رواج کے لئے ابھی تک راسخ نہیں ہوتے اس لئے ان پر جدید نقوش بہت جلد منقش ہو جاتے ہیں اور وہ کسی تبدیلی اور کسی انقلاب کو محض اس لئے کہ وہ جدید محرکات کے داعی ہیں توحش کی نظروں سے نہیں دیکھتے بلکہ دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف بڑھتے اور صاف دل و

Marfat.com

دماغ سے اس پر غور کرتے ہیں۔

اب یہ انقلابی تحریک کی ذمہ داری ہے کہ اگر اس میں صداقت اور حقانیت کار فرما ہے اور جماعتوں اور قوموں کو غلط روی سے نکال کر صراط مستقیم کی جانب داعی ہے تو اس کی جانب سرعت کے ساتھ جوق جوق بڑھنے والوں اور پیروی کرنے والوں کی زندگی میں چار چاند لگ جانے اور ان کا وجود کائناتِ ہست و بود کے لئے رحمت ثابت ہوتا ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو وہ ان تر و تازہ اور صاف دل و دماغ رکھنے والے نوجوانوں کو تباہی اور بربادی کی راہ پر لگا دیتی ہے اور ان کا وجود دنیائے انسانی کے لئے مصیبت اور عذاب بن جاتا ہے۔

پس قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کے اظہار میں عبرت و موعظت کے جو پہلو نمایاں کئے ہیں ان میں سے ایک اہم پہلو اسی نفسیاتی مسئلہ کی جانب توجہ دلاتا ہے۔

وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ قریش مکہ میں سے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں کی اکثریت کا اسلام کی مقدس تعلیم سے گریز اور انفرادی و اجتماعی حیات انسانی کے اس جدید انقلاب (اسلام) سے توحش اور ان کے نوجوانوں کی اکثریت کا اس کی جانب تیزی کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس کی دعوت انقلاب کی کشش سے فوج در فوج اس کے لئے حلقہ بگوش ہو جانا دنیا کا انوکھا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ جب کبھی بھی فرسودہ نظام اور باطل رسم و رواج کے خلاف عدے پیغمبروں نے حق و صداقت کا انقلاب برپا کیا ہے تو قبولِ حق کے لئے عمر رسیدہ انسانوں سے زیادہ نوجوانوں کے دل و دماغ پر ہی اس کا گہرا اثر پڑا ہے۔

Marfat.com

سبا اور سیلِ عَرِم

سنہ ۲۰۰ء تخمیناً

تمہید. سبا. نام یا لقب. زمانۂ حکومت سبا اور طبقاتِ حکومت. مکاتیب سبا اور ملوکِ سبا. وسعتِ حکومت. طرزِ حکومت سبا کی عمارات. سبا کا تمدن. سدِّ مارب جنتان عن یمین وشمال سیلِ عرم. چند تاریخی مباحث. تفسیری مطالب نتائج و بصائر

تمہید سبا اور سیلِ عرم کا واقعہ بھی تاریخی واقعات میں بہت اہمیت رکھتا اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ میں صد ہزار سامانِ عبرت و موعظت مہیا کرتا ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا پس منظر بخت و اتفاق کا رہین منت نہیں ہوتا بلکہ قانونِ قدرت کے مقررہ اصول کے مطابق پیش آتا ہے۔ البتہ کبھی اسبابِ عروج و زوال ایسے واضح اور صاف ہوتے ہیں کہ عام طریقہ سے یا مشاہدہ میں آجاتے ہیں اور یا عقل کی سرسری توجہ سے پہچان لئے جاتے ہیں اور کبھی ان کا وجود ایسے اسباب پر مبنی ہوتا ہے جن کا تعلق عام اسباب و وسائل سے جدا۔ خدائے تعالیٰ کی فرماں برداری اور نافرمانی سے وابستہ ہوتا ہے یعنی باسباب ظاہر اگرچہ ایک قوم میں مثلاً وہ تمام حالات واسباب پائے جاتے ہوں جن سے کسی قوم کو عروج حاصل ہوتا ہے تاہم وہ قوم اچانک ہلاکت و بربادی کی نذر ہو جاتی اور عالمِ انسانی کے لئے اس کی ہلاکت حیرت زا واقعہ بن جاتی ہے لیکن جب خدائی جانب سے ان کی سرکشی بغاوت اور احکامِ الٰہی کی پیہم خلاف ورزی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور وحیِ الٰہی ان کے عمل اور پاداشِ عمل کی تفصیلات کو برسرِ عام لے آتی ہے تب اہلِ دانش یہ یقین کر لیتے ہیں کہ جس قوم کی اجتماعی زندگی کے خوب صورت خول میں ایسی مکروہ اور گھناؤنی شکل موجود تھی تو بلا شبہ اس کی ہلاکت و تباہی بخت و اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ نوامیسِ الٰہی کے

Marfat.com

قانون پاداشِ عمل" کے عین مطابق ہوئی ہے۔

سبا اور قوم سبا کا وہ عبرت ناک سانحہ اور ان کے عروج و زوال کا وہ بصیرت افروز واقعہ جو سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے قوموں کے عروج و زوال کے اس دوسرے قانون کے ہی زیرِ اثر عالم وجود میں آیا تھا اور تاریخ کے صفحات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ جو قوم خوش عیشی اور رفاہیت کے اونچے درجہ پر بے خوف و خطر زندگی بسر کر رہی تھی وہ یک لخت ہلاکت و بربادی کے قعر مذلت میں محض اتفاقِ وقت سے نہیں گر گئی تھی بلکہ اپنے دور رس اعمالِ بد کی پاداش میں اس کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا تھا۔

پس مناسب یہ ہے کہ قرآن عزیز نے ان حقائق کو جس انداز میں بیان کر کے سامانِ موعظت و بصیرت عطا کیا ہے تاریخ کی بے لوث شہادت سے ان کی تفاصیل کو نقل کر دیا جائے تاکہ صداقتِ قرآن کا یہ پہلو بھی منکرین قرآن کے حق میں حجت کاملہ بن سکے۔

سبا | سبا، قحطانی قبائل کی مشہور شاخ ہے۔ مورخین عرب اس کا نسب اس طرح بیان کرتے ہیں

سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

مگر توراۃ میں یہ کہا گیا ہے کہ سبا قحطان کا بیٹا ہے۔

اور یقطان (قحطان) سے الموداد، سلف، حصار ماوت، ارخ، ہدورام، ازال، دقلاہ، عوبل، ابی مائل، سباہ، حضارموت، ادفیر، حویلہ، یارح (یعرب) اور یوباب پیدا ہوئے یہ سب بنی یقطان تھے اور ان کے مکان میسا سے سفار کی راہ میں اور پورب کے پہاڑ تک تھے[1]

قحطان کو یقطان، یقطون، یقطین اور یقطن بھی کہا جاتا ہے[2]

زبیر بن بکار کہتے ہیں، کہ عربی میں قحطان اور عبرانی و سریانی میں یقطان اور یقطن کہتے ہیں مورخین جدید توراۃ کے بیان کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے کہ قحطان کی اولاد سے متعلق جو تفصیلات اس نے

[1] پیدائش باب ۱۰ آیات ۲۶-۳۰ [2] الانباہ فی قبائل الرواۃ لابن عبدالبر

Marfat.com

دی ہیں وہ تاریخی اقوال اور اثری وحجری کتبات سے مطابقت رکھتی ہیں، جدید مورخین کی اس تحقیق کے علاوہ یوں بھی ایسے معاملات میں توراۃ کا بیان دوسری روایاتِ تاریخی کے مقابلہ میں زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے۔

غرض سبا بروایتِ توراۃ، قحطان کا بیٹا تھا اور بروایتِ عرب قحطان کا پوتا اور یعرب بروایتِ توراۃ سبا کا بھائی تھا اور بروایتِ عرب قحطان کا بیٹا۔

اہلِ نسب وتاریخ کا اس پر تو اتفاق ہے کہ قحطان اممِ سامیہ کی شاخ ہے لیکن اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ عربِ عاربہ میں سے ہے یا عربِ مستعربہ میں یعنی وہ بنی اسمٰعیل میں سے ہے اور عدنانی وقحطانی ایک ہی سلسلہ ہے یا عدنانی تو بنی اسمٰعیل ہیں اور قحطانی اس سلسلہ سے الگ قدیم سلسلہ ہے بعض مورخینِ عرب کا رجحان یہ ہے کہ قحطانی بھی بنو اسمٰعیل ہی ہیں اور تمام اقطاعِ عرب کسی بنی اسمٰعیل کے علاوہ اور کسی نسل سے نہیں ہیں چنانچہ علماءِ انساب میں سے زبیر بن بکار اور محمد بن اسحٰق کی یہی رائے ہے[لے] اور امام بخاری بھی اسی جانب مائل ہیں اس لئے کہ انھوں نے بخاری میں ایک باب تحریر کیا ہے "باب نسبة الیمن الی اسمٰعیل علیہ السلام"

اور اس باب کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بنی اسلم جو خزاعہ کی شاخ ہیں ان کو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی اسمٰعیل فرمایا ہے اور خزاعہ بنی ازد کی شاخ ہیں اور بنی ازد باتفاق قحطانی ہیں لہٰذا قحطانی بھی بنی اسمٰعیل ہی میں سے ہوئے وہ حدیث یہ ہے۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قوم من اسلم یتنا ضلون بالسوق فقال ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا[لے]	"ایک مرتبہ بنی اسلم کی ایک جماعت پر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گذر ہوا دیکھا تو وہ بازار میں تیراندازی کی مشق کر رہے ہیں آپ نے فرمایا ہاں لے اولاد اسمٰعیل خوب تیراندازی کرو اس لئے کہ تمہارے باپ اسمٰعیل بھی تیرانداز تھے۔"

لے فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۴ باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا۔

لے تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۶

Marfat.com

اور کتاب احادیث الانبیاء میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں حضرت ہاجرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

تلك امكم یا بنی ماء السماء — اے عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہیں

حافظ ابن حجر نے اس جملہ کی شرح میں یہ کہا ہے۔

کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے "بنی ماء السماء" کہہ کر اہل عرب کو اس لئے خطاب فرمایا کہ وہ اپنی اور اپنے مویشیوں کی خاطر ایسے مقامات پر خیمے لگاتے پھرتے تھے جہاں بارش کا پانی جمع ہو گیا ہو یا ماء سماء سے زمزم مراد ہے اور ان ہر دو معنی کے لحاظ سے یہ جملہ ان لوگوں کے لئے دلیل بن سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تمام عرب بنی اسمٰعیل ہیں۔

اور بعض اس جملہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اہل عرب کی شرافت نسب اور نجابت حسب کے لئے بطور تشبیہ کے بولا گیا ہے کہ جس طرح آسمان سے نازل پانی صاف اور بے عیب ہوتا ہے اسی طرح اہل عرب بھی حسب و نسب میں بے عیب ہیں۔ پس اگر یہ معنی مراد ہیں تو اس صورت میں یہ جملہ ان حضرات کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔

اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"وعن قریب اس مسئلہ کی مزید تفاصیل انشاء اللہ تعالیٰ اوائل مناقب میں آئیں گی"[1]

اور اس مقام پر پہنچ کر پہلے قول کو تسلیم نہیں کرتے اور آخر قول ہی کو صحیح مانتے ہیں جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

اور محققین کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام عرب کے انساب کا منبع دو ہیں۔ عدنان اور قحطان، عدنان، بنی اسمٰعیل اور عرب مستعربہ ہیں اور قحطان عرب عاربہ، گویا ان کے نزدیک قحطانی، بنی اسمٰعیل نہیں ہیں چنانچہ ہمدانی، ابن عبدالبر، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، ابن کلبی اور حضرت عبداللہ بن عباس اسی کے قائل ہیں۔

قال هشام ومن زعم ان قحطان — ہشام کہتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قحطان بنی

لیس من ولد اسمعیل فانه — اسمٰعیل میں سے نہیں ہیں تو وہ اس کا نسب نامہ

[1] فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۳ باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا

Marfat.com

يقول قحطان هو يقطون بن
عابر بن شالخ بن ارفخشذ
بن سام بن نوح قال ابو عمر هكذا
قال ابن الكلبي في العرب العاربة
ورأيت بخط ابي جعفر العقيلي
قال نا محمد بن اسمٰعيل قال
نا سلام بن مسكين قال نا عون
بن ربيعة عن يزيد الفارسي
عن ابن عباس قال العرب
العاربة قحطان بن الهميسع
والامد اد والسالفات وحضر
موت وهذا حديث حسن
الاسناد وهو على ما روي في
هذا الباب واولى بالصواب[۵۱]

یہ بیان کرتے ہیں قحطان (یقطون) بن عابر بن شالخ
بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔ ابو عمر (ابن عبد البر)
کہتے ہیں کہ ابن کلبی نے بھی عرب عاربہ کی تفصیل
کرتے ہوئے اسی طرح بیان کیا ہے اور میں نے
ابو جعفر عقیلی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ روایت دیکھی
ہے کہ انھوں نے محمد بن اسمٰعیل سے بسلسلۂ سند
یہ سنا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے
تھے کہ قحطان بن الہمیسع اور امداد اور سالفات
اور حضر موت یہ سب عرب عاربہ ہیں اور اس
حدیث کی سند حسن ہے اور اس مسئلہ میں
یہ قول بلحاظ روایت بھی اعلیٰ درجہ کا ہے اور
قرین صواب بھی ہے۔

بلکہ ابن کثیر تو یہ کہتے ہیں کہ جمہور کی یہی رائے ہے۔

لكن الجمهور على ان العرب
القحطانية من عرب اليمن
وغيرهم ليسوا من سلالة اسمٰعيل
وعندهم ان جميع العرب

لیکن جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ قحطانی عرب خواہ وہ یمنی
ہوں یا غیر یمنی حضرت اسمٰعیل کی نسل سے نہیں
ہیں اور ان کے نزدیک تمام عرب دو اصل پر تقسیم
ہیں، قحطانی اور عدنانی۔

---

۵۱ الانباه على قبائل الرواة ص ۵۸ - ۵۷

Marfat.com

یقسمون الی قسمین قحطانیۃ
وعدنانیۃ [1]

اور جمہور کی جانب سے "بنی اسلم" سے متعلق حدیث کا حافظ ابن حجر نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ جو قبائل بھی قحطان کی جانب منسوب ہیں وہ سب بنی اسمٰعیل ہیں اس لئے کہ بعض قحطانی قبائل وہ ہیں جن کے متعلق علماء انساب میں سخت اختلاف ہے کہ وہ قحطانی ہیں یا عدنانی مثلاً بنی خزاعہ کے بارہ میں یہی بحث ہے تو یہ ممکن ہے کہ بنی اسلم کے متعلق بھی اسی قسم کا اختلاف موجود ہو (چنانچہ موجود ہے) اور ابن عبد البر نے اسی حدیث کو بروایت صحیح نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ بنو خزاعہ اور بنو اسلم دونوں تیر اندازی کر رہے تھے تو یہ ہو سکتا ہے کہ خزاعہ کی اکثریت کی وجہ سے آپ نے تغلیباً ایسا فرما دیا ہو [2]

لیکن ان جوابات کے علاوہ حافظ ابن حجر نے انساب عرب کے مشہور عالم ہمدانی سے یہ نقل کیا ہے کہ یمن کی حکومت کے زوال کے بعد جو قحطانی قبائل حجاز میں آ کر بس گئے تھے ان کے اور عدنانی قبائل کے درمیان ازدواجی رشتے بکثرت ہونے لگے تھے۔ اس لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بسبیلِ توسع ایسا ارشاد فرمایا یعنی پدری سلسلہ کی بجائے مادری سلسلہ سے ان کو بنی اسمٰعیل فرمایا ہے۔

ہمدانی کا یہ جواب تاریخی نقطہ نظر سے بالکل صحیح ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یمن سے نکلنے کے بعد قحطانی اور عدنانی قبائل کے مابین ازدواجی رشتہ نے ہی یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ بعض اہلِ نسب مشہور قحطانی قبائل کو عدنانی اور عدنانی کو قحطانی کہتے نظر آتے ہیں مثلاً انصار (اوس و خزرج) کے متعلق تمام محققینِ علم الانساب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ قحطانی الاصل ہیں مگر اسی ازدواجی رشتہ سے کبھی بہ سبیلِ توسع ان کو عدنانی بھی کہہ دیا جاتا ہے اور اس سے بعض مورخین کو یہ غلط فہمی پیدا

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۶ [2] فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۲

Marfat.com

ہوگئی کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ عدنانی ہیں چنانچہ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔

فاول ذلك الازد وهي جرثومة	قبائلِ یمن میں سے پہلا قبیلہ اَزْد ہے اور قحطانی سلسلہ
من جراثیم قحطان وافترقت	کی شاخ ہے اور ابن عبدہ وغیرہ علماءِ انساب کے
الازد وفیما ذکر ابن عبدہ	اقوال کے مطابق ازد کی تقریباً ستائیس شاخیں ہیں
وغیرہ من علماء الانساب علی	پس ان ہی میں سے انصار (اوس وخزرج) بھی
نحو سبع وعشرین قبیلۃ فمنہم	ہیں" ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اوس وخزرج کی والدہ
الانصار[1] قال ابن اسحاق	قیلہ بنت کاہل بن عذرہ، بنی قضاعہ میں سے تھی
امہما قیلۃ ابنۃ کاھل بن	جو حارثہ بن ثعلبہ (قحطانی) کے نکاح میں آئی۔
عذرۃ من قضاعۃ کانت تحت	حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن عباس
حارثۃ بن ثعلبۃ[2]	(رضی اللہ عنہم) سے منقول ہے کہ قضاعہ بن معد
وروی عن عمر بن الخطاب	(ابن عدنان) کی نسل سے ہیں۔
وعبد اللہ بن عباس (رضی اللہ	
عنہم) ان قضاعۃ بن معد	
(بن عدنان)[3]	

اسی طرح مصنف ارض القرآن کا وہ قول بھی درست ہے جو انہوں نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے "کہ بعض علماءِ انساب وحدیث خود قحطان کو اسمٰعیلی کیوں کہتے ہیں" وہ فرماتے ہیں۔

اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی اسمٰعیلی ہیں اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے[4]

ایک جانب بعض عدنانی قبائل کا یمن میں مقیم ہو جانا اور دوسری جانب سبا کے انتشار سے بعض قحطانی

---

[1] الانباہ ص ۱۰۷ [2] ص ۱۰۹ [3] ایضاً ص ۴۳ [4] ج ۱ ص ۲۷۷

قبائل کا حجاز، شام، سواق، نجد، بحرین میں جاکر وطن بنا لینا اور عدنانی قبائل کے ساتھ ازدواجی رشتے قائم کرلینا یہ وہ امور ہیں جن کی وجہ سے بعض قبائل کے متعلق قحطانی اور عدنانی ہونے میں اختلاف پیدا ہو گیا البتہ اہل عرب کو خود قحطان کے متعلق اسمٰعیلی ہونے کا خیال کیوں پیدا ہوا؟ اس کے جواب میں ہم مصنف ارض القرآن سے متفق نہیں ہیں کیونکہ جو اہل نسب اور علماء حدیث قحطان کو بنی اسمٰعیل میں سے سمجھتے ہیں وہ یہ بات اس الجھاؤ کی وجہ سے ہرگز نہیں کہتے کہ بعض عدنانی قبائل یمن میں بس جانے کی وجہ سے قحطانی کہلانے لگے جیسا کہ سید صاحب کا خیال ہے بلکہ تو ایک مستقل نظریہ ہے جو بعض علماء نسب و حدیث کے درمیان اس لئے مقبول ہے کہ ان کے نزدیک تمام عرب صرف حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں اور ان کے نزدیک عرب مستعربہ کے علاوہ عرب بائدہ اور عرب عاربہ کی کوئی شاخ عرب میں باقی ہی نہیں رہی۔

حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کا حجاز کعبۃ اللہ اور حرم کے ساتھ جو تعلق ہے اس کی عظمت اور اکثر قبائل عرب کے ابو القبائل ہونے کا جو علاقہ ہے اس کی اہمیت یہ دو اہم باتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے غالباً بعض قحطانی قبائل نے بھی خود کو عدنانی کہنا شروع کر دیا خصوصاً مقیم حجاز قبائل نے اس کو زیادہ نمایاں کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو قبائل خود کو اس پردہ میں نہیں چھپا سکتے تھے انھوں نے اس سے بڑھ کر ایک اور قدم اٹھایا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ خود قحطانی بھی اسمٰعیلی ہے تاکہ عدنانی اور قحطانی کا یہ فرق باقی ہی نہ رہے جو ایک کے اسمٰعیلی اور دوسرے کے غیر اسمٰعیلی ہونے سے باہمی امتیاز و شرف کا سبب بنتا تھا اور اسی بنا پر علماء انساب کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی بن گیا اور علماء حدیث میں سے بعض محدثین نے غالباً اس لئے اس نظریہ کی تائید کی کہ ان کے سامنے چند ایسی صحیح روایات تھیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ شاید کل عرب بنی اسمٰعیل ہی ہیں مثلاً حدیث کا یہ جملہ "تلک امکم یا بنی ماء السماء" میں ایک قسم کا عموم پایا جاتا ہے یا مثلاً بعض ایسے قبائل کے متعلق کہ جن کو قحطانی سمجھا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لئے "بنی اسمٰعیل" فرمانا مگر ان محققین کا یہ خیال صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم حافظ ابن حجر، ابن عبدالبر، ابن کثیر بلکہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس

Marfat.com

رضی اللہ عنہم) کے مقالات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ روایات کے ان الفاظ کا مطلب کیا سمجھتے ہیں بلکہ ابن عبدالبر نے اس مسئلہ کو صاف کرتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس دعوے کے ثبوت میں بعض مرفوع احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں" جن میں جرہم، سلف اور ثقیف کو مستثنیٰ کرتے ہوئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے" العرب کلہا من ولد اسمٰعیل" (معلوم رہے کہ یہ اور اس قسم کی تمام روایات ناقابلِ اعتماد اور ناقابلِ حجت ہیں اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب ان کی نسبت غلط ہے اور ابن عبدالبر کے اس قول سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

قال ابو عمر اکثر الاختلاف المذکور فی کتابنا ھذا وفی غیرہ من اھل النسب تولد من اختلافھم فی نسبۃ جمیع العرب الی اسمٰعیل بن ابراھیم (علیھما السلام) علی ما قد مناذکرہ فی کتابنا ھذا فی باب قحطان وغیرہ[۲]	ابو عمر (ابن عبدالبر) کہتا ہے کہ ہماری اس کتاب میں اور اس کے علاوہ سب کی دوسری کتابوں میں قبائل کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس نظریہ کی بدولت پیدا ہوا ہے کہ تمام عرب اسمٰعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) کی اولاد ہیں جیسا کہ ہم اسی کتاب میں قحطان اور بعض دوسرے ناموں کے تحت ذکر کر آئے ہیں۔

اور ابن کثیر کے اس قول سے بھی۔

قیل ان جمیع العرب ینتسبون الی اسمٰعیل بن ابراھیم (علیھما السلام والتحیۃ والاکرام والصحیح المشھور)	کہا جاتا ہے کہ تمام عرب حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں اور صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ عرب عاربہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے پہلے عرب کے ساکن ہیں

لہ الانباہ ص ۹۲ "دہی آثار کلہا ضعیفۃ الاسناد" ۲ہ ایضاً ص ۱۰۶

Marfat.com

ان العرب العاربۃ قبل اسمٰعیل ۔	اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عاد، ثمود، طسم، جدیس، امیم
وقد قدمنا ان العرب العاربۃ	جرہم اور عمالیق اور ان کے علاوہ اور قبائل جن کا
منھم عاد و ثمود و طسم و جدیس	حال صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے حضرت
وامیم و جرھم و العمالیق و	ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی تھے
امم اٰخرون لا یعلمھم	اور ان کے زمانہ میں عرب میں ان کی نسلیں پائی
الا اللہ کانوا قبل الخلیل علیہ	گئی ہیں ۔
الصلوٰۃ والسلام وفی زمانہ	

ایضاً لہ

پس حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے اس ارشاد کے متعلق جو انھوں نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) کے سلسلہ میں فرمایا یعنی "تلک امکم یا بنی ماء السماء" بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو انھوں نے عدنانی قبائل کی اکثریت کے پیش نظر جو حجاز میں آباد تھی تغلیباً یہ فرما دیا اور یا اس لئے فرمایا کہ عرب کے قحطانی قبائل ہوں یا عدنانی پدری یا مادری کسی نہ کسی سلسلہ سے بنی ہاجرہ ضرور ہیں ۔

اس کے برعکس اگر حضرت ابو ہریرہ کے اس مقولہ کا مطلب یہ لیا جائے کہ تمام عرب پدری سلسلہ سے حقیقتہً بنی ہاجرہ بنی اسمٰعیل ہیں تو یہ واقعہ کے بھی خلاف ہوگا اور ان صحیح روایات کے بھی مخالف رہے گا جن سے یہ ثابت ہے کہ عرب کے قبائل کا سلسلہ نسب قحطانی اور عدنانی قبائل کے علاوہ بنی جرہم اور بعض دوسرے ان قبائل سے بھی تعلق رکھتا ہے جو عربِ عاربہ کہلاتے تھے ۔ اور توراۃ اور مورخین تو اس کے متعدد سلسلے بیان کرتے ہیں ۔

نام یا لقب | سبا نام ہے یا لقب؟ یہ بھی ایک سوال ہے جو اس جگہ زیر بحث آتا ہے توراۃ کہتی ہے

لہ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵۶

کہ یہ نام ہے اور مورخینِ عرب کہتے ہیں کہ سبا لقب ہے اور نام عمر دیا عبد شمس ہے[۱] عصرِ حاضر کے اہلِ تاریخ اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ پھر عرب کے اہلِ تاریخ سبا کا وجہ لقب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ "سبا" بمعنی "قید" سے ماخوذ ہے چونکہ اس نے عرب میں سب سے پہلے جنگی قیدیوں کا طریقہ رائج کیا اور ان کو غلام بنایا اس لئے سبا لقب پایا اور جدید مورخین کہتے ہیں کہ یہ "س، ب، الف مع ہمزہ سے مرکب" ایسے لفظ سے ماخوذ ہے جس کے مفہوم میں تجارت کے معنی داخل ہیں اور سبا اور قوم سبا چونکہ تاجر پیشہ قوم تھی اس لئے سبا کے نام سے مشہور ہوئی چنانچہ آج بھی لغت عرب میں یہ لفظ شراب کی تجارت کے لئے بولا جاتا ہے" سبا الخمر شراہا للبشر بہا وسبی سباء الخمر۔ حملہا من بلد الی بلد[۲]" ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کا لقب "الرائش" بھی تھا۔ لغت میں ریش یا ریاش کے معنی مال کے آتے ہیں یہ چونکہ بہت بڑا فاتح اور سخی تھا اور لوگوں کو کثرت سے مال و متاع دیا رہتا تھا اس لئے اس لقب سے مشہور ہوا۔

زمانۂ حکومت | عام مورخین یہ کہتے ہیں کہ سبا نے چار سو چوبیس برس حکومت کی[۳]۔ مگر جدید فلسفہ تاریخ کے لحاظ سے اس کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ یہ خاندان سبا کی مدتِ حکومت بیان کی گئی ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ صحیح نظر نہیں آتا اس لئے کہ اگر قحطان کی تیسری پشت سے اس مدت کو شروع کیا جائے تو یہ تقریباً ۲۵۰۰ق م ہوسکتی ہے۔ اس حساب سے سبا کی حکومت کو ۲۰۰۰ق م ختم ہو جانا چاہیئے حالانکہ ہم حضرت سلیمان کے تذکرہ میں توراۃ سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ۹۵۰ق م میں ملکۂ سبا "بلقیس" نے حاضر خدمت ہو کر سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اور بہت سے تحفے پیش کئے ہیں اور جیسا کہ سورۂ نمل میں ملکۂ سبا کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ زمانہ سبا کی حکومت کا زمانۂ عروج ہے چنانچہ زبور میں حضرت داؤد (علیہ السلام) کی یہ دعا مذکور ہے۔

اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے گا ترسیس اور جزیروں کے سلاطین نذریں گذاریں گے اور وہ جیتا

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۵۸ [۲] تفسیر ابن کثیر ج ۳ [۳] اقرب الموارد [۴] البدایہ والنہایہ ج ۲

Marfat.com

رہے گا اور سبا کا سونا اسے دیا جائے گا اس کے حق میں سدا دعا ہو گی" [۱]

حضرت داؤد کی یہ دعا مقبول ہوئی اور سنہ ۹۵۰ ق م میں ان کے صاحب زادے حضرت سلیمان کی خدمت میں ملکۂ سبا نے حاضر ہو کر بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہرات پیش کئے۔

لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سبا کی عمر کے متعلق مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور یا اس سے سبا کے پورے دور حکومت کی مدت نہیں بیان کی گئی بلکہ ان کی حکومت کے دوسرے دور یعنی ملوکِ سبا کی مدتِ حکومت مراد ہے جو کم و بیش چار سو چھتیس سال ہے [۲]

سبا اور طبقاتِ حکومت

مورخین کہتے ہیں کہ سبا کے دو بیٹے تھے ایک حمیر اور دوسرا کہلان اور تمام محطانی قبائل ان ہی دو سلسلوں سے وابستہ ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عدنانی (اسمٰعیلی) قبائل جنابت اور قیدار کی اولاد ہیں ان کا اصلی وطن شمالی عرب ہے اور محطانی قبائل کا مسکن جنوبی عرب (یمن) ہے،

اور عام اہلِ نسب جب حکومتِ سبا کا ذکر کرتے ہیں تو وہ حمیر کو براہ راست سبا کا جانشین کہہ دیتے ہیں اور تمام سلسلۂ حکومت کو حمیری حکومت ہی سے یاد کرتے ہیں اور سبا کی حکومت کو مستقل حیثیت نہیں دیتے حالانکہ تاریخی حیثیت سے یہ نظریہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ سبا، یمن کے دورِ حکومت سے متعلق جو کتبات اثری اور حفری ذرائع سے برآمد ہو رہے ہیں نیز یونانی اور رومی معاصر سبا مورخین کی جو تاریخی شہادتیں ہیں ان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سبا کی حکومت دو طبقات میں منقسم رہی ہے اور پھر ہر دو طبقات کا زمانۂ حکومت جدا جدا دو دوروں میں تقسیم ہے۔

طبقۂ اولیٰ کا پہلا دور تقریباً سنہ ۱۱۰۰ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۵۵۰ ق م پر ختم ہوتا ہے کیونکہ بلحاظ کتبات سب سے پہلے حکومتِ سبا کا ذکر زبور سنہ ۹۵۰ ق م میں ہوا ہے اور یہ ان کے عروج کا زمانہ قیاس کیا گیا ہے اس دور میں شاہانِ سبا کا لقب مکارب سبا" نظر آتا ہے اور سلیمان

---

[۱] زبور ۷۲ [۲] ارض القرآن

Marfat.com

علیہ السلام کے زمانہ کی ملکہ (سبا (بلقیس) اسی دور سے تعلق رکھتی ہے اور طبقہ اولیٰ کا دوسرا دور ۵۵۰ سنہ ق م سے شروع ہو کر ۱۱۵ سنہ ق م پر ختم ہوتا ہے جیسا کہ علم الآثار سے ثابت ہو چکا ہے اور "سیلِ عرم" اور "سبا کا انتشار" اسی دور سے متعلق ہے اس دور کے بادشاہ "ملوکِ سبا" کہلاتے ہیں

اور طبقہ ثانیہ کا پہلا دور ۱۱۵ سنہ ق م سے شروع ہو کر اواخر سنہ ۳۰۰ء پر ختم ہو جاتا ہے یہ بادشاہ "ملکِ سبا و ریدان" اور "ملوکِ حمیر" کہے جاتے ہیں اور ریدان ان کے مشہور قلعہ کا نام ہے اور سبا اور حمیر قومیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حمیری سنہ اگرچہ غیر معروف رہا ہے لیکن ان کے ایک کتبہ میں حبشہ کے حملۂ یمن اور ذونواس کی موت کا تذکرہ ہے چونکہ یہ واقعہ عرب اور رومی تاریخی روایات کے مطابق ۵۲۵ سنہ ء میں پیش آیا ہے اور کتبہ میں ۶۴۰ سنہ حمیری درج ہے لہٰذا اس کو پیش نظر رکھ کر سنہ حمیری کی ابتدا ۱۱۵ سنہ ق م سے مطابقت رکھتی ہے اس دور میں سبا کا یہ خاندان صرف یمن اور اطرافِ یمن کا حکمراں رہا ہے۔

اور طبقہ ثانیہ کا دوسرا دور سنہ ۳۰۰ء کے اواخر سے شروع ہو کر ۵۲۵ سنہ ء پر ختم ہوتا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب آخری مرتبہ اہلِ حبش یمن پر قابض ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ آفتابِ اسلام کی ضیاء یمن تک پہنچتی ہے اور سارا یمن ایک ہی روز مشرف باسلام ہو جاتا ہے اس دور میں حکومت کا تسلسل باقی نہیں رہا بلکہ سنہ ۳۴۰ء کے وسط میں پہلی مرتبہ اکسومی حبشی خاندان نے کچھ عرصہ کے لئے یمن پر فاتحانہ قبضہ کر لیا تھا مگر چند سال کے بعد حمیر پھر اس کو واپس لے لیتے ہیں اس دور میں شاہانِ سبا کا لقب مورخین عرب کے نزدیک تبّع ہو جاتا ہے اور یہ "تبابعۂ یمن" کہلاتے ہیں۔ سامی زبان میں "تبع" کے معنی "سلطان اور قاہر بادشاہ" کے ہیں۔ چونکہ اس دور میں شاہانِ حمیر نے یمن کے علاوہ حضرموت حبشہ، نجد اور تہامہ تک اپنی حدودِ مملکت کو وسیع کر لیا تھا اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہوئے چنانچہ ان کے دور کے کتبات میں "ملکِ سبا و ریدان و حضرموت" "ملکِ سبا و ریدان و حضرموت و نجد وغیرہ ملکوں کے نام اضافہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور یہی وہ "تبع" ہیں جن کا ذکر قرآن کی سورۂ دخان اور سورۂ ق میں کیا گیا ہے ریدان کا قلعہ

Marfat.com

ان کا ابتدائی دار الحکومت رہا ہے اور یہ شہر ظفار کے قریب آباد تھا جو صنعا (موجودہ دار الحکومت یمن) کے متصل ہے اور جب سبا کے طبقۂ اولیٰ کے انتشار سے اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو حمیر نے مارب تک اپنی حکومت کو وسیع کر لیا۔

سبا کے طبقات کی یہ تقسیم مشہور مورخ حمزہ اصفہانی کے بیان سے ہوتی ہے۔

واول من ملک اولاد قحطان	قحطان کی اولاد میں جو پہلا بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا
حمیر بن سبا فبقی ملکاً حتیٰ	ہے یہ آخری وقت تک بادشاہ رہا یہاں تک
مات هرماً وتوارث ولده	کہ بوڑھا ہو کر مرگیا پھر حکومت اس کی اولاد میں
الملک بعده فلم یعد هم	وراثتہً جاری رہی اور چند صدیاں تک ان کے ہاتھ
الملک حتیٰ مضت قرون	سے نہیں نکلی پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا جو
وصار الملک الی الحارث وهو	پہلا تبع ہے اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے
تبع الاول فمن ملک الیمن	تھے ایک سبا میں اور ایک حضر موت میں تمام
قبل الرائش ملکان ملک	یمنی ایک پر جمع نہیں ہوتے تھے لیکن جب
بسبأ وملک بحضر موت	الرائش بادشاہ ہوا تو اس کی بادشاہی پر
فکان لایجمع الیمانیون کلهم	سب مجتمع ہو گئے اور اس کی اطاعت قبول
علیهم الی ان ملک الرائش	کر لی اس لئے اس کا لقب تبع ہوا۔
فاجتمعوا علیه وتبعوه فسمی	
تبعاً [1]	

اور مورخ و محدث ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں یہی بیان کیا ہے۔

وکانت العرب تسمی کل من	اور عرب اس بادشاہ کو جو یمن کے ساتھ شحر اور حضر
ملک الیمن مع الشحر وحضر	موت کا بھی بادشاہ ہو تبع کہتے ہیں جیسا کہ اس بادشاہ

[1] ص ۱۰۸ مطبوعہ کلکتہ

Marfat.com

موت نسبتها كما يسمون من	کو جو شام اور جزیرہ دونوں کا حکمراں ہو قیصر کہتے ہیں
ملك الشام مع الجزيرة قيصر	اور جو فارس کا بادشاہ ہو اس کو کسریٰ اور ملک مصر
ومن ملك الفرس كسرىٰ	کے بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی
ومن ملك مصر فرعون و	اور ہندوستان کے بادشاہ کو بطلیموس
من ملك الحبشة النجاشي	کہتے ہیں۔
ومن ملك الهند بطليموس[۵۲]	

غرض یہ خیال کہ سبا کی حکومت اور حمیری حکومت ایک ہی بات ہے نہ صرف تاریخ ہی کے خلاف ہے بلکہ خود قرآن عزیز کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ قرآن عزیز نے حکومتِ سبا سے متعلق سورۂ نمل اور سورۂ سبا میں جو دو واقعے بیان کئے ہیں ان کا تعلق سبا کے اس طبقہ سے ہے جو ملوکِ حمیر اور تبابعہ سے قبل گذرا ہے اور اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حمیر ہرگز سبا کا بلاواسطہ جانشین نہیں ہے بلکہ اس کے اور حمیر کے درمیان بہت زیادہ واسطے ہیں اور حمیر اگرچہ سبا کا بیٹا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا اپنا زمانہ اور اس کی نسل میں قیام حکومت کا زمانہ ایک ہے بلکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ سبا کے بعد اس کی اولاد میں حکومت کا وہ سلسلہ جو طبقۂ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے بجائے حمیر کی نسل کے کہلان کی کسی قدیم شاخ میں قائم رہا ہے کیونکہ مارب اور سبا کی نو آبادیوں کی تباہی کا اثر ہم بنی کہلان میں زیادہ پاتے ہیں اور مارب تک حمیری حکومت کی ابتدا سبا کی بربادی سے شروع ہوتی ہے چنانچہ عام مورخین کے خلاف ابن عبد البر نے یہ تصریح کی ہے کہ سبا کی حکومت صرف حمیر کی نسل ہی میں نہیں رہا بلکہ کہلان کے خاندان میں بھی یہ سلسلہ رہا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وولد سبا حمير بن سبا و	اور سبا کے دو بیٹے تھے حمیر اور کہلان اور حمیر و

---

[۵۲] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۵۹

Marfat.com

کھلان بن سبا فمن حمیر — کہلان دونوں ہی کی نسل سے یمن کے بادشاہ

وکھلان کانت ملوک الیمن — تبع اور ذو ہوئے ہیں ۔

من التبابعۃ والاذواء

مکارب سبا و ملوک سبا | سبا (طبقہ اولیٰ) کے دوراول کے حکمراں تاریخ میں "مکارب سبا" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں یہ لفظ "مکا" بمعنی مذہبی اور "رب" بمعنی مالک سے مرکب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا ابتدائی دور حکومت مذہبی پیشواؤں یعنی کاہن حکمرانوں سے شروع ہوتا ہے ان بادشاہوں کا دارالحکومت صرواح تھا اور یہ مارب اور صنعاء کے درمیان واقع تھا اور اس کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں اور ملوک سبا (شاہانِ سبا) کا دارالحکومت مارب تھا اور ان کا بادشاہ اس کے مشہور قلعہ "سلحین" میں رہتا تھا ۔ ابن علقمہ جاہلی شاعر، مسلمان مورخین سے قبل ان دونوں زمانہ ہائے حکومت کو الگ الگ ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

من یامن الحدثان بعد — ملوک صرواح ومارب

صرواح اور مارب کے بادشاہوں کے بعد اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

اور یہی شاعر قلعہ سلحین کا بھی ذکر کرتا ہے ۔

وقصر سلحین قد عفاہ — ریب الزمان الذی یریب

اور سلحین کا محل، جس کو زمانہ کے حوادث نے فنا کر دیا

وسعت حکومت | حکومت سبا کی ابتدا جنوبی عرب "یمن" کے مشرقی حصہ سے ہوتی ہے اس کا دارالحکومت اول صرواح تھا اور پھر مارب ہوا آہستہ آہستہ اس حکومت نے ترقی کی اور ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ تجارتی ذرائع سے بھی بہت زیادہ کامیابی حاصل کی اس لئے اس کا رقبہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور شمالی عرب اور افریقہ تک اس کے حدود نظر آنے لگے چنانچہ حبشہ میں اذنیہ کا ضلع اسی کے مقبوضات میں تھا اور حکومت سبا کی جانب سے مغافر کے لقب سے ایک سبائی حکومت کرتا تھا یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی شاہراہ تھی اور جس کا ذکر قرآن عزیز نے سورۂ قریش میں "رِحلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیف"

Marfat.com

کہہ کر کیا ہے اور دوسری جگہ جس کو "امام مبین" فرمایا ہے وہ بھی ان ہی کے قبضہ میں آگئی تھی اور شام فلسطین اور مدین کے نواح میں بھی ان کے مقبوضات موجود تھے اور اس طرح تقریباً آٹھویں صدی قبل مسیح میں اہل معین پر غلبہ پانے کے بعد سبا کی حکومت عرب کی عظیم الشان متمدن حکومت تھی۔[1]

طرزِ حکومت | سبا کے طرزِ حکومت کے متعلق اہل تاریخ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے محدود سلسلہ رسل ورسائل کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ دار الحکومت سے فاصلہ پر آباد شہروں اور بستیوں پر آزاد گورنروں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہوں اور جو مرکزی حکومت کے تابع اور اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کیا کریں۔ پس اس اصول پر یمن کی حکومت قائم تھی اور اس کی ترتیب و تنظیم اس طرح پر تھی کہ آس پاس کے گاؤں اور قصبوں کے درمیان عموماً ایک قلعہ ہوتا تھا جس پر قلعہ دار رہتا تھا اور وہی ان آبادیوں کا حاکم اور ذو کہلاتا تھا اور اس مجموعۂ آبادی کو "محفد" کہتے تھے۔ یمنی زبان میں ذو کے معنی "آقا" کے ہیں جو عربی میں بمعنی صاحب و مالک بولا جاتا ہے اور اس کی جمع اذواء آتی ہے اور قلعہ کا جو نام رکھا جاتا تھا اسی کے انتساب سے قلعدار کا لقب قرار پاتا تھا مثلاً ذو غمدان ذو ثعلبان۔

پھر چند محفد مل کر ایک "مخلاف" بنتا تھا اور اس مخلاف کے حاکم کو قیل (صوبہ دار) کہتے تھے قیل کی جمع "اقیال" ہے اور یہ سب اقیال "ملک" (بادشاہ) کے تابع فرمان ہوتے تھے ان ہی بادشاہوں کو یمن کی تاریخ میں مکارب سبا اور ملوک سبا کہا جاتا تھا اور بادشاہ کا بھی ایک زبردست اور محکم قلعہ ہوتا تھا چنانچہ قلعہ "ریدان" اور "سلحین" ان ہی بادشاہوں کے قلعے تھے اور یہ بادشاہ ان ہی قلعوں اور دار الحکومت کے شہروں کے انتساب سے لقب پاتے تھے مثلاً ملک سبا و ذوریدان یا الملک سبا ذو سلحین" مارب کے آثار سے جو کتبے حاصل کیے گئے ہیں ان پر یہ نقش کندہ ہے "ضراب بیت سلحین وحفر مارب" یعنی یہ قلعہ سلحین اور شہر مارب میں مسکوک کیا گیا۔

یمن کے اسلامی حکومت میں شامل ہونے کے بعد بھی "اذواء" اور "اقیال" کا یہ نظم حکومت باقی

---

[1] دائرۃ المعارف للبستانی (سبا) و معجم البلدان (یمن)

Marfat.com

رکھا گیا اور یہی وہ اقیالِ یمن ہیں جن کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لئے نامہ ہائے مبارک تحریر فرمائے اور انھوں نے برضا و رغبت دعوتِ اسلام کو قبول کیا۔

سبا کی عمارات ہمدانی جو کہ قدیم مورخین کی طرح جدید یورپ کی نگاہ میں بھی بہت مستند اور سچا مورخ تسلیم کیا جاتا ہے اس نے اپنی مشہور کتاب اکلیل میں ایک باب سبا کی عظیم الشان اور عجیب غریب عمارات کے لئے مرتب کیا ہے اور حکومت سبا کے سلسلہ میں جو کتبات پائے گئے ہیں ان میں بھی اکثر ان قلعوں اور بے نظیر عمارات ہی کے کتبے ہیں اور یورپین سیاح بھی ان کھنڈرات کے عجیب غریب حالات سناتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ قصر غمدان بے مثل صناعی کا نمونہ تھا یہ قصر بیس منزل رکھتا تھا اور ہر ایک منزل کا ارتفاع بقدر دس گز معماری تھا اور سب سے اوپر کی منزل نہایت بیش قیمت آبگینوں سے بنائی گئی تھی اور اس قصر میں سو وسیع دریچے کرے تھے اسی طرح بے نظیر عمارات کا سلسلہ تھا جو اس زمانہ کے رفیع تمدن اور سبا کی حیرت انگیز ترقی کا آئینہ دار تھا۔

سبا کا تمدن گذشتہ سطور میں کہا جا چکا ہے کہ اہل سبا ایک تاجر قوم تھی اور یہ وصف ان کا قومی مزاج بن گیا تھا۔ اس لئے وہ حکومت کے وسائل ترقی کے لئے بھی اسی کو زیادہ اہم وسیلہ سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے حدودِ حکومت میں جو خزانے مدفون کر رکھے تھے وہ اور زیادہ ان کی اس فطرت کے لئے تائیدِ غیبی بن گئے تھے کیونکہ عرب میں سونے اور جواہرات کی بہ کثرت کانیں موجود ہیں اور ان کا بیشتر حصہ ان ہی کے رقبۂ حکومت میں موجود تھا۔ یمن میں سونے کے علاوہ دوسری قسم کی معدنیات بھی پائی جاتی ہیں حضرموت اور یمن کا علاقہ خوشبودار اشیاء کی پیداوار کے لئے مشہور تھا اور اب بھی ہے عمان اور بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں جن سے آج بھی تمام دنیا میں بیش قیمت موتی جاتا ہے خود

لہ یقال ان غمدان قصر بالیمن بناہ یعرب بن قحطان وملکہ بعدہ واثلہ بن حمیر بن سبا

ویقال کان ارتفاعہ عشرین طبقۃ۔ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۷۹

Marfat.com

یمن کے ساحل ہندوستان اور حبش کی پیداوار کے لئے منڈی تھے اور شام مصر اور یورپ اور ہندوستان حبش کے درمیان جو درآمد و برآمد ہوتی اور تجارتی کاروبار ہوتا تھا اس زمانہ میں سبا ہی اس کے واحد اجارہ دار اور براہ حجاز ان ملکوں تک سامان تجارت پہنچاتے تھے اسی بنا پر توراۃ میں سبا کی دولت و ثروت اور اس کی وجہ سے ان کے تمدن کی عظمت کے بہ کثرت تذکرے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے۔

"مصر کے مزدور اور حبش اور سبا کے تجارتی مال اور تنومند آدمی تیرے پاس آئیں گے اور وہ تیرے ہوں گے[۱]"

اور اسی کتاب میں دوسری پیشین گوئی ہے۔

(اے یروشلم) اونٹوں کی قطاریں تجھ پر چھا جائیں گی مدین اور عیفا کی اونٹنیاں (بھی) یہ سب سبا سے آئیں گی اور سونا اور لوبان لے کر آئیں گی[۲]

اور یرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے۔

خداوند غصہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کس مقصد کے لئے میرے پاس سبا کا لوبان پیش کرتے ہو[۳]

اور حزقیل نبی کی کتاب میں ہے۔

اور عوام کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے لائے گئے جن کے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور خوب صورت تاج ان کے سروں پر ہیں[۴]

اور دوسری جگہ ہے۔

اور سبا اور رعمہ کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے وہ تیرے بازاروں میں ہر قسم کے نفیس اور خوشبودار مصالحے اور ہر طرح کے جواہرات اور سونا اور یمن کے شہروں، حران قانہ اور عدن اور سوداگران سبا اور اشور اور کلمد تیرے سوداگر ہیں یہ ہی تیرے تاجر تھے ہر قسم کی

---

[۱] (۴۵-۱۴) [۲] (۶۰-۶) [۳] (۶-۲۰) [۴] (۲۳-۴۲)

Marfat.com

چیزوں کے جو کمخاب اور چوغے اور ارغوانی اور منقش پوشاکیں اور سب طرح کے بوٹے دار نفیس کپڑے گٹھوں سے کسے ہوئے اور مضبوط بندھے ہوئے تیری تجارت گاہ میں بیچنے کے لیے لاتے تھے [۱]

سد مارب - عرب میں مستقل دریا ناپید ہیں، اکثر بارش کے پانی پر گذر ہے اور کہیں کہیں پہاڑی چشمے بھی ہیں، بارش کا پانی ہو یا پہاڑی چشموں کا تمام پانی بہ کر وادی کے ریگستان میں جذب ہو کر ضائع ہو جاتا ہے، قوم سبا نے اس پانی کو کام میں لانے اور باغات و زراعت کو سرسبز و شاداب بنانے کے لئے یمن کے اقطاع و امصار میں ایک سو سے زائد بند باندھے تھے اور ان کی وجہ سے تمام ملک سرسبز و بہارستان بنا ہوا تھا ان ہی بندوں میں سے سب سے بڑا اور عظیم الشان بند "سد مارب" تھا جو دارالحکومت مارب میں بنایا گیا تھا۔

اس "سد" کے متعلق قدیم و جدید مورخوں اور سیاحوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ سبا کو فن انجنیری اور ہندسہ میں بہت بڑا کمال حاصل تھا۔

مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جو کوہ ابلق کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے درمیان بہت طویل و عریض وادی ہے جس کو وادی اُذنیہ کہتے ہیں جب پانی برستا یا پہاڑی چشموں سے نکلتا تو وادی دریا بن جاتی۔ سبا نے یہ دیکھ کر ۸۰۰ ق م میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بند باندھنا شروع کیا اور عرصہ تک اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔

بعض مورخین عرب کہتے ہیں کہ یہ بند دو میل مربع تھا اور صاحب ارض القرآن ایک یورپین سیاح ارناؤ کے مضمون کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک سو پچاس فٹ لانبی اور پچاس فٹ چوڑی دیوار ہے جس کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو چکا ہے اور ایک تہائی اب بھی باقی ہے اور وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اس سیاح نے اس کا بہت عمدہ نقشہ تیار کر کے اپنے مضمون کے ساتھ شائع کیا ہے جو درج

---

[۱] ۲۷ - ۱۴ - ۲۲ [۲] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۹

Marfat.com

ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا ہے اور جس کو انھوں نے ارض القرآن میں بھی نقل کیا ہے۔

مورخین عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ سبا نے اس کو اس طرح تعمیر کیا تھا کہ پانی کو روکنے کے بعد موسموں کے اختلافات کے پیش نظر آبیاری کے لئے پانی کے اوپر نیچے تین درجے قائم کر دئے تھے اور ہر درجہ میں تیس تیس کھڑکیاں رکھی تھیں جن کے ذریعہ پانی کو کھولا اور بند کیا جاتا تھا اور پھر ان کے نیچے ایک بہت بڑا حوض بنایا تھا اس کے دائیں اور بائیں دو بڑے بڑے آہنی پھاٹک تھے جن کے ذریعہ حوض کا پانی تقسیم ہو کر مارب کے دونوں جانب نہروں، گولوں اور جبھوں کے ذریعہ حسب ضرورت کام میں آتا تھا۔ اس عظیم الشان بند کی وجہ سے تقریباً تین سو مربع میل تک داہنے اور بائیں چھواروں کے نخلستان، میووں اور پھلوں کے حسین و جمیل باغ، خوشبوؤں کے کھیت اور مرغ زار دار چینی، عود اور مختلف قسم کے خوشبو دار درختوں کے گنجان باغات اس کثرت سے ہو گئے تھے کہ تمام علاقہ چمنستان اور فردوس بنا ہوا تھا۔[1]

ابن کثیر وغیرہ بروایت ابن منبہ یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اگر ایک عورت کسی موسم میں بھی سر پر ٹوکری رکھ کر ان باغات کے اندر گذر جاتی تو ہاتھ لگائے بغیر ہی اس کی ٹوکری پختہ پھلوں کے ٹپکے سے بھر جاتی۔[2]

یمن کی طبعی خصوصیت کے لحاظ سے خوشبوؤں۔ پھلوں اور پھولوں کے درختوں کی کثرت مارب کے بند کی وجہ سے اس میں عظیم الشان اضافہ اور ترقیِ تجارتی کاروبار اور معدنیات کی کثرت کی وجہ سے سونا، چاندی اور جواہرات کی بہتات نے قوم سبا میں اس درجہ خوش عیشی، رفاہیت، فارغ البالی اور اطمینان پیدا کر دیا تھا کہ وہ ہر وقت مسرت و شادمانی کے ساتھ خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے اور شب و روز طمانیت و مرفہ الحالی میں زندگی بسر کرتے تھے۔

اور ملک کے بہارستانوں اور چمنستانوں کی وجہ سے آب و ہوا میں اس درجہ اعتدال تھا کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۵۸ [2] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۹

Marfat.com

سبا مچھروں، مکھیوں اور پسوؤں جیسے ایذا رساں کیڑوں سے پاک و محفوظ تھے چنانچہ سبا کے معاصر مورخ اہل سبا کی اس رشک پیدا کرنے والی زندگی کے حالات اس طرح بیان کرتے ہیں (راٹو سینتھس (Erato o Thens) ۱۹۴ سنہ ق م لکھتا ہے۔

"عرب کے انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) کے پہلو میں سبا کے لوگ ہیں جن کا دار الحکومت مارب (Mariala) ہے یہ قطعہ ملک مصر کے زیریں پڑا ہے گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں اسی سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبارہ ہوتی ہے حضرموت سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔ حضرموت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

اور یونانی مورخ اگاتھر شیڈس (Agathershidos) ۱۴۵ سنہ ق م لکھتا ہے سبا عرب آبادان (Arabiafler) میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ زمین جو سمندر کے متصل ہے اس میں بلسان اور نہایت خوب صورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک بخورات، دار چینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محفوظ ہوتے ہیں وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔

اور یہی مورخ دوسری جگہ لکھتا ہے۔

Marfat.com

سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے اسی لئے خصوصًا ان کے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں تخت اور پیش گاہیں ہیں جن کے ستون زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں اس قسم کے زیب و زینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اور مشہور مورخ آرٹی میڈروس (Artimidor) سنہ قم باشندہ شہر افسس لکھتا ہے۔

سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر زنانہ خوش حالی (عیش و عشرت) میں واقع ہے میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہو گئے ہیں خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی و غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں قرب و جوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں[1]

جنتان عن یمین و شمال

غرض یمن کی طبعی خصوصیات کے علاوہ جو اس ملک کی شادابی اور معتدل آب و ہوا کے لیے قدرتی وسائل کی شکل میں موجود تھیں ملک کے اندر اس "بندِ آب" نے ہمہ قسم کی راحت و عیش و عشرت کی زندگی کے لئے سامان فراہم کر دیے تھے اور ان سب چیزوں پر یہ مستزاد تھا کہ یمن سے شام تک جس مشہور شاہراہ "امام مبین" پر اہل سبا کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت تھی اس کے بھی دونوں جانب حسین و خوب صورت ملبسان اور دارچینی کے خوشبودار درختوں کا سایہ تھا اور قریب قریب فاصلہ سے حکومتِ سبا نے ان کے سفر کو آرام دہ بنانے کے لئے کاروان سرائے بنا رکھی تھیں جو شام کے علاقہ تک

[1] ارض القرآن ج ۲ ص ۲۴۵ - ۲۵۲

ان کو اس آرام کے ساتھ پہنچاتی تھیں کہ خنک پانی اور میووں اور پھلوں کی افراط یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ اپنے وطن میں ہیں یا دشوار گذار سفر میں حتیٰ کہ جب خوش گوار سایہ اور فرحت بخش ہوا میں ان کا کارواں ان کاروان سراؤں میں ٹھیرتا، میوے اور تازہ پھل کھاتا اور سرد و شیریں پانی پیتا ہوا حجاز اور شام تک آمد و رفت رکھتا تو ہمسایہ قومیں رشک و حسد سے ان پر نگاہیں اٹھاتی اور حیرت و تعجب کے ساتھ ان کے اس عیش و عشرت پر انگشت بدنداں ہو جاتی تھیں جیسا کہ آپ ابھی ان کے معاصر مورخین کی زبان سے سن چکے ہیں کہ وہ کن الفاظ کے ساتھ ان کی اس خوش حالی کا تذکرہ کر رہے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بے حد ارزاں کر دیا تھا۔

ان تاریخی تصریحات کے بعد اب ہم کو قرآن عزیز کی ان آیات کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو سبا کی اس خوش حالی کا ذکر کرتے ہوئے اس کو اہل سبا پر خدائے تعالیٰ کا عظیم الشان انعام و اکرام اور احسانِ عظیم ظاہر کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ	بلا شبہ اہل سبا کے لئے ان کے وطن میں قدرتِ الٰہی کی
آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ	عجیب و غریب نشانی تھی دو باغوں کا (سلسلہ) داہنے
كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا	بائیں اور خدا نے ان کو یہ فرما دیا تھا "اے سبا والو
لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ	اپنے پروردگار کی جانب سے بخشی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا
(سبا)	شکر کرو، شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ایک مرتبہ گذشتہ تاریخی تفاصیل کو اور مطالعہ کیجئے اور صرف مسلمان مورخین کی روایات کی روشنی میں نہیں بلکہ ان غیر مسلم مورخین کی معاصرانہ شہادتوں کی روشنی میں پڑھیئے جو اسلام دشمنی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور پھر قرآن کی مسطورہ بالا آیات کا مطالعہ فرمائیے قرآن کہتا ہے کہ سبا کے اپنے گھر ہی میں خدائے تعالیٰ کی بے نظیر اور عجیب و غریب نشانی موجود تھی وہ یہ کہ سینکڑوں میل تک ان کے شہر کے داہنے بائیں میووں پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے درختوں کا گنجان سلسلہ باغات کی شکل میں موجود تھا یہ خدائے تعالیٰ کا عطا کردہ رزق تھا جو آس پاس کی قوموں کے مقابلہ میں دو طرح سے ان

Marfat.com

بخشا گیا تھا۔ ایک ملک کے طبعی خواص کے ذریعہ جو "اللہ کی فطرۃ" کے ہاتھوں سے معتدل ہوا، سرد و خشک پانی، عمدہ پھلوں اور پھولوں کی خودرو پیداوار اور خوشبودار چیزوں کے درختوں کی طبعی نشوونما کی شکل میں ظاہر ہوا اور دوسرا آب رسانی کے بہتر طریقوں کی صورت میں جو درحقیقت خالق کائنات ہی کی عطا کردہ عقل و خرد اور فہم و ذکا کا نتیجہ تھا۔ پس اہلِ سبا کا فرض ہے کہ وہ اس خوش عیشی اور عافیت کوشی پر جو ان کو ان کے وطن ہی میں بے محنت حاصل ہے" اس کے شکر گذار بندے بنیں اگر وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کریں گے اور خدا کے رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے اس کی مرضیات پر گامزن رہیں گے تو بلاشبہ انھیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ ایک جانب ان کی دنیا کی زندگی کے لئے ان کو ایسا عمدہ اور ہر طرح سے پاک صاف وطن حاصل ہے اور دوسری جانب ان کی حیاتِ ابدی اور نجاتِ اخروی کے لئے ان کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے۔

اہلِ سبا اور خدا کی نافرمانی

اہلِ سبا ایک عرصہ تک تو اس جنت ارضی کو خدا کی عظیم الشان آیت و نعمت ہی سمجھے اور حلقہ بگوش اسلام رہتے ہوئے احکام الٰہی کی تعمیل اپنا فرض یقین کرتے رہے لیکن تمول، خوش عیشی اور ہر قسم کے تنعم نے آہستہ آہستہ ان میں بھی وہی اخلاقِ ردیہ پیدا کر دئے جو ان کی پیشرو گذشتہ متکبر اور مغرور قوموں میں موجود تھے اور یہ یہاں تک ترقی کرتے رہے کہ انھوں نے دینِ حق کو بھی خیرباد کہہ دیا اور کفر و شرک کی سابق زندگی کو دوبارہ اپنا لیا، تاہم "ربِ غفور" نے فوراً گرفت نہیں کی بلکہ اس کی وسعت رحمت نے قانون امہال (مہلت دینے کا قانون) سے کام لیا اور انبیاء (علیہم السلام) نے ان کو راہِ حق کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ ان نعمتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم دولت و ثروت اور جاہ و حشمت کے نشہ میں چور ہو کر مست ہو جاؤ اور نہ یہ کہ اخلاقِ کریمانہ کو چھوڑ بیٹھو اور کفر و شرک اختیار کر کے خدا کے ساتھ بغاوت کا اعلان کر دو، سوچو اور غور کرو کہ یہ راہ بری ہے اور اس کا انجام برا انجام ہے۔

محمد ابن اسحاق بروایت ابن منبہ کہتے ہیں کہ اس درمیان میں ان کے پاس خدائے تعالیٰ کے تیرہ نبی حقِ رسالت ادا کرنے آئے مگر انھوں نے مطلق توجہ نہ کی اور اپنی موجودہ خوش عیشی کو دائمی وراثت سمجھ کر شرک و کفر کی بدمستیوں میں مبتلا رہے[۱]۔

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۲۔

Marfat.com

آخر تاریخ نے خود کو دہرایا اور ان کا انجام بھی وہی ہوا جو گذشتہ زمانہ میں خدائے برحق کی نافرمان قوموں کا ہو چکا ہے۔

سیل عرم | چنانچہ خدائے تعالیٰ نے ان پر دو قسم کا عذاب مسلط کر دیا جس کی بدولت ان کے جنت نشان باغات برباد ہو گئے اور ان کی جگہ جنگلی بیریاں خاردار درخت اور پیلو کے درخت اُگ کر یہ شہادت دینے اور عبرت کی کہانی سنانے لگے کہ خدا کی پیہم نافرمانی اور سرکشی کرنے والی اقوام کا یہ حشر ہوتا ہے

پہلی سزا | ہوا یہ کہ وہ "بند" جس کی تعمیر پر ان کو بے حد ناز تھا اور جس کی بدولت ان کے دارالحکومت کے دونوں جانب تین سو مربع میل تک خوب صورت اور حسین باغات اور سرسبز و شاداب کھیتوں اور فصلوں نے یمن گلزار بنا ہوا تھا وہ خدا کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب بنا ہوا وادی میں پھیل گیا اور مارب اور اس تمام حصۂ زمین پر جن میں یہ فرحت بخش باغات تھے چھا گیا اور ان سب کو غرق آب کر کے برباد کر ڈالا اور جب پانی آہستہ آہستہ خشک ہو گیا تو اس پورے علاقہ میں باغوں کی جنت کی جگہ پہاڑوں کے دونوں کناروں سے وادی کے دونوں جانب جھاؤ کے درختوں کے جھنڈ جنگلی بیروں کے جھاڑوں اور ان پیلو کے درختوں نے لے لی جن کا پھل بدذائقہ اور کسیلا پن لئے ہوتا ہے۔

اور خدا کے اس عذاب کو اہل مارب اور قوم سبا کی کوئی قوت و سطوت نہ روک سکی اور بند باندھنے میں انجینیری اور علم ہندسہ کی مہارت فن کا جو ثبوت انھوں نے دیا تھا وہ اس کی شکستگی کے وقت سب ناکارہ ہو کر رہ گیا اور اہل سبا کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ اپنے وطن مالوف اور بلدۂ طیبہ "مارب اور نواحِ مارب کو چھوڑ کر منتشر ہو جائیں۔

قرآنِ عزیز نے اسی عبرت ناک واقعہ کو بیان کر کے عبرت نگاہ اور بیدار قلب انسان کو نصیحت کا یہ سبق سنایا ہے۔

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ	پھر انھوں نے (قوم سبا نے) ان پیغمبروں کی نصیحتوں
سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ	سے منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر بند توڑنے کا سیلاب
جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّ	بھیج دیا اور ان کے دو (شمارہ) باغوں کے بدلے دو ایسے

Marfat.com

وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝ باغ اگا دیے جو بد مزہ پھلوں، جھاؤ اور کچھ بیری کے
ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ درختوں کے جھنڈ تھے یہ ہم نے ان کی ناشکر گذاری
هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ کی سزا دی اور ہم ناشکر قوم ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔

غور کیجئے کہ یہ سیلاب بہ اسبابِ ظاہر کس طرح آیا۔ کیا اس لئے کہ "مارب کا بند" کہنہ اور شکستہ ہوگیا تھا؟ نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جس قسم کے مہندسین اور انجینیری کے ماہرین نے اس کو بنایا تھا سبا میں ان کی اس وقت بھی کمی نہ تھی اور وہ اس کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں میں سینکڑوں بند تعمیر کراتے رہے تھے پھر کیا وہ اس کی کہنگی اور شکستگی کا اتنا انتظام بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اگر اس کو اپنی طبعی عمر پر ٹوٹنا ہی ہے تو پانی کے زور کو اس طرح کم کر دیا جائے یا اس کے لئے تعمیر میں ایسے اضافے کر دئے جائیں کہ جس سے یہ اچانک شکست ہو کر اس مصیبتِ عظمیٰ کا باعث نہ بن سکتا۔ پھر یہ سیلاب کیوں آیا کیا اس لئے کہ اس حقیقت کے جان لینے کے باوجود کہ یہ بند عن قریب شکستہ ہو کر اس داہیۂ کبریٰ کا باعث بننے والا ہے انھوں نے کاہلی اور سستی سے اس کی پرواہ نہیں کی تو تاریخ کی روشنی میں یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ حکومتِ سبا کے متعلق جو معاصرانہ تاریخی شہادتیں مہیا ہیں وہ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اس بند کی مضبوطی استحکام اور ہر قسم کے حفاظتی امور کے بارے میں بہت مطمئن تھے اور برابر اس سے آب پاشی کا کام لے رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ قدیم و جدید تاریخیں اس ہولناک تاریخی واقعہ کے اسباب و علل کے بارے میں قطعاً خاموش ہیں اور اس لئے خاموش ہیں کہ سبا پر یہ عذاب بلاشبہ غیر متوقع اور اچانک آیا جس سے وہ خود بھی حیران و سراسیمہ ہو کر رہ گئے اور وہ اس کے سوا اور نہ کچھ سمجھ سکے کہ یہ جو کچھ ہوا اچانک غیبی ہاتھ سے ہوا کیونکہ "بند" کے استحکامات اور انتظامات میں بظاہر کوئی خرابی نہیں تھی پھر یک لخت بند کا ٹوٹ جانا اور پانی کا سیلابِ عظیم کی شکل میں پھیل کر تمام جنت نشان علاقہ کو تباہ و برباد کر دینا بجز عذاب الٰہی کے اور کیا ہو سکتا ہے انھوں نے جب جائز اور پاک خوش عیشی کو عیاشی اور بد اطواری میں بدل دیا۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے غرور و تکبر کے

Marfat.com

ساتھ کفرانِ نعمت کیا، نبیوں اور پیغمبروں کے بار بار رشد و ہدایت پہنچانے کے باوجود شرک و کفر پر اصرار کیا تو اچانک عذاب الٰہی آکر ان کو تباہ و برباد کر تا تو اور کیا ہوتا "فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ" "ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ"۔

ابن جریر ابن کثیر اور دوسرے اصحابِ سیر نے اس موقعہ پر ایک اسرائیلی حکایت بیان کی ہے جس کو محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب "سد مارب" کو برباد کرنے کا ارادہ کر لیا تو "سد" کی بنیادوں میں بڑے بڑے گھونس پیدا کر دیئے اور انھوں نے آہستہ آہستہ اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا، قوم سبا نے جب یہ دیکھا تو سد کی بنیادوں کے ہر ایک پایہ اور ستون سے بلیاں بندھوا دیں کہ اس خوف سے گھونس جڑوں کو کھوکھلا نہ کر سکیں گے۔

وہب بن منبہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں یہ پیشین گوئی درج تھی کہ اس سد کی بربادی گھونسوں کے ذریعہ ہوگی اس لئے جب انھوں نے سد میں گھونسوں کو دیکھا تو بلیاں باندھ دیں مگر جب خدائے تعالیٰ کی مشیت کے پورا ہونے کا وقت آیا تو گھونس اتنے منہ زور ہو گئے کہ وہ بلیوں سے گھبرانے کی بجائے ان پر حملہ آور ہونے لگے اور انھوں نے چند ہی روز میں سد آب کی جڑیں ہلا دیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ بند پانی کا زور برداشت نہ کر سکا اور سیلاب کی صورت میں بہ نکلا اس روایت کو بعض راویوں نے بغیر سند کے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت قتادہ کی جانب بھی منسوب کیا ہے۔

یہ روایت اسرائیلی حکایت اور اسرائیلی داستان سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی اور اصول روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابلِ اعتماد ہے، روایت کے لحاظ سے اس لئے "قابل احتجاج" نہیں کہ اس کے بعض طریقے بے سند ہیں اور بعض منقطع اور درایت کے اعتبار سے اس لئے اعتماد کے قابل نہیں کہ اس روایت میں سیلاب سے متعلق جو واقعہ درج ہے یعنی گھونس اور بلیوں کا معاملہ وہ صرف وہب بن منبہ کی روایت میں مذکور ہے اور وہب اسرائیلی روایات کے مدار ہیں نیز اگر "سد مارب" کی تباہی میں گھونسوں اور بلیوں کا یہ معرکہ بھی کچھ تعلق رکھتا تو قرآن واقعہ کی اس اہم کڑی کو کبھی نظر انداز نہ کرتا یا کم از کم کسی صحیح حدیث میں اس تفصیل کا تذکرہ ہوتا۔

Marfat.com

علاوہ ازیں جس ملک میں ایسے ماہر انجنیر موجود ہوں جنھوں نے مارب اور اس کے علاوہ یمن کے بہت سے حصوں میں بہترین "بند آب" اپنی فنی مہارت کی مدد سے بنائے ہوں ان کے متعلق عقل یہ کیسے باور کر سکتی ہے کہ جب ان کے علم میں یہ بات آئی ہو کہ اس "بند آب" کی بنیادیں گھونس کھوکھلا کر رہے ہیں تو بند کے استحکامات کی تمام ان حفاظتی تدابیر کو چھوڑ کر جو فنِ انجنیری اور استحکاماتِ تعمیرات کے اصول پر ضروری تھیں صرف اس طفلانہ حرکت پر اکتفا کر لیا کہ بند کے ستونوں اور پایوں کے ساتھ بلیاں باندھ دیں پھر گھونس آزاد اور بلیاں مقید یہ عجیب حفاظتی تدبیر کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہے۔

اس روایت کے برعکس قرآن عزیز کی عنیع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبا پر "سیل عرم" کا یہ عذاب اچانک آیا اور اس نے اس طرح مارب اور اطراف مارب کو تباہ کیا کہ اہل مارب کو سنبھلنے اور پیش آمدہ حالات کا صحیح اندازہ لگانے کا بھی موقع نہیں ملا۔ لہٰذا اگر چوہوں یا گھونسوں سے متعلق حکایت کو کسی درجہ میں تسلیم بھی کیا جائے تو واقعہ کی حقیقت صرف اسی قدر ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے موسم میں جب کہ یمن میں بارش بہ کثرت برستی ہے "بند آب" میں بڑے بڑے گھونسوں کی اتنی کثیر تعداد پیدا کر دی ہو جنھوں نے غیر معمولی طور پر چند ہی دنوں میں اس کو کھوکھلا کر ڈالا اور پانی کے زور نے یک لخت بند کو شکست کر کے سیلابِ عظیم بپا کر دیا۔ اور قوم سبا اس حال سے ناواقف رہی اور اچانک حادثہ نے ان کو خانماں برباد کر کے اِدھر اُدھر منتشر کر دیا اگرچہ اس تفصیل کا ثبوت بھی کسی صحیح روایت سے نہیں ملتا۔

قرآن عزیز کا سیاق اور اس کا اسلوبِ بیان ان تمام روایات یا حکایات کا بھی انکار کرتا ہے جو محمد بن اسحٰق وغیرہ اصحابِ سیر نے اس سلسلہ میں نقل کی ہیں کہ انصار اور بعض دوسرے قبائل یمن کے بعض بزرگوں کو پرانی کتابوں یا کاہنوں کے ذریعہ سے "سیل عرم" کے متعلق تفصیلی حالات معلوم ہو گئے تھے اور اس لیے وہ اس حادثہ کبریٰ کے واقع ہونے سے قبل ہی مختلف حیلوں اور بہانوں سے یمن (مارب) چھوڑ کر یثرب، شام، عراق جیسے مقامات میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ابن اسحٰق وغیرہ کی روایات کا خلاصہ یہ ہے :-

Marfat.com

عمرو بن عامر یحیی اور بعض دوسرے ابو القبائل کو پرانی کتابوں اور کاہنوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ شہر مارب پر سد کی شکست کی بدولت سخت بربادی آنے والی ہے اور اس سد کی شکست کا جب وقت آئے گا تو اول اس کی بنیادوں میں گھونس پیدا ہوں گے جو بنیادوں کو کھوکھلا کریں گے اور جب بند آب کمزور پڑ جائے گا تب برسات کے موسم میں ٹوٹ کر سینکڑوں میل تک سیلاب آ جائے گا اور مارب اور اس کے دونوں جانب میلوں تک حصۂ ملک تباہ و برباد ہو جائے گا چنانچہ سب سے اول عمرو بن عامر نے یہ دیکھا کہ چوہے یا گھونس "بند آب" کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں تب اس نے سمجھا کہ اب مارب کی بربادی کا وقت آ پہنچا اس لئے اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی قوم کو اصل حقیقت سے مطلع کئے بغیر کسی حیلہ سے ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ آباد ہو جانا چاہیئے" تا کہ آنے والی مصیبت سے محفوظ رہ سکیں اور بعض روایات میں ہے کہ عمرو کی بیوی بھی کاہنہ تھی اور اس واقعہ کی اطلاع اس نے پہلے سے ہی اپنے شوہر کو دیدی تھی لہٰذا اس نے یہ طے کر لیا کہ یہاں سے ترک وطن کر دینا چاہیئے مگر یہ ایسے طریقہ سے ہو کہ قوم کو کسی طرح علم نہ ہو سکے ورنہ تو معاملہ بگڑ جائے گا چنانچہ اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو تنہائی میں بلا کر یہ سمجھایا کہ میں ایک خاص ضرورت کے پیش نظر یہ چاہتا ہوں کہ کل جب میں مجلس میں تجھ سے کسی کام کے متعلق حکم کروں تو انکار کر دینا اس پر میں مصنوعی غصہ سے تیرے منہ پر طمانچہ ماروں گا تجھ کو بھی چاہیئے کہ ادب و احترام کو بالائے طاق رکھ کر میرے منہ پر انتقامی طمانچہ لگائے اس کے بعد میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں کر سکوں گا۔

لڑکے نے باپ کا یہ انوکھا مشورہ سنا تو بے حد پریشان ہوا اور اس نے ایسی گستاخی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن باپ کے پیہم اصرار کے بعد اس کو منظور کرنا پڑا۔ چنانچہ دوسرے روز برسر مجلس وہی صورت پیش آئی جو باپ بیٹے کے درمیان مشورہ سے طے پائی تھی۔ عمرو نے جب بیٹے کے ہاتھ سے طمانچہ کھایا تو بے حد مشتعل ہوا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اس کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اہل مجلس نے اس کے غصہ کو فرو کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے نہ مانا آخر لڑکے کے ماموں دخل انداز ہوئے اور انہوں نے عمرو کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنے بیٹے کو قتل کرے گا تو ہم تجھ کو قتل کر ڈالیں گے۔ عمرو نے یہ سن کر انتہائی

Marfat.com

غم وغصہ کے ساتھ اہلِ مجلس کو اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ جس ملک میں ایک باپ کو اپنے بیٹے کی سخت گستاخی کی سزا دینا ناممکن ہو ایسے ملک میں رہنا عبث ہے لہذا میں اپنی تمام جائداد اور عمدہ باغات کو ارزاں فروخت کر دینا چاہتا ہوں تاکہ میں ایسی جگہ سے کہیں دور جا بسوں یہ دیکھ کر لوگوں نے عمرو کی جائداد کو سستے داموں خرید لیا اور وہ مع اپنے اہل وعیال کے ترکِ وطن کر کے چلا گیا اور اسی طرح بعض دوسرے لوگ بھی حادثہ سے قبل ہی حادثہ کے خوف سے ترکِ وطن کر گئے۔

ان روایات کا اسلوبِ بیان خود بتا رہا ہے کہ یہ ایک فرضی داستان ہے جو داستان گوئی کے طرز پر بنائی گئی ہے نیز مستند تاریخی روایات سے بھی ان واقعات کی تائید نہیں ہوتی اور ان واقعات کے غیر مستند ہونے کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کا سیاق ان کے خلاف صاف طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ سبا کے قبائل اور خاندانوں کا تفرق وانتشار "سیلِ عرم" کے حادثہ کے بعد وقوع میں آیا ہے نہ کہ واقعہ سے قبل۔

پس تعجب ہے مولانا حبیب الرحمان صاحب مرحوم ومغفور جیسے دور رس عالم پر کہ انھوں نے "اشاعتِ اسلام" میں سبا اور سیلِ عرم پر مفصل ومدلل بحث کرتے ہوئے کس طرح ان داستانوں کو اہم روایات کی طرح بغیر کسی نقد وتبصرہ کے بیان فرما دیا۔

غرض یہ روایات صحیح ہوں یا غلط یہ بات واضح ہے کہ سبا اپنے غرور وتکبر عیاشانہ کاہلی و غفلت اور کفر وشرک پر اصرار سرکشی کے سبب "سیلِ عرم" کے ذریعہ اس طرح تباہ وبرباد ہوئے کہ فنِ تعمیر اور استحکاماتِ عمارات کی تمام مہارت اکارت اور رائیگاں گئی اور وہ خود کو اس عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے اور خدا کی مشیت پوری ہو کر رہی۔

دوسری سزا | مارب کے "بندِ آب" ٹوٹ جانے پر جب شہر مارب اور اس کے دونوں جانب کے علاقے سرسبز کھیتوں خوشبودار درختوں اور عمدہ میووں اور پھلوں کے شاداب باغوں سے محروم ہو گئے تو ان بستیوں کے اکثر باشندے منتشر ہو کر کچھ شام، عراق اور حجاز کی جانب چلے گئے اور کچھ یمن کے دوسرے علاقوں میں جا بسے مگر عذابِ الٰہی کی تکمیل ہنوز باقی تھی اس لئے کہ سبا نے صرف غرور

Marfat.com

سرکشی اور کفر و شرک ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں ٹھکرایا تھا بلکہ ان کو یمن سے شام تک راحت رساں آبادیوں اور کارواں سراؤں کی وجہ سے وہ سفر بھی ناپسند تھا جس میں ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سفر کی صعوبتیں کیا ہوتی ہیں اور پانی کی تکلیف اور خورونوش کی ایذا کس شئے کا نام ہے اور قدم قدم پر میلوں تک دورویہ خوشبوؤں اور پھلوں کے باغات کی وجہ سے گرمی اور تپش کی زحمت سے بھی ناآشنا تھے۔

انھوں نے ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے بنی اسرائیل کی طرح ناک بھوؤں چڑھا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ انسان سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلے تو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ حالت سفر میں ہے یا اپنے گھر میں وہ بھی کیا خوش نصیب انسان ہیں جو ہمت مردانہ کے ساتھ سفر کی ہمہ قسم کی تکالیف اٹھاتے پانی اور خورونوش کے لئے آزار سہتے اور اسباب راحت و آرام کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے لذت سفر کا ذائقہ چکھتے ہیں اے کاش ہمارا سفر بھی ایسا ہو جائے کہ ہم یہ محسوس کرنے لگیں کہ وطن سے کسی دور دراز جگہ کا سفر کرنے نکلے ہیں اور ہم دوری منزل کی تکالیف سہتے ہوئے حضر اور سفر میں امتیاز کر سکیں۔

بدبخت اور ناسپاس گذار انسانوں کی یہ ناشکری تھی جس کی تمناؤں اور آرزوؤں میں مضطرب ہو کر خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے تھے اور اس کے انجام بد سے غافل ہو چکے تھے۔

سبا نے جب اس طرح کفران نعمت کی تکمیل کر دی تو اب خدائے تعالیٰ نے بھی ان کو دوسری سزا یہ دی کہ یمن سے شام تک ان کی تمام ان آبادیوں کو ویران کر دیا جو نزدیک نزدیک مسلسل چھوٹے چھوٹے قصبوں، گاؤں، کارواں سراؤں اور تجارتی منڈیوں کی صورت میں آباد اور ان کے راحت و آرام کی کفیل تھیں اور سفر کی ہر قسم کی صعوبتوں سے ان کو محفوظ رکھتی تھیں" اور اس طرح اس پورے علاقہ میں خاک اڑنے لگی اور یمن سے شام تک نوآبادیوں کا یہ سلسلہ ویرانہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔

چنانچہ قرآن عزیز کی یہ آیات اسی حقیقت کا اعلان کرتی ہیں۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى ہم نے ان کے (ملک) اور برکت والی آبادیوں (شام)

Marfat.com

الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا قُرًی ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ (سبا)

کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں (کاروان سرائیں) مقرر کی تھیں اور کہہ دیا تھا، چلو ان آبادیوں کے درمیان دن رات بے خوف و خطر مگر انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں (منزلوں) کے درمیان دوری کر دے اور یہ (کہکر) انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے ان کو کہانی بنا دیا اور ان کو پارہ پارہ کر دیا بلاشبہ اس (واقعہ) میں عبرت کی نشانیاں ہیں صابر اور شکرگزار بندوں کے لئے

مورخین کہتے ہیں کہ سبا کے مقابلہ میں عرصہ دراز سے رومیوں کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح وہ بھی ہندستان اور افریقہ کے ساتھ عربوں کی طرح براہِ راست تجارت کر کے بیش بہا فائدہ حاصل کریں مگر عرب کسی طرح ان کو اس کا موقع نہیں دیتے تھے اور ان تجارتی سواحل پر قابض تھے۔ لیکن پہلی صدی قبل مسیح میں رومیوں نے یکے بعد دیگرے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا اور اب ان کو موقعہ ملا کہ وہ اپنے منصوبہ کو پورا کریں لیکن تجارتی مراکز کے لئے جو شاہراہ امام مبین" عربوں نے بنا رکھی تھی وہ خشکی کی تھی اور گذرنے والوں کے لئے عربوں سے واسطہ پڑنا لازمی تھا اور رومی ان پہاڑی راہوں کو عبور کرنے میں ویسے بھی دقت محسوس کرتے تھے اس لئے انھوں نے عربوں کے خوف سے محفوظ رہنے کے لئے یہ کیا کہ ہند اور افریقہ کی تجارت کے بری راستہ کو بحری راستہ میں تبدیل کر دیا اور بحر احمر میں کشتیوں کے ذریعہ تمام مال مصر اور شام کی بندرگاہ پر آتارنے لگے نتیجہ یہ نکلا کہ اس حد بد طریق تجارت نے یمن سے شام تک سبا کی تمام نو آبادیوں کو برباد کر دیا اور وہاں چند دنوں میں ہی خاک اڑنے لگی اور سبا کا یہ خاندان تتر بتر ہو گیا کسی نے شام کی راہ لی تو کسی نے عمان کی اور کسی نے عراق کا رخ کیا تو کسی نے حجاز کا اور کوئی نجد پہنچا تو کسی نے بحرین کی راہ اختیار کی اور اہل سبا کی حکومت کا شیرازہ اس طرح بکھر گیا کہ وہ حقیقتاً ایک کہانی بن کر رہ گئے اور "فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ" اور "مَزَّقْنٰهُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ" کا صحیح نقشہ آنکھوں

Marfat.com

کے سامنے آگیا۔

اگر آپ تاریخ کا بغور مطالعہ کریں گے تو یہ بات حقیقت بن کر آپ کے سامنے آجائے گی کہ "سیلِ عرِم" کا واقعہ اور طریقِ سفر کی تبدیلی کی یہ صورت کہ جس کی وجہ سے یمن سے شام تک سبا کی نو آبادیاں برباد ہو کر رہ گئیں زمانہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے زیادہ دور نہیں ہیں اور دونوں قسم کے عذاب کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہے۔

قرآن عزیز نے جب اہلِ عرب کو سبا اور "سیلِ عرِم" کا یہ واقعہ سنایا تو اس وقت یمن کا ہر متنفس اس حقیقت کا بچشمِ خود مشاہدہ کر رہا تھا اور وہ تمام خاندان بھی جو حجاز، شام، عمان، بحرین، نجد میں اس حادثہ کی بدولت پناہ گزین ہو گئے تھے اپنے آبا و اجداد کے اس مرکز کی حالتِ زار کو دیکھ اور سن رہے تھے حتیٰ کہ ہمدانی جو کہ چوتھی صدی ہجری کا سیاح مورخ ہے اپنی کتاب اکلیل میں یمن کے اس حصہ کے متعلق اپنی عینی شہادت پیش کرتا ہے کہ قرآن نے "جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ" کہہ کر جن باغوں کا ذکر کیا ہے بلاشبہ آج ان کی جگہ اس قدر کثرت سے پیلو کے درخت موجود ہیں کہ اتنی کثرت کے ساتھ اور کہیں نہیں پائے جاتے اور ان ہی درختوں کے ساتھ جھاؤ اور کہیں کہیں جنگلی بیر کے درخت بھی نظر آتے ہیں اور دیدۂ بینا اور گوشِ حق نیوش کو یہ کہہ کر سبا کی عبرت زا داستان سناتے رہتے ہیں۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

مولانا سید سلیمان نے ارض القرآن میں ابرہہ کے زمانہ کے کتبۂ عرِم کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

اس عصرِ تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابلِ شک و اشتباہ ہے خدا نے قرآن نے اپنے کلامِ معجز کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعۂ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مل گیا ہے یہ عیسائی فاتح وہی ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا لیکن

Marfat.com

آج اس دشمن کعبہ کا نگی ہاتھ کعبہ مکرمہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کے لیے بلند ہے[۱]

اس کتبہ میں ان حالات کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر ہے جو سبا کے دور میں سیلِ عرم کی وجہ سے "بندِ آب" کی شکستگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

الحاصل سبا کا یہ خاندان جو وسعتِ حکومت میں یمن (جنوبی عرب)، اطرافِ شام وحجاز کی نو آبادیوں (شمالی عرب) اور حبشہ (افریقہ) پر حکمراں تھا ۱۱۵ ق م کے پس وپیش حکومت سے بھی محروم ہو گیا اور اس کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اور حبشہ پر اکسومی (سبا) خاندان نے اور شمالی عرب میں اسمٰعیلی عربوں نے اور خود یمن میں حمیری (سبا) خاندان نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں[۲]

اس جگہ یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ "سیلِ عرم" کا سانحہ اور حادثہ سارے یمن پر پیش نہیں آیا تھا بلکہ یمن کے دار الحکومت مارب اور اس کے اطراف میں دونوں جانب سینکڑوں میل تک اس کا تباہی خیز اثر پڑا اور اس وقت صرف وہی قبائل ترکِ وطن پر مجبور ہوئے جو ان مقامات میں آباد تھے باقی ملک اور اس کے آباد باشندے یمن ہی میں مقیم رہے البتہ جب دوسرے عذاب نے رونما ہو کر پورے یمن کو اثر انداز کر لیا تب سبا کے باقی قبائل بھی منتشر ہونے پر مجبور ہوئے اور اس طرح ان کے اس مشہور خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ بات کہ "سیلِ عرم" کے حادثہ کا تمام قبائلِ یمن پر اثر نہیں پڑا تھا عرب اور غیر عرب مورخین دونوں کے یہاں مسلم ہے چنانچہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

"جب سیلِ عرم آیا تو تمام قبائل سبا یمن سے منتشر نہیں ہو گئے تھے بلکہ وہی قبائل منتشر ہوئے تھے جو مارب (دار الحکومت) میں مقیم تھے اور جن کے شہر میں مشہور "مارب کا بند" تھا اور عبداللہ بن عباس کی روایت سے جو حدیث سابق میں ذکر ہو چکی ہے اس کا منشا بھی یہی ہے کہ ان میں سے چار قبائل شام کے علاقوں میں جا بسے اور چھ قبائل یمن ہی میں مقیم رہے الخ"

---

[۱] ارض القرآن ج ا ص ۲۵۸ - ۲۵۷ [۲] تاریخ ابن کثیر ج ۲ و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (سبا)

Marfat.com

میں مقیم قبائل، مذحج۔ کندہ۔ انمار، اشعر، تھے اور انمار کی تین شاخیں بجیلہ، خثعم، بجیلہ اور حمیر یہی وہ سبائی قبائل ہیں جن میں سے سبا کے شکست و انتشار کے بعد یمن کے حکمراں ملوک اور تبابعہ پیدا ہوئے "تا آنکہ ان سے حبشہ کے بادشاہ نے یمن چھین لیا اور اس پر قابض ہو گیا اور پھر حمیری بادشاہ سیف بن ذی یزن نے دوبارہ شاہ حبشہ سے یمن کو واپس لیا اور یہ واقعہ ولادت باسعادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑے زمانہ قبل ہی پیش آیا جس کا تفصیلی ذکر ہم اپنے موقعہ پر کریں گے [1]

اور سبا کے جو قبائل و خاندان یمن سے نکل کر ادھر ادھر جا بسے تھے ان کی تفصیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

سبا کے قبائل میں سے غسانی قبائل کی ایک شاخ بصریٰ (شام) چلی گئی اور ایک شاخ خزاعہ نے یثرب جاتے ہوئے بطن مر (تہامہ) کو شاداب دیکھ کر وہیں قیام کر دیا اور اوس و خزرج (انصار) یثرب (مدینہ) میں مقیم ہو گئے اور بنی ازد کا ایک حصہ عمان میں اور ایک وادی سراۃ میں جا بسا۔ اور اسی طرح سبا کے یہ قبائل اقطاع و امصار عرب میں منتشر اور شذر و مذر پراگندہ ہو گئے [2]

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ غسان، شام و عراق میں منتشر ہو گئے اور انصار (اوس و خزرج) یثرب (مدینہ) میں جا بسے اور خزاعہ، تہامہ (مکہ) میں اور ازد عمان میں جا بسے اور آس پاس منتشر ہو کر رہنے سہنے لگے [3]

ابن کثیر یہ بھی کہتے ہیں۔

عرب میں سبا کا یہ تفرق (انتشار اس درجہ مشہور اور عبرت ناک سمجھا جاتا ہے کہ جب اہل عرب

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۱ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳۵ و تاریخ ج ۲ ص ۱۹۱ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۶

کسی قوم یا خاندان کے تفرق و انتشار کا ذکر کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں "تفرقوا ایدی سبا وتفرقوا شذر ومذر" ان کا حال سبا کا سا ہو گیا وہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئے۔[1]

چند تاریخی مباحث

(۱) کتبِ سیر میں مذکور ہے کہ "مارب کا بند" سبا بن یعرب نے بنایا تھا مگر وہ اس کو پورا نہ کر سکا اور اس کے بعد اس کے بیٹے حمیر نے اس کو مکمل کیا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کو ملکہ سبا بلقیس نے تعمیر کرایا تھا لیکن یہ دونوں باتیں حقیقت سے بہت دور محض ظن وتخمین کی پیداوار تھیں" اس لئے کہ ماہرین علم الآثار نے "سد" کے کھنڈرات سے یہ پتہ چلایا ہے کہ اس بند آب کے بنانے والوں کے نام سنگی کتبوں پر کندہ اسی بند کی شکستہ دیواروں پر موجود ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس بند کو سب سے پہلے ۸۰۰ ق م میں "یثع امر بین بن سمہعلی ینوف (مکارب سبا) نے بنانا شروع کیا تھا مگر اس کے زمانہ میں تعمیر مکمل نہ ہو سکی اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے اس کو پورا کیا یثع امر کے علاوہ جو نام ان کتبوں سے پڑھے گئے وہ یہ ہیں" سمہعلی ینوف بن ذمر علی (مکارب سبا)، کرب ایل بین بن یثع امر (مکارب سبا) ذمر علی ذرح (ملک سبا) یدع ایل وتار۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ "سد" مکارب سبا" کے زمانہ سے شروع ہو کر" ملوک سبا" کے ابتدائی دور تک طویل عرصہ میں تعمیر ہو سکی ہے۔[2]

(۲) ترمذی میں بروایت ابن عباس ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک سائل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سبا کسی ملک کا نام ہے یا کسی عورت کا یا کسی مرد کا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک مرد کا نام ہے جس کی نسل سے دس قبائل ہیں ان میں سے چار شام میں سکونت رکھتے ہیں اور چھ یمن میں۔ یمنی قبائل مذحج۔ کندہ، ازد، اشعر، انمار، حمیر ہیں اور شامی قبائل میں لخم، جذام، عاملہ، غسان ہیں ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب[3] کہا ہے اور ابن کثیر نے اس کے مختلف طرقِ روایت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۴ [2] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۹

[2] ارض القرآن ماخوذ مضمون از ازماؤ فرینج ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء [3] تفسیر ج ۳

Marfat.com

بیان کر کے بعض طرق روایت کو حسن قوی کہا ہے[۱] اور ابن عبدالبر نے انساب عرب پر بحث کرتے ہوئے
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے۔

هذا اولی ماقیل به فی ذلك	یہ روایت ان سب اقوال سے بہتر ہے جو
والله اعلم[۲]	اس سلسلہ میں کہے جاتے ہیں۔

اس روایت سے قبائل مسطورہ بالا کا قحطانی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر یہ واضح رہے کہ ان میں سے
متعدد قبائل کے متعلق علماء انساب میں سخت اختلاف ہے کہ یہ عدنانی ہیں یا قحطانی" تاہم انصار
(اوس و خزرج) کے متعلق جو بلا شبہ یمنی ازدہیں تمام علماء انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ قحطانی الاصل ہیں۔
اور بخاری کی وہ حدیث کہ جس سے مصنف ارض القرآن نے ان کو عدنانی ثابت کرنا چاہا ہے بقول علامہ
ابن حجر عسقلانی ہرگز اس کے لیئے دلیل نہیں بن سکتی جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں اور
نہ ہم کو کسی عالم نسب انصاری کا یہ قول نظر آیا کہ اس نے خود کو قحطانی الاصل تسلیم نہ کیا ہو" البتہ یہ ممکن ہے
کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدنانی اسمٰعیلی ہیں اس لئے بعض انصار نے حصول شرف ومجد کے
جذبہ میں مادری سلسلہ سے خود کو عدنانی (اسمٰعیلی) کہہ دیا ہو۔

یہ بیشک صحیح ہے کہ بعض عدنانی قبائل نے چونکہ یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی اس لیئے بعض
قحطانی اور عدنانی قبائل کے درمیان علماء انساب میں اختلاف نظر آتا ہے اور قضاعہ کے عدنانی سے
قحطانی بن جانے کا عجیب قصہ تو ابن عبدالبر اور خود شعراء عرب نے بیان کیا ہے کہ کس طرح انھوں نے
اپنے بھانجہ خالد بن یزید بن معاویہ کے اس مناقشہ میں جو اس کے اور بنو امیہ کے درمیان پیش آگیا تھا خالد
کے کہنے سے اول خود کو یمنی قبائل کا حلیف بنایا اور پھر یمنی الاصل (قحطانی الاصل) ہونے کے مدعی بن گئے[۳]

(۴) قرآن حکیم نے سورہ سبا میں سبا کی مذہبی حالت پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ سبا کے طبقہ اولیٰ کی ہر دو شاخوں کا مذہب یا آفتاب پرستی (ستارہ پرستی) رہا ہے اور یا سچی یہودیت

---

[۱] الانباہ ص ۱۰۴ [۲] ایضاً ص ۱۰۶ [۳] ایضاً ص ۶۰-۵۹

Marfat.com

(دینِ موسوی) اور طبقۂ ثانیہ کی ہر دو شاخوں میں یا صنم پرستی قومی مذہب رہا ہے اور یا عیسائی (یہودیت) بھی کبھی کبھی ان میں نظر آجاتی ہے، قرآن نے اصحاب اخدود کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے اس لیے کہ ذونواس حمیری (یہودی) یمن ہی کا بادشاہ تھا۔

(۴) اہلِ عرب اس کے قائل ہیں کہ تمام قبائل عرب بلا استثناء صرف دو شخصوں کی نسل سے ہیں عدنان اور قحطان مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ توراۃ اور تاریخ ان دو سلسلوں کے علاوہ بعض دوسرے سلسلے بھی بیان کرتی ہے بلکہ بعض صحیح روایات میں بنی جرہم کا بھی ذکر موجود ہے جو ان دونوں (قحطانی) اور عدنانی سلسلوں سے الگ تیسرا سلسلہ ہے پھر علماء انساب کے پاس کون سی دلیل ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں ان دو سلسلوں کے سوا سب معدوم ہو گئے اور تمام قبائل عرب ان دو ہی سلسلوں میں منحصر ہو گئے ہیں ؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ضعیف روایت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عمرو بن میمون اور محمد بن کعب قرظی سے بروایت قوی منقول ہے کہ جب وہ اس آیت کو تلاوت فرماتے "وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ" اور وہ لوگ جو ان (قوموں) کے بعد ہیں ان کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا" تو ارشاد فرمایا کرتے تھے "کذب النسابون" نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں" یعنی انھوں نے بیچ میں بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔

ابن عبدالبر معرفت علم انساب کو مفید علم ثابت کرتے ہوئے اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان حضرات کا یہ جملہ قریش کے نسب کے لیے مخصوص ہو اور ان کا مطلب یہ ہو کہ اس سلسلہ میں عدنان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان جو کڑیاں ہیں وہ تحقیقی نہیں ہیں اور اس میں نسابین کا جھوٹ شامل ہے مگر ہمارے نزدیک اس جملہ کا ٹھیک مطلب یہ ہے کہ اہل نسب کا یہ دعویٰ کہ وہ بنی آدم کے سلسلہ انساب کے ماہر اور محقق ہیں اور کوئی سلسلہ ہماری نگاہِ تحقیق سے نہیں چھپا صحیح نہیں ہے اور وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں "لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ" اللہ کے سوا کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے (انتہی)۔ [1]

[1] القصد والامم لابن عبدالبر ص ۱۹

Marfat.com

ہم ابن عبدالبر کی اس توجیہ کی حرف بہ حرف تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب قبائل میں ایسے سلسلے موجود ہیں جو عدنانی اور قحطانی سے الگ ہیں اور اکثر علماء انساب ان میں تمیز کرنے سے قاصر رہے ہیں جیسا کہ ہم ابن کثیر کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔

چند تفسیری مباحث

(۱) مفسرین کو "عَرِم" کے معنی میں بحث ہے اور وہ چند معنی بیان کرتے ہیں:- "گہرا پانی" "وادی" "سیلابِ عظیم" "بندِ آب" شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہٗ نے "سیلابِ عظیم" مراد لیا ہے فرماتے ہیں "پس بھیجی ہم نے ان پر ندی زور کی" اور مصنف ارض القرآن فرماتے ہیں کہ "جس کو عربِ حجاز "سد" کہتے ہیں اسی کو عربِ یمن "عرم" کہتے ہیں" ہمارے نزدیک زیادہ صحیح اور موقع کے مناسب یہی معنی ہیں اور جب کہ لغتِ عرب میں "عرمہ" کے معنی "بندِ آب" کے آتے ہیں تو دوسرے معانی کی جانب توجہ غیر ضروری ہے "العرمۃ" "سدٌّ یعترض بہ الوادی"[1] اس معنی کے دلچسپ اور مناسبِ حال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح قرآنِ عزیز میں "بندِ آب" کا ذکر ثابت ہو جاتا ہے اور دوسرے معانی اگر مراد لیے جائیں تو ان سے صرف یہ لازم آتا ہے کہ کوئی بند آب ہو گا جس کو سیلاب بہا کر لے گیا بند آب کا ذکر صراحۃً ثابت نہیں ہوتا۔

کسی خطۂ زمین میں باغوں کا ہونا گو خوش عیشی کی دلیل ہے لیکن گذشتہ تفاصیل سے یمن کے طبعی خواص اور پھر بندِ آب کے عجیب و غریب طرزِ تعمیر نے سینکڑوں میل تک مارب کے داہنے بائیں مسلسل پھلوں، پھولوں اور میووں کے بے شمار باغات نے جو صورتِ حال پیدا کر دی تھی اس کے متعلق غیر مسلم مورخوں کی شہادتیں بھی یہ بتا رہی ہیں کہ مارب اور یمن کا یہ علاقہ دنیا میں فردوس نظیر بن گیا تھا اور ان کے ملک کی یہ صورتِ حال خدائے تعالیٰ کے خصوصی کرم کی رہینِ منت تھی اسی لئے قرآنِ عزیز نے اس کو خدا کی نشانی کہا ہے "لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ"۔

(۲) ان آیات میں ہے "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ" شہر ہے پاک اور پروردگار ہے بخشنے والا" اور اس کے بعد ہے "فَأَعْرَضُوا" پس انھوں نے خدا سے روگردانی کی" ان دونوں

[1] الانباہ ص ۴۹

Marfat.com

جملوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبا پہلے مسلمان تھے اور احکامِ الٰہی کے مطیع و فرماں بردار مگر آہستہ آہستہ انھوں نے نافرمانی اور کفر اختیار کر لیا جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے" ذٰلِکَ جَزَیْنٰہُمْ بِمَا کَفَرُوْا" تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اور کفر کے یہ دو زمانے ان پر کب طاری ہوئے تاکہ ان آیات کی تفسیر واقعاتِ تاریخی کی روشنی میں کی جاسکے۔

اس سوال کا حل یہ ہے کہ سورۂ سبا سے قبل سورۂ نمل میں قرآنِ عزیز نے ملکۂ سبا اور سلیمان کے واقعات میں یہ بیان کیا ہے کہ ملکۂ سبا اور اس کی قوم پہلے آفتاب پرست اور مشرک تھی حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی دعوت و ارشاد پر اس نے اسلام قبول کر لیا اور تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اپنی زندگی میں سریر آرائے سلطنت رہی اور تمام قوم اس کی مطیع و فرماں بردار تھی پس جو اصحابِ بصیرت اس زمانہ کی قوموں کے مذاہب کی تاریخ سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد ملکہ کا سلطنت پر قائم رہنا اس کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ ملکہ کے ساتھ اس کی قوم بھی ایمان لے آئی تھی۔

آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نامہائے مبارک کے" ان جملوں کو پڑھیے جو آپ نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں بھیجے ہیں" فان تولیت فعلیك اثم الیریسیین" "فان تولیت فعلیك اثم القبط" "فان تولیت فعلیك اثم المجوس" اے شاہانِ روم و ایران و مصر اگر تم نے خدا کی دعوتِ حق کا انکار کر دیا تو تمہاری رعایا کی گمراہی کا وبال بھی تمہاری گردن پر ہوگا یہ آپ نے کیوں ارشاد فرمایا صرف اس لئے کہ قدیم شخصی حکومتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان کی حکومتوں میں جو مذہب بادشاہ کا ہوتا تھا وہی پوری قوم کا مذہب بن جاتا تھا اور بعض اقوام میں تو بادشاہ "خدا کا مظہر" سمجھا جاتا تھا لہذا کسی بات کو اس کا قبول کر لینا گویا رعایا کے لئے خدا کے حکم کے برابر تھا۔

بہرحال ۹۵۰ ق م میں سبا نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا اور صدیوں تک انھوں نے اس امانتِ الٰہی کو سینہ سے لگائے رکھا لیکن گزشتہ ذہ...

Marfat.com

طرح جب انھوں نے اس سے روگردانی شروع کی اور دوبارہ شرک اختیار کیا تب خدا کے پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں آکر ان کو رشد و ہدایت کی جانب متوجہ کیا۔ غالبًا یہ انبیاء بنی اسرائیل ہیں جو بذاتِ خود یا اپنے نائبوں کے ذریعہ ان کو ہدایت کی جانب بلاتے رہے ہیں مگر انھوں نے عیش و عشرت، دولت و ثروت اور حکومت و شوکت کے نشہ میں کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ بنی اسرائیل کی طرح خدا کی نعمتوں کو ٹھکرانے لگے تب حضرت عیسیٰؑ سے ایک صدی پہلے خدا کی جانب سے سیل عرم اور آبادیوں کی تباہی کا عذاب آیا اور اس نے سبا کے خاندان کو پارہ پارہ کر دیا۔

ایک یونانی مورخ تھیوفرستیس جو حضرت عیسیٰؑ سے تقریبًا تین سو بارہ برس پہلے اور سبا کا معاصر تھا لکھتا ہے۔

"یہ ملک سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی بڑی حفاظت کرتے ہیں ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں لایا جاتا ہے جو اس ملک میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے" ؎1

اور علمائے اسلام میں سے ماہرین علم الآثار نے دوسری یا تیسری صدی ہجری میں یمن کے ایک کتبہ میں پڑھا تھا۔

هذا ما بنی شمر یرعش لسیدة الشمس ؎2 — یہ شمر یرعش بادشاہ نے سورج دیبی کے لئے بنایا ہے

(۴) سورۂ سبا کی ان ہی آیات میں ہے "وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا"، مفسرین نے ان برکت والی بستیوں کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے صحیح قول یہ ہے کہ اس سے شام کی بستیاں مراد ہیں اس لئے کہ قرآن نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ ان ہی بستیوں پر صادق آتا ہے جن کا تعلق یمن سے شام تک تجارتی شاہراہ سے تھا مجاہد، حسن، قتادہ، سعید بن جبیر، ابن زید (رحمہم اللہ) وغیرہ یہی تفسیر کرتے ہیں۔

یعنی قری الشام یعنون انهم — برکت والی بستیوں سے شام کی بستیاں مراد ہیں یعنی

؎1 ارض القرآن ج ۲ ص ۱۶۳، ماخوذ از ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچیز ج ۱ ص ۵ ؎2 تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۱۱۰ کلکتہ

Marfat.com

كانوا يسيرون من اليمن الى الشام في قرى ظاهرة متواصلة[1]	وہ یمن سے شام تک امن و اطمینان کے ساتھ ان بستیوں میں ہو کر گزرتے ہیں جو اسی غرض سے قریب قریب بنائی گئی ہیں کہ ان کا سفر آسان اور خوش گوار رہے)

اور ابن کثیر قری ظاہرۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اى بينة واضحة يعرفها المسافرون ويقيلون فى واحدة ويبيتون فى اخرى[1]	یعنی ایسی بستیاں جو مسافروں (تاجروں اور سیاحوں کے لئے ہی قریب قریب بنائی گئی تھیں اور جنکو وہ اچھی طرح پہچانتے تھے کہ ایک بستی میں دوپہر آرام سے گزاری تو شب باشی کے لئے دوسری بستی میں پہونچ گئے۔

(۵) مفسرین رحمہم اللہ، جب سبا کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں تو "سیل عرم" اور "قری ظاہرۃ" یعنی یمن سے شام تک پھیلی ہوئی سبا کی نو آبادیات کی بربادی دونوں ہی کا تذکرہ کرتے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ تاریخ کے اس پہلو پر نہیں ہے جو رومیوں کے تجارتی راہ بدل دینے سے سبا کو پیش آیا اور خود سبا کی اس مانگ پر "رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" خدا نے ان کو اس حالت میں بدل دیا کہ وہ تلاش معاش کے لئے دیگر قبائل عرب کی طرح سفر کے مصائب جھیلیں پھریں اور ان کو عبرت کی کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا۔ مگر ہم گذشتہ سطور میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ چونکہ بری تجارتی شاہراہ سے بحری راہ کی وہ تبدیلی کہ جس کے نتیجہ میں سبا کی نو آبادیاں بہت جلد برباد ہو گئیں اور سبا کا یہ خاندانِ حکومت پارہ پارہ ہو گیا تقریباً اس ہی زمانہ میں پیش آیا جو زمانہ "سیل عرم" کا تھا خواہ تبدیلیِ راہ کی داغ بیل اس سے بہت پہلے یونانیوں کے ہاتھوں پڑی ہو۔ پس مفسرین اگرچہ "قری ظاہرۃ" کی بربادی میں تجارتی راہ کی تبدیلی کا تذکرہ نہیں کرتے مگر وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ "سیل عرم" اور یمن سے شام تک کی سبائی آبادیوں کی بربادی دو جدا

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳۳ [2] ارض القرآن ج ۱ ص ۲۷۴

معاملے ہیں، یہ نہیں ہے کہ بند آب کے ٹوٹ جانے سے یہ تمام نو آبادیاں بھی برباد ہو گئی تھیں جیساکہ ہم ابن کثیر سے سابق میں نقل کر چکے ہیں کہ سیلِ عرم کے بعد بھی مارب کے علاوہ یمن کے دوسرے حصوں میں قبائلِ یمن آباد تھے۔ لہٰذا قرآن کا فیصلہ مفسرین کے علی الرغم نہیں ہے جیساکہ مصنف ارض القرآن نے سمجھا ہے۔

نتائج و عبر (۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں موعظت و نصیحت کے چار طریقے بیان فرمائے ہیں۔ (الف) "تذکیر بالآء اللہ" یعنی خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جن نعمتوں کی ارزانی فرمائی ہے ان کو یاد کرکے خدا کے احکام کی پیروی کی جانب متوجہ کرنا سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ	پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے مت پھرو۔

(ب) "تذکیر بایام اللہ" یعنی ان گذشتہ قوموں کے حالات بیان کرکے نصیحت و عبرت دلانا جنھوں نے یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و انقیاد کی وجہ سے کامرانی اور فلاحِ دارین حاصل کی اور یا سرکشی و طغیان کی انتہا پر پہنچ کر ہلاکت و تباہی مول لی اور عذابِ الٰہی کی مستوجب قرار پائیں یا بالفاظِ دیگر قوموں کے عروج و زوال کو پیش کرکے سامانِ عبرت مہیا کرنا۔ سورۂ ابراہیم میں ہے۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ	اور اے پیغمبر ان کو نصیحت کیجئے قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ یاد دلا کر۔

(ج) "تذکیر بآیات اللہ" یعنی مظاہر قدرت کی جانب توجہ دلا کر خالقِ کائنات کی ہستی اور اس کی وحدت کا اعتراف کرانا اور تصدیقِ حق کے لئے اپنی نشانیوں (معجزات آیاتِ قرآنی) کے ذریعہ چشمِ بصیرت وا کرنا۔ سورۂ یوسف میں ارشاد ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ	اور زمین اور آسمان میں خدا کے بہت سے نشانات ہیں کہ جن پر وہ بے توجہی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور پرواہ بھی نہیں کرتے۔

Marfat.com

(د) "تذکیر بما بعد الموت" یعنی برزخ اور قیامت کے حالات سنا کر عبرت دلانا سورۂ ق میں ہے

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ۔ — پس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو اس شخص کو جو خدا کی وعید یعنی بعد الموت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

پس قوم سبا کا یہ واقعہ "تذکیر بایام اللہ" سے تعلق رکھتا ہے اور ہم کو یہ عبرت دلاتا ہے کہ جب کوئی قوم عیش و راحت اور ثروت و طاقت کے گھمنڈ میں آ کر نافرمانی اور سرکشی پہ آمادہ ہو جاتی ہے تو اول خدائے تعالیٰ اس کو مہلت دیتا اور اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے اپنی حجت کو آخری حد تک پورا کرتا ہے پس اگر وہ اس پر بھی قبولِ حق کی دشمن رہتی اور بغاوت و سرکشی کے اس اعلیٰ معیار پہ پہنچ جاتی ہے کہ اس کو خدا کی نعمتیں اور عطا کردہ راحتیں بھی ناگوار گذرنے لگتی ہیں اور وہ ان کو ٹھکرانے لگتی ہے تو پھر قانونِ گرفت اپنا فولادی پنجہ آگے بڑھاتا اور ایسی بدبخت قوم کو پارہ پارہ کر دیتا اور ہلاکت و بربادی کے چرخ پہ اتار دیتا ہے اور ان کا سارا کروفر دنیا کے سامنے صرف ایک کہانی بن کر رہ جاتا ہے

"سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝"

(أَعَاذَنَا اللهُ مِنْ ذٰلِكَ)

Marfat.com

اصحاب الاخدود (یا) قوم تُبَّع

۵۲۵ء

اخدود، اصحاب اخدود اور قرآن حکیم، واقعہ کی تفصیلات، تنقید و تبصرہ، تُبّع عرب کی دو حکایتیں، چند تفسیری نکات بصائر و عِبَر

اخدود: "خد یا اخدود" کے معنی گڑھے، کھائی اور خندق کے ہیں یہ مفرد ہے اور اس کی جمع "اخادید" آتی ہے، چونکہ زیر بحث واقعہ میں کافر بادشاہ اور اس کے امراء و اعیان سلطنت نے خندقیں اور گڑھے کھدواکر اور ان کے اندر آگ دہکا کر عیسائی مومنوں کو ان میں ڈال کر زندہ جلادیا تھا اس نسبت سے ان کافروں کو "اصحابِ اخدود" کہا جاتا ہے۔

اصحاب اخدود اور قرآن حکیم: اصحابِ اخدود کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں سورۂ بروج میں کیا گیا ہے اور اجمال و اختصار کے ساتھ صرف اسی قدر پر اکتفا کیا گیا ہے جو رشد و ہدایت کے لئے باعثِ موعظت و بصیرت ہے۔

وہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک مقام پر حق و باطل کا معرکہ پیش آیا۔ ایک جانب خدا کے مومن بندے تھے جن کے پاس اگرچہ مادی قوت و طاقت نہیں تھی اور وہ اس لحاظ سے ضعیف و کمزور تھے مگر ایمان اور حق و صداقت کی قوت اور خدا کے نام پر ایثار و فداکاری کی طاقت کے مالک تھے، دوسری جانب ایمان باللہ اور قبولِ حق سے محرومی تھی مگر مادی شوکت و صولت اور قاہرانہ طاقت کی فراوانی تھی ان حالات میں کافر و مشرک طاقت نے مومنوں کی ایمانی قوت اور قبولِ حق کی طاقت کو دعوتِ مبارزت دی کہ یا وہ ایمان باللہ کو ترک کر کے شرک و کفر

Marfat.com

پر واپس آجائیں ورنہ دنیا سے فنا ہو جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مومنینِ صادقین نے اس دعوتِ مبارزت (چیلنج) کو ایمانی جرأت کے ساتھ قبول کیا اور ایمان باللہ کی روشنی سے نکل کر شرک و کفر کی تاریکی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔

یہ دیکھ کر کافر جماعت کی جانب سے حاکمانہ طاقت اور قاہرانہ جبروت کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں خندقیں کھودی جا رہی ہیں خندقوں کے اندر آگ دہک رہی ہے شعلے بھڑک رہے ہیں اور زمین کا اکثر حصہ کرۂ نار بنا ہوا ہے اب مومن جماعت کے غیور اور فداکار انسان کشاں کشاں لائے جا رہے ہیں وہ جگہ جگہ خندقوں کے دہانوں پر کھڑے کر دیئے گئے ہیں اور کفر و شرک اپنی مادی قوت کے بل پر کہہ رہا ہے کہ یا مجھ کو قبول کرو ورنہ بھڑکتی ہوئی آگ اور دہکتے ہوئے گڑھوں کی نذر کر دیئے جاؤ گے یہ سن کر مومن جماعت کہتی ہے جہنم کی آگ کے مقابلہ میں تمہارا آگ کا یہ عذاب ایک کھیل ہے اس لئے ایمان باللہ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں بخوشی اس کو قبول کرتا ہے مگر شرک و کفر کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا کفر و شرک کی طاقت یہ سن کر لاجواب ہو جاتی مگر غیظ و غضب میں آکر فداکارانِ توحید کو زندہ نذر آتش کر دیتی ہے اور اس طرح حق کو فتح و کامرانی اور باطل کو شکست و ناکامی ہو جاتی ہے کیونکہ جو دنیا والوں کی نظر میں خندقوں کے اندر دہکتی آگ میں جلا دیئے گئے وہ جلے اور مرے نہیں بلکہ زندۂ جاوید بن کر ابدی جنت اور سرمدی بہشت سے نوازے گئے اور جو اپنی دنیوی طاقت کے گھمنڈ پر نکوکار انسانوں پر بجھ جانے اور فنا ہو جانے والی آگ دہکا رہے تھے وہ ابدی اور دائمی آگ "جہنم" کے مستحق قرار پائے انھوں نے دنیا میں آگ کی بھٹی روشن کی اور مومنین صادقین کو اس کا ایندھن بنایا خدائے تعالیٰ نے عالم آخرت میں ایک ہولناک بھٹی (جہنم) روشن کر رکھی ہے جس کا ایندھن کافر و مشرک ہوں گے جابر و ظالم ہوں گے ان کی بھٹی کو بہ عجلت یا بہ دیر بجھ جانا ہے فنا ہو جانا ہے۔ لیکن خدا کی دہکائی ہوئی بھٹی کو خلود اور ہمیشگی حاصل ہے وہ نہ بجھے گی اور نہ فنا ہو گی۔ کفر و شرک نے دنیا کی طاقت پر گھمنڈ کیا مگر اس کا نتیجہ "عذاب الحریق" اور عذابِ جہنم" ہے اور ایمان باللہ نے خدا کی طاقت پر بھروسہ کیا تو اس کا نتیجہ

Marfat.com

"الفوز الکبیر" اور "جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کی صورت میں ظاہر ہوا۔

غرض سورۂ بروج میں یہ واقعہ معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ اس طرح مذکور ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ	قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس
الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ قُتِلَ	کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس
اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ	دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، مارے گئے
الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ	کھائیاں کھودنے والے آگ ہے بہت ایندھن والی
عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝	جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے مسلمانوں
وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا	کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان سے
بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ	بدلہ نہیں لیتے تھے مگر صرف اس بات کا کہ وہ یقین
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ	لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں کا مستحق ہے
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ	جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے
فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ	سامنے ہے ہر چیز بیشک جو ایمان سے بچلائے ایمان
يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ	والے مردوں کو اور عورتوں کو پھر توبہ نہ کرے تو ان کے لئے
وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ	اس ہے دوزخ کا اور ان کے لئے عذاب ہے آگ میں جلنے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	کا۔ جو لوگ یقین لائے (اللہ پر) اور انھوں نے
لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	بھلائیاں کیں ان کے لئے جنتیں ہیں باغ جن کے نیچے بہتی
الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝	ہیں نہریں، یہ ہے بہت بڑی کامیابی

واقعہ کی تفصیلات | مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں مگر ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں ایک کا ذکر امام احمدؒ نے مسند میں امام مسلم نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے سنن میں کیا ہے وہ یہ کہ حضرت صہیب رومی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گذشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا

Marfat.com

تھا اس کے دربار میں ایک جادوگر تھا جب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تو ایک روز اس نے بادشاہ سے کہا میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور موت کا وقت قریب ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ ایک فہیم وزیرک لڑکا میرے حوالہ کر دیں تاکہ میں اس کو اپنا یہ فن (سحر) سکھا کر اپنی زندگی ہی میں کامل کر دوں چنانچہ بادشاہ نے ایک لڑکے کو اس کے سپرد کر دیا اور اس نے ساحر سے سحر کی تعلیم شروع کر دی۔ بادشاہ کے محل اور ساحر کے مکان کے درمیان ایک راہب[1] کی کٹی تھی ایک مرتبہ لڑکا اس راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور اس کے طریقوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور اس کے پاس آنے جانے لگا۔ یہاں دیر ہونے لگی۔ تو ساحر اور بادشاہ مقررہ آمد و رفت میں تاخیر کرنے پر برافروختہ ہوئے لڑکے نے راہب سے اسکی شکایت کی۔ راہب نے کہا کہ اس معاملہ کے مخفی رکھنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جب بادشاہ بازپرس کرے تو یہ عذر کر دینا کہ ساحر کے یہاں تاخیر ہو گئی اور جب ساحر ناراض ہو تو یہ کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہو گئی۔

غرض یہ سلسلہ عرصہ تک یوں ہی جاری رہا کہ ایک مرتبہ لڑکے نے دیکھا کہ راہ میں بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے سامنے سے گذر جائے لڑکے نے سوچا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین، یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا "خدایا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے تو اس جانور کو ہلاک کر دے" یہ کہہ کر اس نے جانور کو پتھر مارا پتھر کا لگنا تھا کہ وہ وہیں ہلاک ہو گیا لڑکا چل دیا اور راہب سے جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ راہب نے کہا صاحبزادے تم مجھ پر فضیلت لے گئے مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے دیکھو وہ وقت آئے تو میرا ذکر نہ کرنا۔ لوگوں نے لڑکے کی اس جرأت کو دیکھ کر چرچا کیا اور کہنے لگے کہ اس کو عجیب و غریب علم آتا ہے یہ سن کر اس کے پاس اندھے اور جذامی آنے لگے

[1] حق پرست عیسائی عابد

Marfat.com

اور انھوں نے کہا کہ اپنے علم کے زور سے ہم کو اچھا کر اور وہ خدا کے فضل سے اچھا کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری مصاحب نابینا ہو گیا تھا اس نے جو لڑکے کا چرچا سنا تو تحفے تحائف کا بہت بڑا سامان لے کر اس کے پاس آیا اور تحفے پیش کرتے ہوئے بینا کر دینے کی درخواست کی۔ لڑکے نے جواب دیا میں کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شافیٔ مطلق تو خدائے واحد ہے پس اگر تو ایمان لے آئے اور اس واحد و یکتا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری سفارش کے لئے دعا کروں گا۔ درباری یہ سن کر خدائے واحد پہ ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی اور وہ بینا ہو گیا۔ اگلے دن جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے نابینا کو بینا پایا، تب بادشاہ نے سوال کیا کہ اپنے بینا ہونے کی حقیقت بیان کر۔ اس نے جواب دیا "میرے رب نے مجھ کو شفا بخش دی" بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں میں نے تجھ کو اچھا کر دیا؟ درباری نے جواب میں کہا نہیں تیرے اور میرے اور کل جہان کے پروردگار نے اچھا کر دیا؛ بادشاہ نے (غصہ میں آ کر) کہا "کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے" درباری نے کہا جی ہاں۔ اللہ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے" تب بادشاہ نے اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا آخر اس نے لڑکے کا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا "بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ سے اندھوں کو بینا اور مبروص اور جذامی کو شفا دیتا ہے" لڑکے نے کہا مجھ میں یہ طاقت کہاں؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے شفاء دینے سے شفایاب ہوتے ہیں" بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا اور کوئی رب ہے؟" لڑکے نے کہا وہ خدا جو واحد و یکتا ہے تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اس کو عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا آخر اس نے راہب سے متعلق تمام واقعہ کہہ سنایا تب بادشاہ نے راہب کو بلایا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ دین حق سے پھر جائے مگر راہب کسی طرح اس کو قبول نہیں کیا تب بادشاہ نے اس کے سر پہ آرہ چلوا دیا اور اس طرح اس کو شہید کر ڈالا۔ اب لڑکے سے کہا کہ تو راہب کے دین سے پھر جا لڑکے نے بھی صاف انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دو کہ پاش پاش ہو جائے جب سرکاری آدمی لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے

Marfat.com

نے دعا کی "الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جا" چنانچہ اسی وقت پہاڑ زلزلہ میں آ گیا اور سرکاری آدمی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا بادشاہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے لڑکے نے کہا خدا نے ان کے مقابلہ میں میری مدد کی تب بادشاہ نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور دریا میں لے جا کر غرق کر دو سرکاری آدمی جب اس کو دریا کے بیچ میں لے کر پہنچے تو لڑکے نے پھر وہی دعا کی "خدایا ان سے مجھ کو نجات دے" فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور وہ سب غرق ہو گئے اور لڑکا پھر بچ گیا اور صحیح و تندرست بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور لڑکے نے وہی پھر جواب دیا اور اس مرتبہ وہ کہنے لگا "بادشاہ اس طرح تو ہرگز مجھ پر کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ جو ترکیب میں بتاؤں اگر اس کو اختیار کرے تو بیشک تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے" بادشاہ نے لڑکے سے وہ ترکیب دریافت کی لڑکے نے کہا "تو شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جائیں تو اس وقت مجھ کو درخت پر سولی دینا اور میرے ترکش سے تیر لے کر اور یہ پڑھ کر میرے سینہ پر مارنا" بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ "اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے" تب میں مر سکتا ہوں" بادشاہ نے لڑکے کے قول پر عمل کیا اور جب تمام شہر جمع ہو گیا تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر اور لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھ کر اس کے تیر مارا اور لڑکا تیر کھا کر جان بحق ہو گیا مخلوق نے یہ دیکھا تو سب نے ایک دم باواز بلند نعرہ لگایا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ، اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ "ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے" اور سب مسلمان ہو گئے درباری کہنے لگے" بادشاہ جس بات کا تجھ کو خوف تھا آخر وہی ہو کر رہی اور یہ تمام رعایا مسلمان ہو گئی بادشاہ یہ دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے ہر ایک محلہ اور گلی کوچہ میں خندقیں کھود و اور ان میں خوب آگ دہکاؤ اور پھر ہر محلہ کے لوگوں کو جمع کرو اور ان سے کہو کہ وہ اس دین سے باز آ جائیں جو باز آ جائے اس کو چھوڑ دو اور جو انکار کرتا جائے اس کو دہکتی آگ میں ڈالتے جاؤ۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے تھے اور دین حق سے باز نہ رہنے کا اصرار کرتے اور دہکتی آگ میں بخوشی ڈالے جاتے تھے اور اس جانگسل اور ہولناک نظارہ کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین

کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا عورت بچہ کی محبت میں جھجکی فوراً بچہ نے کہا" ماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں ۔[۱]

اور دوسرا واقعہ صاحب سیرۃ محمد بن اسحاق نے بہ سلسلہ سند محمد بن کعب سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شام اور حجاز کے درمیان جو بستی نجران کے نام سے مشہور ہے اس کے باشندے بت پرست اور مشرک تھے اور ان کے قریب کی آبادی میں ایک ساحر رہتا اور وہ نجران کے لڑکوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد نجران اور ساحر کی بستی کے درمیان ایک راہب آکر خیمہ زن ہوا وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس کا نام فیمون تھا نجران کے جو لڑکے ساحر سے سحر کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان میں ایک لڑکا عبداللہ بن تامر بھی تھا ایک روز عبداللہ راہب کے خیمہ میں چلا گیا۔ راہب نماز میں مشغول تھا، عبداللہ کو راہب کی نماز اور طریق عبادت بہت پسند آیا اور وہ اس کے پاس آنے جانے لگا اور اس سے اس کے دین کو سیکھنا شروع کر دیا اور ایمان لے آیا اور راہب سے سچی مسیحیت کی تعلیم حاصل کر کے آہستہ آہستہ عالم دین بن گیا۔ اب اس نے راہب سے یہ اصرار کیا کہ مجھ کو اسم اعظم کے متعلق کچھ بتائیے مگر راہب یہ کہہ کر ٹالتا رہا کہ برادر زادہ مجھے یہ خوف ہے کہ تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا کیونکہ میں تجھ کو کمزور پاتا ہوں، لڑکا خاموش ہو گیا۔ یہاں تو یہ سلسلہ جاری تھا اور ادھر عبداللہ کا باپ تامر یہ سمجھتا رہا کہ میرا لڑکا ساحر سے سحر سیکھ رہا ہے۔ کچھ دن خاموش رہ کر لڑکے سے صبر نہ ہو سکا اور اس نے یقین کر لیا کہ راہب بخل کر رہا ہے اور بتانا نہیں چاہتا، یہ سوچ کر اس نے تیروں کا مٹھا لیا اور ہر ایک تیر پر خدا کا ایک ایک نام لکھا اور پھر آگ روشن کی اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا، تیر آہستہ آہستہ آگ کی نذر ہوتے رہے اور جلتے رہے مگر ایک تیر جب آگ میں پہنچا تو فوراً اچھل کر دور جا گرا لڑکا سمجھ گیا کہ اس تیر پر اسم ذات کندہ

---

[۱] مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد

یہی اسم اعظم ہے اور اسکے بعد راہب کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ راہب نے سنا تو عبداللہ کو نصیحت کی کہ اس کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھنا۔

عبداللہ نے اس کو دینِ حق کی تبلیغ کا ذریعہ بنالیا وہ جس کسی کو مریض پاتا تو اس سے یہ کہتا کہ اگر تو خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور مومن بن جائے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ تجھ کو تندرست کردے اور جب وہ شخص سچے دل سے ایمان لے آتا تو یہ دعا کرتا اور مریض چنگا ہو جاتا۔ شدہ شدہ یہ بات نجران کے بادشاہ تک پہنچی اس نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تو نے میری مملکت میں فساد مچایا اور میرے اور میرے باپ دادا کے دین کی مخالفت شروع کردی اس لئے اب تیری سزا یہ ہے کہ تجھ کو قتل کر دیا جائے۔

لڑکا کہنے لگا " بادشاہ! میرا قتل تیری قدرت سے باہر ہے بادشاہ نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادو، سرکاری آدمیوں نے اس کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیا مگر قدرت الٰہی نے اس کو صحیح سالم رکھا اور وہ بادشاہ کے پاس واپس آگیا اب بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو دریا میں لے جاکر غرق کردو، لیکن وہ دریا میں پھینک دئے جانے کے باوجود غرق نہ ہوا اور اس کو مطلق کوئی گزند نہیں پہنچا تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو واقعی مجھ کو قتل کردینا چاہتا ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تو خدائے واحد کا نام لے کر مجھ پر حملہ کر تو میں مارا جاسکتا ہوں، بادشاہ نے خدائے واحد کا نام لے کر لڑکے پر حملہ کیا تو لڑکا جاں بحق ہو گیا مگر ساتھ ہی عذابِ الٰہی نے بادشاہ کو بھی اسی جگہ ہلاک کردیا۔

اہلِ شہر نے جب لڑکے اور بادشاہ کے درمیان جنگ کا یہ نظارہ دیکھا تو وہ سب صدقِ دل سے خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور مشرف باسلام ہو گئے اور انھوں نے سچائی کے ساتھ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور انجیل کے احکام کی پیروی کو اپنا دین بنالیا چنانچہ نجران میں نصرانیت کے حقیقی اور سچے دین کی بنیاد اسی واقعہ سے پڑی۔

نجران میں عیسائیت کی ترویج اور لڑکے اور راہب کے واقعہ کا تذکرہ یہودی المذہب شاہ

Marfat.com

یمن ذونواس تک بھی پہنچا اس نے سنا تو سخت اشتعال میں آگیا اور لشکر جرار لے کر نجران پہنچا اور تمام شہر میں منادی کرادی کہ کوئی شخص عیسائیت پر قائم نہیں رہ سکتا یا تو وہ یہودیت قبول کرے ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے اہل نجران کے قلب میں عیسائیت اس درجہ گھر کرچکی تھی کہ انھوں نے مرجانا قبول کیا مگر عیسائیت سے منہ نہ موڑا۔ ذونواس نے یہ دیکھا تو غیظ و غضب میں آگیا اور حکم دیا کہ شہر کی گلیوں اور شاہراہوں میں خندقیں اور کھائیاں کھودی جائیں اور ان میں آگ دہکائی جائے جب لشکریوں نے تعمیل کردی تو اس نے شہریوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ جو شخص یہودیت قبول کرنے سے انکار کرتا جائے مرد ہو یا عورت یا بچہ اس کو زندہ آگ میں ڈال دو چنانچہ اس حکم کے مطابق بیس ہزار کے قریب مظلوم انسانوں کو جام شہادت پینا پڑا۔

یہی وہ واقعہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بروج میں کیا ہے "قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ"

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابن اسحٰق کہتا ہے کہ ذونواس یمن کا مشہور بادشاہ ہے اس کا اصل نام زرعہ تھا مگر سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد یوسف ذونواس کے نام سے شہرت پائی اس کے باپ کا نام تبان اسعد تھا اور ابوکرب کنیت رکھتا تھا یمن کے ان بادشاہوں کا لقب "تبع" تھا اس لئے کتب تاریخ میں یہ خاندان تبابعہ یمن کہلاتا ہے۔ ابوکریب وہ پہلا "تبع" ہے جس نے بت پرستی چھوڑ کر یہودیت کو قبول کر لیا تھا اس نے مدینہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا مگر بنی قریظہ کے دو یہودی علماء کی تلقین پر سچے دین موسوی کو قبول کر کے مدینہ سے واپس چلا آیا اور پھر مکہ معظمہ پہونچ کر کعبہ پر غلاف چڑھایا اور وہ دونوں یہودی علماء کو یمن ساتھ لے آیا انھوں نے یمن میں یہودیت کی تبلیغ کی اور آہستہ آہستہ اہل یمن نے یہودیت قبول کر لی۔

الحاصل ذونواس نے ایک دن میں نجران کے بیس ہزار حق پرست انسانوں کو شہید کر دیا مگر ان میں سے ایک شخص دوس ذو ثعلبان کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگا اور شام میں مقیم قیصر روم کے دربار میں پہونچ کر نجران کے حادثہ کی ہوش ربا داستان کہہ سنائی اور احتجاج کیا۔ قیصر نے فوراً

Marfat.com

حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" کو لکھا کہ وہ یمن پر حملہ کرکے ذو نواس سے اس ظلم کا انتقام لے۔ نجاشی نے اس پر چڑھائی کردی اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کو شکست دے کر تمام یمن پر قبضہ کرلیا ذو نواس نے دریا کے راستہ فرار ہونے کی کوشش کی مگر غرق ہوگیا اور اسطرح تقریباً ستر سال تک یمن نصاریٰ کے زیر حکومت رہا۔ اسکے بعد حمیری خاندان کے ایک رئیس سیف بن ذی یزن نے کوشش کی کہ اپنے خاندان کے زیر نگین ملک پر دوبارہ قبضہ کرے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کسریٰ فارس سے مدد طلب کی کسریٰ نے حکم دیا کہ مملکت میں جس قدر بھی قیدی ہیں ان کو رہا کرکے اور ان کی فوج بنا کر سیف بن ذی یزن کی مدد کی جائے اور سیف نے سات سو ایرانی اور باقی اپنی فوج کی مدد سے یمن پر حملہ کیا اور نصاریٰ کے ہاتھ سے یمن کو آزاد کرالیا۔[1]

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نجران کا بادشاہ بت پرست تھا۔ پس اگر عیسائی راہب کے ذریعہ نجران میں عیسائیت پھیل گئی تو ذو نواس کو جو کہ یہودی المذہب تھا اس درجہ طیش کیوں آیا؟ اس کا جواب یورپین مورخین یہ دیتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس وقت سیاسی اور تجارتی صورت حال ایسی بن گئی تھی کہ رومی (عیسائی) اور حبشی ایک فریق تھا اور حمیری (یہودی) اور ایرانی دوسرا فریق تھا اور دونوں میں زبردست رقابت قائم تھی اس لئے ذو نواس نجران میں عیسائیت کو برداشت نہ کرسکا۔

ہم اس میں اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ تاریخ اس بات کو بھی ثابت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے واقعۂ صلیب کے اس نظریہ کی بنا پر جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے یہاں مسلمہ ہے اس درجہ آپس میں عداوت اور بغض بڑھ گیا تھا کہ دونوں فریق بت پرستوں کی ترقی کو برداشت کرسکتے تھے لیکن ایک دوسرے کی مذہبی ترقی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی اور اس کا مظاہرہ اس درجہ نمایاں تھا کہ جب کبھی یہود کو موقعہ ملا ہے تو انھوں نے عیسائیوں پر محض مذہب کے نام پر سخت سے سخت مظالم روا رکھے ہیں اور حکومت کے دباؤ سے زبردستی ان کو یہودی بنانے کی کوشش کی ہے اور جب کبھی عیسائیوں کو موقعہ ہاتھ آیا ہے تو انھوں نے یہودیوں پر اسی طرح کے مظالم سے گریز

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۵ - ۴۹۴ و البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۳۱ - ۱۳۰

Marfat.com

نہیں کیا پس نجران کا واقعہ ایسے زمانہ میں پیش آیا جب کہ مسطورہ بالا سیاسی اور تجارتی رقابت کی موجودگی میں رومی تاجر سواحل یمن تک پہونچتے اور مالِ تجارت کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کو بھی جاری رکھتے تھے آہستہ آہستہ نتیجہ یہ نکلا کہ "نجران" جو ساحلِ یمن پر واقع تھا رومی تاجروں کا تجارتی اور تبلیغی مرکز بن گیا۔ حمیری بادشاہ یہ دیکھتے تھے اور سخت برہم ہوتے تھے مگر صاف طور سے ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ نہیں آتا تھا کہ حسبِ اتفاق راہب اور لڑکے کا یہ واقعہ پیش آگیا اور ذونواس نے جب یہ دیکھا کہ بات ریاست وتجارت سے گذر کر مذہب تک پہنچ گئی تو یہودیت کے روایتی تعصب نے قابو سے باہر کر دیا اور پھر جو کچھ پیش آیا گذشتہ سطور میں آپ اس کا مطالعہ کر چکے ہیں

ان دو واقعات کے علاوہ مشہور محدث ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ربیع فرماتے ہیں کہ اصحاب اخدود کے متعلق ہم نے سنا ہے کہ "فترۃ" کے زمانہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان زمانہ) میں خدائے تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک جماعت نے جب یہ دیکھا کہ زمانہ بہت ہی خراب ہو چلا ہے اور فتنوں اور شرارتوں کا زور بڑھتا جا رہا ہے اور دینِ حق گروہ بندیوں کی نذر ہو کر ہر شخص کی ذاتی رائے کے تابع بن گیا ہے تو انھوں نے باہم مشورہ کر کے عام آبادیوں سے بہت دور ایک چھوٹی سی بستی آباد کر لی اور اس میں سچی عیسائیت کے مطابق عبادت وصداقت کی زندگی بسر کرنے لگے مگر ان کا یہ معاملہ پوشیدہ نہ رہ سکا اور شدہ شدہ اس زمانہ کے بت پرست بادشاہ تک پہنچ گیا اس نے آکر بستی کا محاصرہ کر لیا اور ان کو توحیدِ الٰہی کے خلاف بت پرستی پر مجبور کرنے لگا لیکن ان حق پرستوں پر اس کی سختیوں کا مطلق اثر نہ ہوا اور انھوں نے شرک وبت پرستی سے صاف انکار کر دیا۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر خندقیں کھدوانے اور ان میں آگ دہکانے کا حکم دیا اور پھر جو شخص بت پرستی سے انکار کرتا جاتا تھا اس کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ حق پرست گروہ کے بزرگ پروانہ وار آگ میں کودجاتے تھے اور اپنے بچوں اور نوجوانوں کو تسلی دیتے جاتے تھے کہ آج کا دن خوف کھانے کا دن نہیں ہے یہ آگ ہمارے لئے جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کا پیش خیمہ ہے چنانچہ تمام حق پرستوں نے حق

Marfat.com

پر نثار ہو جانا قبول کیا مگر شرک و بت پرستی پر آمادگی ظاہر نہ کی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان پر اپنا یہ فضل فرمایا کہ جب وہ آگ میں ڈالے جاتے تو آگ تک پہونچنے اور اس کی تکلیف سہنے سے قبل ہی ان کی روح قبض کر لی جاتی تھی، مگر خندق اور کھائیوں کی آگ اس درجہ بھڑک رہی تھی کہ ان نکوکار انسانوں کو کھا لینے کے بعد بھی نہ بجھی اور بے قابو ہو کر کچھ اس طرح پھیلتی گئی کہ بت پرست ظالم بادشاہ اور اس کے تمام لشکری سب کے سب اس کے اندر گھر گئے اور جل کر وہیں خاک سیاہ ہو گئے قرآن عزیز کی یہ آیات "قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ" اسی واقعہ کا تذکرہ کر رہی ہیں [1]

اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ یہ واقعہ فارس میں پیش آیا، جب فارس کے بادشاہ نے دینِ حق چھوڑ کر باطل پرستی اختیار کر لی اور اپنے محارم (ماں بہن، بیٹی وغیرہ) سے نکاح کرنا جائز قرار دے لیا تو ان کے بعض علماء نے جو ابھی تک دینِ حق پر قائم تھے بادشاہ کو اس بات سے منع کیا بادشاہ نے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے غضب ناک ہو کر یہ حکم کیا کہ کھائیاں کھدوائی جائیں اور جو شخص نکاح محارم کو باطل کہے اس کو کھائی میں جھونک کر زندہ جلا دیا جائے چنانچہ اہلِ حق کی جماعت نذرِ آتش کر دی گئی اور پارسیوں میں آج تک نکاح محارم کو جائز سمجھا جا رہا ہے

انتقاد ان روایات کے مفہوم اور مقصد پر اگر نظر کی جائے اور تفصیلات و جزئیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو سب کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ گذشتہ زمانہ میں مشرک یا یہودی بادشاہ نے ایک حق پرست اور توحیدِ الٰہی سے سرشار جماعت کو بت پرستی یا باطل پرستی پر مجبور کیا اور جب انھوں نے اس کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا اور ایمان باللہ اور حق پرستی کو ترک کر دینے سے انکار کر دیا تو ظالم و جابر بادشاہ نے ان کو آگ میں جھونک کر زندہ جلا دیا مگر نتیجہ کے اعتبار سے حق جماعت کے حصہ میں ابدی کامرانی اور سرمدی فوز و فلاح آئی اور ظالم و باطل کوش جماعت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۳ [2] ایضاً

دنیا میں بھی خائب و خاسر ہوئی اور آخرت میں ابدی جہنم پائی۔

نیز اگر اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ نزولِ آیات و سوَر میں اصل شئے مفہوم و مراد ہے اور شانِ نزول کو ثانوی اور تاریخی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ (نور اللہ مرقدہ) نے الفوز الکبیر میں تصریح فرمائی ہے تو پھر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ باختلاف زمانہ اس چرخِ نیلی فام کے نیچے ایسے واقعات متعدد پیش آ چکے ہیں جن کا ذکر مسطورہ بالا روایات میں کیا گیا ہے چنانچہ یہ بھی ایک مستقل واقعہ ہے جس کو مسلم نے صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں نقل کیا ہے اور وہ بھی جس کو محمد بن اسحاق نے سیرۃ میں بیان کیا اور وہ بھی جس کو ابن کثیر نے بروایت حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نقل کیا ہے بلکہ ابن کثیر نے بحیثیت ایک مورخ کے یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اس نوعیت کے واقعات متعدد پیش آ چکے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد يحتمل ان ذلك قد وقع في العالم كثيرا كما قال ابن ابي حاتم كانت الاخدود في اليمن زمان تبع وفي القسطنطينية زمان قسطنطين وفي العراق في ارض بابل بخت نصر الذي صنع الصنم وامر الناس ان يسجدوا له [1]	اور یہ ممکن ہے کہ ایسے واقعات عالم میں بہت ہو گذرے ہوں مثلاً ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ اخدود کا معاملہ ایک تو یمن میں تبع کے زمانہ میں پیش آیا اور دوسرا قسطنطین کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں اور تیسرا عراق (بابل) میں بخت نصر کے زمانہ میں پیش آیا جس نے ایک بت بنا رکھا تھا اور وہ لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ اس کو سجدہ کریں اور جو سجدہ نہ کرتا اس کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔
وعن مقاتل قال كانت الاخدود ثلاثة واحدة بنجران باليمن والاخرى بالشام والا(خرى)	اور مقاتل فرماتے ہیں "کہ اخدود" تین واقعے ہیں ایک یمن (عرب) کے شہر نجران میں پیش آیا دوسرا شام میں اور تیسرا فارس میں ان واقعات میں مظلوموں کو

۱ و ۲ تفسیر ابن کثیر ج ۴ سورۂ بروج

Marfat.com

بفارس احرقوا بالنار واما التی	دہکتی آگ میں ڈالا گیا تھا اور شام کا واقعہ انطنانوس
بالشام فھو انطناتوس الرومی	رومی کے ہاتھوں پیش آیا اور فارس کا بخت نصر
واما الذی بفارس فھو بخت	(بنوکدنذر) کے ہاتھوں اور نجران کا واقعہ یوسف
نصر واما التی بارض العرب	ذونواس کے ہاتھوں پیش آیا لیکن فارس اور شام
(نجران) فھو یوسف ذونواس	کے واقعات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے
فاما التی بفارس والشام فلم	البتہ نجران میں جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر قرآن
ینزل اللّٰہ تعالیٰ فیھم قرآنا	میں کیا گیا ہے ۔
وانزل فی التی کانت بنجران[1]	

بہر حال اگرچہ مسطورہ بالا روایات بلکہ ان کے علاوہ اسی قسم کے اور واقعات اپنے مفہوم و مراد اور مقصد کے لحاظ سے سب ہی سورۂ بروج کی آیات زیر بحث کا مصداق بن سکتے ہیں لیکن تاریخی اعتبار سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن عزیز نے خصوصیت کے ساتھ کس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ سورۂ بروج ۔ شام و فارس کے واقعات میں شام کے واقعہ سے تو غالباً قسطنطین کا واقعہ مراد ہے وہ یہ کہ جب قسطنطین بانی قسطنطنیہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دینِ حق کی بجائے مروجہ مسیحیت کو اپنا دین بنایا اور توحید کی جگہ تثلیث کو عقیدہ کی بنیاد قرار دیا اور صخرہ بیت المقدس سے منحرف کر مشرق کو قبلہ بنایا اور تمام قلمرو میں منادی کر دی کہ باپ دادا کا دین چھوڑ کر دین مسیحی اختیار کرو اور جو انکار کرے اس کو دہکتی آگ میں جھونک دو۔ اوائل چھٹی صدی عیسوی میں ہزاروں انسان دہکتی آگ میں جھونک دیئے گئے اور فارس کے واقعہ سے متعلق ابن کثیر نے ایک اسرائیلی روایت جو کہ دانیال نبی کے صحیفے میں بھی مذکور ہے بیان کی ہے کہ عراق (بابل) میں بخت نصر نے سونے کا ایک بت بنوایا تھا اور تمام رعایا سے اس کو سجدہ کراتا تھا سب نے سجدہ کیا لیکن دانیال (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء نے سجدہ سے انکار کر دیا تب بخت نصر نے خندق میں آگ دہکا کر اس میں ان سب کو دھکیل دیا مگر وہ ان پر بردوسلام ہو گئی اور کوئی آنچ نہ آئی اور جن لوگوں نے آگ کی بھٹی میں ان کو دھکیلا وہ جل کر خاک ہو گئے ۔

Marfat.com

تو مشہور تابعی مقاتل کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ نجران اور ذونواس سے تعلق رکھتا ہے اور یہی قول صحیح ہے اور یہ اس لئے کہ مسلم اور مسند کی روایت کے تو کسی ایک جملہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو سورۂ بروج کی آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے اس روایت کو کتاب التفسیر میں نقل نہیں فرمایا، البتہ ترمذی نے ایک "حسن غریب روایت" میں ضرور اس واقعہ کو دوسرے واقعہ سے مربوط اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یہ سورۂ بروج کی زیر بحث آیات کی تفسیر ہے لیکن ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی کی حدیث سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے بلکہ یہ قوی احتمال ہے کہ یہ واقعہ راوی حدیث حضرت صہیب رومی کا اپنی جانب سے بیان کردہ ہو کیونکہ وہ اہلِ کتاب کے قصص و واقعات کے بہت بڑے عالم تھے۔ ترمذی کی حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لبِ مبارک کو اس طرح حرکت دی گویا کچھ بات فرمانا چاہتے ہیں مگر بیان نہ فرمائی تب کسی نے عرض کیا کہ آپ کچھ ارشاد فرمانا چاہتے تھے مگر فرمایا نہیں، لبوں کو حرکت دے کر رہ گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی اپنی امت کا حال دیکھ کر ازراہ فخر کہنے لگے کہ ایسی امت کس نبی کی ہوگی؟ کون اس کے مقابلہ میں اپنی امت پیش کر سکے گا اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ انداز پسند نہ آیا اور ان پر وحی نازل ہوئی کہ دو باتوں میں سے ایک بات قبول کر دیا امت پر مصیبت کا نزول ہو یا ان پر دشمن کا تسلط ہو، خدا کے نبی نے دشمن کے تسلط پر مصیبت کے نزول کو ترجیح دی چنانچہ ستر ستر ہزار کے قریب موت کی آغوش میں سلا دیے گئے (اس کے بعد روایت کے الفاظ یہ ہیں) وکان اذا حدث بھذا الحدیث حدث بھذا الحدیث الاخر اور جب وہ اس واقعہ کو بیان کیا کرتے تھے تو اس کے ساتھ ایک اور واقعہ سنایا کرتے تھے (یہ دوسرا واقعہ وہی ہے جو مسلم میں مذکور ہے)

Marfat.com

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں۔

وھذا السیاق لیس فیہ صراحۃ ان سیاق ھذہ القصۃ من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شیخنا الحافظ ابو الحجاج المزی فیحتمل ان یکون من کلام صھیب الرومی فانہ کان عندہ من اخبار النصاری [1]

اور روایت کا یہ طرق بیان ہرگز اس کی صراحت نہیں کرتا کہ اس دوسرے واقعہ کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کیا گیا ہمارے استاد ابو الحجاج مزی فرماتے ہیں اس بیان میں یہ احتمال ہے کہ یہ واقعہ صہیب رومی کی جانب سے ہو اس لئے کہ وہ نصاریٰ کے قصص وواقعات کے عالم تھے

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اصحاب اخدود" کے متعلق کتب تفسیر وسیر میں تین روایات مذکور ہیں ایک روایت اوپر بیان ہو چکی دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ یمن میں پیش آیا ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ یہ حبشہ کا واقعہ ہے مگر ان تینوں روایات میں سے کسی ایک روایت کے متعلق بھی ان سے یہ بصراحت مذکور نہیں کہ وہ ان میں سے کسی واقعہ کو تاریخی حیثیت سے ان آیات کی تفسیر سمجھتے ہیں۔

پس جب کہ مسلم کی روایت اس مسئلہ میں خاموش ہے اور ترمذی کی روایت سے بھی اس کے متعلق کوئی بات صاف ثابت نہیں ہوتی اور حضرت علی کی روایات بطور توسع اور مفہوم ومقصد کے پیش نظر تو آیات کا مصداق بنتی ہیں لیکن تاریخی حیثیت سے شان نزول پر دلالت نہیں کرتیں تو اس صورت حالات میں مقاتل کی صراحت اپنے اندر قوت رجحان رکھتی ہے چنانچہ اہل تحقیق کا رجحان اسی جانب ہے کہ قرآن میں مذکور واقعہ ذونواس سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۴

Marfat.com

وما ذکرہ ابن اسحاق یقتضی ان قصتھم کانت فی زمان الفترۃ التی بین عیسیٰ و محمد علیھما من اللّٰہ السلام وھو اشبہ [1]

اور ابن اسحاق نے جو واقعہ نقل کیا ہے اس کا اقتضا یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ (فترۃ) کا ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

وقد تقدم فی قصۃ اصحاب الاخدود ان ذونواس وکان اٰخر ملوک حمیر وکان مشرکا و ھو الذی قتل اصحاب الاخدود وکانوا نصاریٰ وکانوا قریبا من عشرین الفا [2]

اور اصحاب اخدود کے واقعہ میں گذر چکا ہے کہ ذونواس ہی وہ بادشاہ تھا جس نے تقریبًا بیس ہزار سچے عیسائیو کو خندقوں میں ڈال کر مار ڈالا تھا یہ بادشاہ مشرک تھا اور شاہان حمیر میں سے آخری بادشاہ تھا

اور شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہٗ) کا رجحان بھی اسی جانب ہے لیکن یہ دونوں بزرگ ذونواس کو مشرک کہتے ہیں مگر تاریخی سند سے ثابت ہو چکا ہے کہ ذونواس اپنے باپ کے دین یہودیت ہی پر قائم تھا۔

علاوہ ازیں قیاس بھی یہ چاہتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ واقعہ نجران اور ذونواس سے ہی تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ اس سلسلہ میں بیان کردہ واقعات میں سے یہ واقعہ زمانہ کے لحاظ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ملکی اعتبار سے بھی خود عرب کے اندر کا واقعہ ہے اس لئے نزول قرآن کے وقت اہلِ عرب اس واقعہ سے ضرور آگاہ ہوں گے لہٰذا حق و باطل کے مختلف معرکوں میں سے موعظت و عبرت کے لئے قرآن نے اس واقعہ کو بیان کر دیا اور اس کے علاوہ

---

[1] ایضًا ص ۴۹۵ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۴۹ سورۂ الفیل

Marfat.com

دوسرے واقعات یا تو بہت ہی قدیم زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یا عرب کے باہر دوسرے ملکوں سے علاقہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس کے مقابلہ میں قابل ترجیح نہیں ہو سکتے۔ ۵

تبع "سیل عرم" کی بحث میں اگرچہ سبا کے ضمن میں "تبع اور تبابعہ" کا تفصیلی ذکر آ چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ یمن کے حمیری بادشاہوں میں سے ان کا لقب رہا ہے جنھوں نے تقریباً ڈھائی سو سال تک یمن کے مغربی حصہ کو دارالسلطنت قرار دے کر عرب، شام، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی جدید تحقیق کے اصول پر حمیر حمرۃ (سرخی) سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابلہ میں سودانی۔ سواد (سیاہی) سے بنایا گیا ہے، چونکہ اہل عرب یعنی حمیری، حبشیوں کو سیاہ فام ہونے کی وجہ سے "سودانی" کہتے تھے اس کے جواب میں حبشی ان کو احمر (سرخ)

---

۵ محقق عصر حضرت استاذ علامہ انور شاہ (نور اللہ مرقدہٗ) ارشاد فرماتے تھے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آیت کا شانِ نزول تاریخی حیثیت سے متعین ہوتا ہے پھر بھی آیت کے مفہوم و مراد کے لحاظ سے اس میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ اس قسم کی دوسری جزئیات کو خود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کا شان نزول فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ اسکی بہترین مثال سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ (الآیہ) باتفاق جمہور مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن ایک مرتبہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "مسجدی ہذا" اس آیت کا مصداق میری یہ مسجد (مسجد نبوی) ہے چنانچہ تمام محدثین کے نزدیک آپکے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جن اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے چونکہ اس کا مصداق مسجد قبا سے بھی زیادہ مسجد نبوی بنتی ہے اس لئے یہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کو شانِ نزول بنایا جائے۔

لیکن آپکے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تاریخی حیثیت سے آیت کا شانِ نزول مسجد قبا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ مسجد نبوی سے رکھتا ہے پس اگر مسئلہ زیر بحث میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ترمذی کی روایات میں مذکورہ واقعہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سورۂ بروج کی آیات کا شانِ نزول فرمایا ہے تو نقل و عقل سے پیدا شدہ قرائن و دلائل اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشادِ مبارک مصداق کے توسیع کے پیش نظر ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ تاریخی بنا پر ترمذی میں مذکورہ واقعہ ہی آیات کا شانِ نزول ہے

Marfat.com

کہتے تھے۔ یہی لفظ آگے چل کر "حمیر" بن گیا اور لفظ "تبع" اصلاً حبشی لفظ ہے یا سامی الاصل ہے؟ اس کے متعلق عرب مورخین کی رائے یہ ہے کہ یہ عربی (سامی) لفظ ہے اور تبع سے بمعنی متبوع (سردار) بنا لیا گیا ہے اور جدید اہلِ تحقیق یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ حبشی الاصل ہے اور بمعنی قاہر و غالب آتا ہے یعنی عربی میں "سلطان" اور حبشی زبان میں تبع مرادف ہے۔

قرآنِ عزیز نے بھی تبع کا ذکر دو مقامات سورۂ ق اور سورۂ دخان میں کیا ہے سورۂ دخان میں مختصر طور پر ان کی مادی قوت و طاقت کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ جب خدا کی نافرمانی کر کے وہ ہلاکت سے نہ بچے تو قریش جو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں وہ سرکشی کر کے کیسے بچ سکتے ہیں اور سورۂ ق میں صرف مجرم قوموں کی فہرست میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ (دخان)	(یہ (قریش) بہتر (قوی و طاقت ور) ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے پہلے گذر گئیں ہم نے ان کو اس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ مجرم تھیں۔
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ (الآیہ) ق	ان مشرکین (مکہ) سے پہلے نوح کی قوم نے اصحاب الرس نے ثمود، عاد، فرعون، اخوانِ لوط اور اصحاب الایکہ اور قومِ تبع نے (خدا کے پیغمبروں کو) جھٹلایا ہے۔

عرب کی دو حکایتیں

ابن کثیر نے مشہور محدث ابوبکر بن ابی الدنیا کے واسطہ سے بروایت محمد بن جعفر بن ابی طالب یہ حکایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بعض اہلِ علم سے سنا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جب اصفہان فتح کر لیا اور شہر میں فاتحانہ داخل ہو گئے تو شہر پناہ کا ملاحظہ کیا، دیکھا تو ایک جانب میں دیوار شکستہ ہے انھوں نے حکم دیا کہ دیوار کا یہ حصہ درست کر دیا جائے لیکن جب دیوار کو درست کر دیا گیا تو وہ ٹھہر نہ سکی اور یک لخت بیٹھ گئی۔ چنانچہ دو بارہ مرمت کی گئی مگر وہ پھر منہدم ہو گئی تب بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ اس مقام پر کسی مردِ صالح کی قبر معلوم ہوتی ہے یہ سوچ کر جب بنیاد کو کھدوا دیا گیا

Marfat.com

تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا مدفون ہے اور اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور تلوار پر عبارت کندہ ہے جس کا حاصل یہ ہے "میں حارث بن مضاض ہوں جس نے اصحاب اخدود سے انتقام لیا" حضرت ابو موسیٰ نے اس کو وہاں سے نکال کر قبرستان میں دفن کرا دیا اور دیوار کی تعمیر کرا دی جو صحیح و سالم رہی[1]

حارث بن مضاض عرب کے خاندان جرہم کا ایک بادشاہ تھا جس نے نابت بن اسمٰعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے مکہ کی حکومت لے کر حکمرانی کی تھی اور یہ تقریباً حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) سے پانچ سو سال بعد کا زمانہ ہے اس اعتبار سے اصحاب اخدود کا واقعہ بہت قدیم زمانہ سے متعلق ہو جاتا ہے مگر یہ روایت سِیَر کی روایات میں سے ہے اور اس کی سند منقطع ہے اس لئے اس کی حیثیت حکایت اور کہانی سے زیادہ نہیں ہے علاوہ ازیں اگر یہ واقعہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ان مختلف واقعات میں سے ایک واقعہ ہو جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر وہ آیات بروج کے مصداق میں داخل ہیں۔

اسی طرز کی ایک حکایت مشہور محدث محمد بن ابو بکر بن حزم نے بغیر سند کے بیان کی ہے کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں نجران کا ایک شخص زمین کھود رہا تھا۔ دیکھا تو ایک جگہ ایک قبر ہے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک نعش کو اس طرح بیٹھے ہوئے پایا کہ وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے ہے۔ جب لوگوں نے اس کے ہاتھ کو سر سے ہٹایا تو اس سے خون بہنے لگا جب ہاتھ کو اسی طرح رکھ دیا تو خون بند ہو گیا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک انگشتری تھی اور اس کے نگینہ پر یہ عبارت کندہ تھی "ربی اللہ" اس واقعہ کی خبر فوراً حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو دی گئی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس شخص کو اس کی حالت پر رہنے دیا جائے اور اسی جگہ دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس زمانہ میں لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ نعش عبداللہ بن تامر کی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴

نجران میں چونکہ راہب اور عبد اللہ بن نامر کا واقعہ پیش آچکا تھا اس لئے کوئی محل تعجب نہیں کہ اس قسم کی حکایات وہاں مشہور رہی ہوں اور عیسائیوں نے اپنی برتری کے لئے ان کو خوب آب و رنگ دیا ہو۔

چند تفسیری نکات

"وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ" قرآن عزیز کی ان آیات میں "واو" بمعنی قسم ہے اور ان آیات کے علاوہ قرآن کی متعدد سورتوں میں مختلف اشیاء کی قسم کا تذکرہ موجود ہے عام طور پر ان مقامات کی تفسیر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح ہم آپس میں قسمیں کھاتے ہیں یا ایسی چیز کی قسم کھاتے ہیں جو ہمارے لئے بہت زیادہ عزت و عظمت کے لائق ہو مثلاً باپ، استاد، پیر، پیغمبر اور خدا کی قسم اور یا ایسی شے کی قسم کھائی جاتی ہو جو ہماری نگاہ میں بہت زیادہ محبوب ہو مثلاً اولاد کی یا محبوب کی قسم اسی طرح خدائے تعالیٰ نے بھی قرآن میں قسمیں کھائی ہیں اور یہ سمجھ کر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو قسم کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ قسم تو صرف اس لئے کھائی جاتی ہے کہ مخاطب کو اگر ہماری بات میں کوئی شبہ ہو تو ہم جس چیز کی عزت کرتے یا اسے بہت زیادہ محبوب سمجھتے ہیں اس کی عزت و محبت کو واسطہ بنا کر اپنی صداقت کا یقین دلائیں پس جب کہ خدائے برتر کی ذات سے نہ کوئی برتر ہے اور نہ وہ اپنی صداقت کی تائید کے لئے کسی محبوب سے محبوب تر شے کا محتاج تو پھر ان اقسام القرآن کا کیا مطلب ہے۔

نیز جو شخص خدائے تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ تو خود اس کا قائل ہے کہ اس ذات واحد سے زیادہ کوئی سچا نہیں ہے "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا" اور العیاذ باللہ جو شخص خدا کو نہیں مانتا اس کے لئے یہ سب قسمیں بیکار ہیں۔ لہذا قرآن عزیز میں مذکورہ اقسام کے کیا معنی؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن عزیز کے ان مقامات میں واو قسم یا لفظ قسم سے متعارف قسم سمجھنا اور جن اشیاء کو واو قسم یا لفظ قسم کے بعد بیان کیا گیا ہے ان سے یہ مراد لینا" کہ جس طرح عام طور پر ہم باپ یا بیٹے کی یا اپنے سے معظم و محترم یا پیاری شے کی قسم کھاتے ہیں اسی طرح خدا نے بھی قسمیں کھائی ہیں قطعاً غلط اور عربی زبان کے محاورات سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور یہ اس لئے کہ عربی محاورات میں ان مواقع پر بھی واو قسم کا استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی شے کو بطور تائید کلام کے یا بطور شہادت واستشہاد کے پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کلام میں ایسی بات کہی گئی ہے جس کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ وہ

Marfat.com

بات جس کے لئے گفتگو شروع کی گئی ہے دل نشین ہو جائے اس صورت میں الواو للقسم بمعنی الواو للتاکید" ہو جاتی ہے اسی طرح اگر متکلم کی جانب سے کوئی ایسی بات کہی گئی ہے جس کا سمجھنا مخاطب کے لئے اس وقت تک مشکل ہے جب تک اس بات سے متعلق ایسے شواہد پیش کیے جائیں جو اس بات کو دلنشین بنا سکیں تو ایسے موقعہ پر واو قسم کے ساتھ ایسے امور کو بیان کیا جاتا ہے جو اس مضمون کو تہ قلب میں آتارنے کے لئے مدد دے سکیں جس کے لئے متکلم مخاطب سے کلام کر رہا ہے اور ایسے موقعہ استعمال الواو للقسم کے معنی" الواو للشہادۃ" کے ہو جاتے ہیں چنانچہ جن مقامات پر واو قسم کو" تاکید" یا" شہادت" کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ان مقامات میں جن چیزوں کو واو یا لفظ قسم کے بعد بیان کیا گیا ہے ان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ متکلم کے لئے بزرگ و محترم یا محبوب ہی ہوں بلکہ دنیا و ما فیہا کی جو شے بھی متکلم کے مقصد" تاکید مضمون" یا" شہادت و استشہاد کیلئے مفید اور موقعہ کے مناسب حال ہو اس کا بیان کیا جانا ضروری ہے۔

پس قرآن عزیز میں جن جن مقامات پر واو قسم" یا لفظ قسم" سے کلام کی ابتدا کی گئی ہے ان تمام مقامات میں قسم سے متعارف معنی (حلف) مراد لینا قطعاً غلط اور باطل ہیں بلکہ عربی محاورہ زبان کے مطابق ان میں سے اکثر مقامات میں واو بمعنی شہادت ہو اور بعض مقامات میں بمعنی تاکید ہے مثلاً" سورہ والتین" میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ہست و بود میں انسان کو سب سے بہتر مخلوق بنایا ہے مگر ان انسانوں کے علاوہ جو ایمان باللہ اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی انسانیت کے امتیاز کو باقی رکھتے ہیں جن انسانوں نے عقل و شعور کے خصوصی امتیازات کے باوجود اپنے خالق اور پروردگار سے سرکشی کی وہ ذلت و رسوائی کے اسفل سافلین میں پھینکدیے گئے لیکن یہ دونوں باتیں سطحی نظر میں دل لگتی نہیں تھیں اس لئے کہ کائنات عالم میں انسان سے زیادہ قوی و طاقت ور اور وسیع و عریض مخلوق موجود ہیں جیسے شمس و قمر کواکب و سیارات اور ارض و سماوات نیز انسان عالم کی ہر شے کا کسی نہ کسی درجہ میں محتاج ہے اور عالم کی کوئی شے اس کی محتاج نظر نہیں آتی لہٰذا یہ کس طرح باور کیا جائے کہ ایک ضعیف البنیان اور ہر شے کی

Marfat.com

محتاج مخلوق اپنی خلقت کے اعتبار سے کل کائنات سے بہتر ہوا اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر احسن تقویم کے اعزاز سے معزز ہونے کے بعد اسفل سافلین میں گرا دیئے جانے کے کیا معنی اس ادق مضمون کو سمجھانے اور فہم و ادراک کے قریب لانے کے لئے قرآن نے اول تین واقعات کو بطور شہادت کے پیش کیا اور پھر اصل مضمون کو واضح کیا اس نے کہا: وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ "کسی شئے کے" احسن تقویم" پر ہونے کا معیار اس کی جسمانی طاقت یا عرض و طول کی فراوانی اور احتیاج سے استغنا نہیں ہے بلکہ عقل و شعور ادراکات و جذبات کا وجود اس کے لیے صحیح معیار ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ اپنے اندر ودیعت شدہ متضاد قوتوں کا توازن صحیح رکھ کر تمام کائنات سے ممتاز و معزز نظر آئے اور یہ وصف صرف انسان ہی کے اندر تخلیق کیا گیا ہے اور دوسری اشیاء عالم اس سے یکسر محروم ہیں اور ان ہی اوصاف کی بدولت وہ بدی اور گمراہی سے محفوظ رہتا اور نیکی اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو کر اپنے خالق کی معرفت حاصل کرتا اور ابدی و سرمدی نجات و فلاح پاتا ہے بلکہ عالم کی راہ نمائی اور کائنات الہٰی میں خدا کے پیغامات حق کی پیغمبری کا عظیم الشان اعزاز بھی اسی کے لئے مخصوص ہے۔

تم اگر تاریخ ماضی کے اوراق کا مطالعہ کرو گے تو تم پر بآسانی اس کی صداقت ظاہر ہو جائیگی مثلاً شام (بیت المقدس) کا وہ مقام جہاں بکثرت انجیر و زیتون کے درخت اور باغات پائے جاتے ہیں اس بات کے لئے شہادت دے رہا ہے کہ اس جگہ خدا کا وہ سچا ہادی پیدا ہوا جس کا نام عیسٰی بن مریم ہے اور جس نے پاک بازی کے ساتھ دنیا کو ہدایت اور راستی کا سبق سکھایا اور اس سے قدیم تاریخ کا مطالعہ کرو تو طور سینا اس کا گواہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس پر خدا کے کلام کو کتنی بار سنا اور خدا کی پیغمبری کا شرف حاصل کر کے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور مساوات انسانی کا سبق سنایا اور دور کیوں جاتے ہو اس بلد امین (مکہ) سے پوچھو وہ شہادت دے گا کہ اس کی آغوش میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی مقدس ہستی اور خدا کے بزرگ

Marfat.com

ترین پیغمبر نے جنم لیا اور عرب کے بے برگ و گیاہ ریگستان میں کھڑے ہو کر ساری کائنات کو حق و صداقت اور اخوت و مساوات کا سبق سنایا اور توحید الٰہی کی جانب صحیح راہ نمائی کی۔ کیا یہ تینوں مقدس ہستیاں انسان کے سوا کچھ اور تھیں اور عالم کی راہ نمائی کا جو کام انھوں نے انجام دیا کیا وہ شمس و قمر آسمان و زمین بلکہ جن و ملک انجام دے سکتے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں پس اگر تاریخ ماضی کی یہ سب شہادتیں صحیح اور حق ہیں تو اب اس اقرار میں پس و پیش کیوں ہو کہ بلاشبہ انسان کو خدا نے بہترین قوام سے مخلوق کیا ہے" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" اور جب ایسا ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ جو انسان ان مقدس ہستیوں کے طریق کار پر کاربند نہیں ہے اور ان کی راہ ہدایت سے منحرف ہو کر بدی اور گمراہی کو اپنی زندگی بنائے ہوئے ہے وہ یقیناً انسانیت کے معیار سے گر گیا اور وہ اسی قابل ہے کہ انجام کار انتہائی قعرِ مذلت" اسفل السافلین" میں پھینک دیا جائے" ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ"

ہاں جس نے ایمان باللہ اور عمل صالح کو اختیار کر کے یعنی" اسلام" کو راہِ عمل بنا کر اپنی انسانیت کے شرف و امتیاز کو محفوظ رکھا اس کے لئے خدا کے پاس بے منت اجر و ثواب اور نتائج و ثمرات کی کامرانی ہے" اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ" یہ ہے مطلب قرآن کی قسموں کا جو اس ایک مثال سے ظاہر ہے لہذا باقی اقسام القرآن بھی اسی طرح اپنی اپنی سورت میں بیان کردہ مضمون کو دل نشین بنانے کے لئے مناسبِ حال شواہد و نظائر کا کام دیتی اور بعض مقامات پر تاکیدِ مضمون کا حق ادا کرتی ہیں۔

اس تفصیل کے بعد سورۂ بروج کی اقسام کی تفسیر بہت سہولت کے ساتھ ذہن و فکر میں آسکتی ہے اس سورۃ میں چند چیزوں کو واؤ قسم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (۱) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ برجوں والا آسمان (۲) اَلْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ قیامت کا دن (۳) شَاهِدٍ۔ جمعہ کا دن یا ہر وہ شخص جو حاضر و موجود ہو (۴) مَشْهُوْدٍ عرفہ کا دن یا ہر وہ شخص جو اس واقعہ سے متعلق ہے اور ان کے بعد یہ کہا گیا" قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا قُعُوْدٌ" (الآیہ) یعنی

Marfat.com

جن باطل پرستوں نے خندقیں کھدواکر اور ان میں آگ دہکا کر مومنوں کو خدا پرستی کی بنا پر ایسی حالت میں آگ کے اندر دھکیل کر زندہ جلا دیا کہ خود کناروں پر بیٹھے اپنی اس انسانیت سوز حرکت کا تماشہ دیکھ رہے تھے وہ اپنی اس کمینہ حرکت پر زیادہ دن نازاں نہ رہ سکے اور انجام کے لحاظ سے ہلاکت و بربادی ظالموں کے ہی حصہ میں آئی اور دائمی سرور و کامرانی مظلوموں نے پائی۔

اس واقعہ میں دو باتیں واضح کی گئی ہیں ایک یہ کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایسا المناک واقعہ پیش آیا۔ دوسری بات یہ کہ نتیجہ اور ثمرہ کے پیش نظر ظالم خسارہ میں رہا اور مظلوموں کو فوز و فلاح نصیب ہوئی اور جب کہ پہلی بات گذشتہ تاریخ سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری بات بھی یا تو تاریخ ماضی سے ہی متعلق تھی یا مستقبل سے اس کا تعلق تھا تو ضروری ہوا کہ مخاطب کو یہ دل نشین کرایا جائے کہ ایسا ضرور ہوا اور جب کبھی ایسا ہوا ہے تو اس کا انجام ظالم کے حق میں خسران ہی رہا ہے چنانچہ اظہار مقصد سے قبل "واو قسم" کے ذریعہ اس طرح کلام کی ابتدا کی گئی کہ برجوں والا آسمان اس بات کا نشان ہے کہ اسی چرخ نیلی فام کے نیچے ایک المناک واقعہ پیش آیا اور یوم قیامت بھی گواہ ہے جس میں ہر حق و باطل کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک ہو جانے والا ہے "کہ اس المیہ کا انجام ظالم کے حق میں برا رہا اور ہر وہ شخص اس کا گواہ ہے جو واقعہ کے وقت موجود تھا اور خود وہ ظالم اور مظلوم گواہ ہیں جن کا اس معاملہ سے تعلق رہا ہے کہ بلاشبہ خندق کھود کر آگ میں انسانوں کو جلانے والے ہی انجام کار ہلاک و برباد ہوئے یا یوں کہیے کہ وہ برجوں والا آسمان جو اپنی حیرت زا صنعت اور کواکب و نجوم کے ساتھ زینت پر خدائے واحد کی وحدانیت کا اقرار کر رہا ہے اور وہ قیامت کا دن جس دن میں خدائے واحد کے سوا کسی کی قوت و طاقت باقی نہ رہے گی اور جہاں "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" کا اعلان ہوگا اور وہ جمعہ کا دن جس میں ہر ہفتہ کروڑوں انسان خدا کے سامنے سربسجود ہو کر اس کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں اور وہ عرفہ کا دن جس میں سال بھر میں تمام خدا پرست دنیا خدائے واحد کی پرستش کا مظاہرہ کرتی ہے یہ سب اس بات کے لئے شاہد اور گواہ ہیں کہ اصحاب اخدود اپنے ظلم کے نتیجہ میں ناکام رہے اور ہلاک و برباد ہوئے اور نہ صرف وہ بلکہ ہر ظالم کا انجام "جہنم" اور ابدی

Marfat.com

ذلت و رسوائی ہے اور مظلوم کے لئے دنیا و دین دونوں میں فوز و فلاح اور کامرانی ہے اور پھر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے چند تاریخی واقعات کو بھی دہرایا گیا اور بتایا گیا کہ تم ثمود اور فرعون کے واقعات پر غور کرو اور تاریخ ماضی میں محفوظ ان کی عبرتناک داستانوں کا مطالعہ کرو تاکہ تم کو یقین ہو جائے کہ جن حقائق کی جانب سورۂ بروج میں توجہ دلائی گئی ہے ان کا ایک ایک حرف صحیح اور صادق ہے کیا "اصحاب الاخدود" میں طاقت و قوت ثمود اور فرعون سے زیادہ تھی اور کیا جب انھوں نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی کر کے مظلوم ایمان داروں پر ہولناک مظالم کئے اور اس کی سزا میں خدائے تعالیٰ کی سخت گرفت نے ان کو بے یار و مددگار بنا کر ہلاک و برباد کر دیا تو دنیا کی کوئی طاقت و قوت یا خود ان کی قوت و سطوت ان کے کچھ بھی کام آئی اور ان کو تباہی سے بچا سکی؟

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ"۔

(۲) "ذَاتِ الْبُرُوجِ" میں مفسرین نے برج کی تفسیر کرتے ہوئے تین معنی مراد لئے ہیں (الف) بڑے بڑے نجوم و کواکب مراد ہیں (ب) بروجِ ہیئت مراد ہیں جن کی تعداد بارہ ہے اور بحساب ہیئت قدیم ہر ایک برج میں سورج پورے ایک ماہ میں دورہ کرتا اور چاند دو دن اور تہائی دن میں دورہ کرتا اور دو راتیں مستور رہتا ہے اور اس طرح یہ دونوں مہینے اور سال بناتے ہیں

(ج) بروج سے وہ قلعے مراد ہیں جو آسمان پر محافظ فرشتوں کے لئے بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے نزدیک قرآنِ عزیز میں دوسرے معنی قطعاً مراد نہیں ہیں اس لئے کہ ہیئت کا یہ حساب ضروری نہیں کہ صحیح ہو بلکہ آج کی ترقی یافتہ ہیئت نے تو تجربہ اور مشاہدہ کی حد تک یونان کی ہیئتِ قدیم کو تقویم پارینہ بنا دیا ہے اور بطلیموس کا نظامِ فلکی فرسودہ داستان بن کر رہ گیا ہے اور پہلے اور تیسرے معانی میں پہلے معنی راجح معلوم ہوتے ہیں اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بڑے بڑے کواکب و نجوم ہی محافظ ملائکۃ اللہ کا مستقر ہیں تو پہلے اور تیسرے معنی میں مطابقت ہو جائے گی

(۳) "وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ" کی تفسیر میں جلیل القدر صحابہ اور تابعین سے مختلف اقوال منقول ہیں

Marfat.com

(الف) شاہد سے مراد جمعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم انسان یا اللہ تعالیٰ مراد ہے (ب) مشہود سے عرفہ قیامت یا جمعہ مراد ہے مگر اکثر کا رجحان یہ ہے کہ شاہد سے جمعہ اور مشہود سے عرفہ مراد ہے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہر ہفتہ آتا ہے اور دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ عرفات میں حاضر ہوتے ہیں۔

ابن جریر طبری نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک روایت اسی طرح کی بیان کی ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیوم الموعود یوم القیمۃ وان الشاھد یوم الجمعۃ وان المشھود یوم عرفۃ (الحدیث)

(۴) اصحاب اخدود کو قیامت کے دن جو عذاب ہوگا اس کے متعلق قرآن عزیز نے عذاب جہنم کے ساتھ عذاب الحریق "آگ لگنے کا عذاب" کا بھی ذکر کیا ہے اس سے یا تو عذاب جہنم ہی مراد ہے اور "جزاء از جنس عمل" کے اصول پر اس کو عذاب حریق بھی کہہ دیا گیا ہے یا جہنم میں ہی جلنے کا کوئی خاص قسم کا عذاب مراد ہے حافظ ابن کثیر کی یہی رائے ہے اور شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہٗ نے یہ معنی مراد لئے ہیں کہ آخرت میں جہنم کا عذاب اور دنیا میں آگ کے اندر جلنے کا عذاب اور اس سے ان کا مقصد غالباً اس واقعہ کی جانب اشارہ کرنا ہے جس کو ہم ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کر آئے ہیں

بصائر و عبر

(۱) جب انسان انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خدا کے خوف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور اس کو دولت و حکومت کا نشہ کبر و غرور کی اس بلندی پر پہنچا دیتا ہے جس پر چڑھ کر اس کی نگاہ میں تمام مخلوق ہیچ اور حقیر نظر آنے لگتی ہے تو اخلاقِ حسنہ اور جذباتِ عالیہ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی ذات اور ذاتی اغراض کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔ تب یکایک غیرتِ حق کو حرکت ہوتی ہے اور وہ اس کو اس طرح بلندی سے پٹخ دیتی ہے کہ پستی و ذلت کے تاریک غار کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی جگہ باقی نہیں رہتی اور "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہنے والا ربِ حقیقی کی ایسی سخت گرفت میں آجاتا ہے کہ پھر کائنات کی بھرپور طاقت اس کے کام آتی ہے نہ عالم ہست و بود کی دولت و حشمت اور اس کو سرنگون ہو کر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ "اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ"

(۲) انسان "انسانیت کے امتیازات و خصائص" سے بنتا ہے ورنہ حیوان سے بھی بدتر ہے

Marfat.com

اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان کو ہمہ قسم کی دولت و حشمت اور سامانِ عیش میسر ہوں اور سطوت و طاقت بھی بے اندازہ نصیب ہو تو اس وقت بھی خدا اور خوفِ خدا سے ہرگز بیگانہ نہ ہو۔ ظفر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا !!

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

" وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ " اور اے قومِ عاد وہ وقت یاد کرو جب تم کو قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تم کو مخلوق میں ہر طرح کی فراخی عطا کی۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

" وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ " اور ہم نے بے شبہ تم کو زمین میں قدرت و سطوت عطا کی اور تمہارے لئے ان میں زندگی کے سامان بخشے پھر تم میں بہت کم شکر گذار ہیں۔

(۳) انسان جب خدائے تعالیٰ پر یقین محکم کر لیتا اور حلاوتِ ایمانی سے فیض یاب ہو جاتا ہے تو پھر کائنات کی بڑی سے بڑی طاقت اور عالم کا ہولناک سے ہولناک ظلم بھی اس کو حق و صداقت سے متزلزل نہیں کر سکتا اور وہ کوہِ استقامت بلکہ ایثار و قربانی کا پیکر ثابت ہوتا ہے چنانچہ اصحاب اخدود کا واقعہ اس کی زندہ شہادت ہے۔

(۴) جزاء از جنس عمل خدائے تعالیٰ کا قانون ناطق ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ظالم و متکبر کو ظلم و کبر کے عالم وجود میں آتے ہی نورًا استیصال جائے اس لئے کہ بہ تقاضائے صفتِ رحمت یہاں ساتھ ساتھ قانونِ امہال (مہلت دینے کا قانون) بھی کام کر رہا ہے۔ البتہ جب اچانک گرفت کر لی جاتی ہے تو پھر چھٹکارا ناممکن ہے۔

Marfat.com

اصحابُ الفیل

سنہ ۵۷۱ء وسنہ ولادت باسعادت (صلی اللہ علیہ وسلم) عام الفیل

حبش، حکومت، نجاشی، مذہب وتمدن، یمن وحبش کی کشمکش ابرہۃ الاشرم، القلیس اصحاب الفیل، قرآنِ حکیم اور اصحاب الفیل، تفسیری مباحث، بصائر وغیرہ

حبش سبا کی بحث میں یہ ذکر آچکا ہے کہ حکومتِ سبا کی حدودِ مملکت جنوبی عرب سے شروع ہوکر شمال عرب اور افریقہ تک وسیع ہوگئی تھیں مورخین کہتے ہیں کہ یمن اور افریقہ کے درمیان بحرِ احمر اور بحرِ عرب کے جو گوشے حائل ہیں ان کو بحرِ حبش کہا جاتا ہے اس لئے یمن کے مقابل بحرِ حبش عبور کرکے افریقہ کے سواحل پر جو آبادیاں ہیں اور جو دراصل سبا کی تجارتی نوآبادیاں تھیں اس قطعہ کو عرب جغرافیہ داں حبش کہتے ہیں اور یہ یورپین اقوام میں ایبی سینیا، یونان میں ایتھوپیا اور خود اہلِ حبش میں جبز کہلاتا ہے۔ لغتِ عرب میں "حبش" کے معنی اختلاط وامتزاج کے آتے ہیں[۱] چونکہ عرب مورخین کے نزدیک حمیر (سبا) اور حبشہ کے اصل باشندوں کے اختلاط سے یہ قوم عالمِ وجود میں آئی اس لئے انہوں نے ان کا یہ نام تجویز کیا ہے[۲]

اور علماء انساب کہتے ہیں کہ جب اہلِ حبش (اکسوم) نے یمن پر حملہ کرکے قبضہ کرلیا تو سبا کے خاندانوں میں یہ کہہ کر سلسلۂ ازدواج قائم کیا کہ اصلاً وہ حطے بن اُدَد (بنی کہلان) کی اولاد ہیں۔

---

[۱] حبش الشی۔ جمعہ والاحابیش، جماعۃ من الناس لیسوا من قبیلۃ واحدۃ

[۲] دائرۃ المعارف للبستانی ووجدی ودائرۃ المعارف الاسلامیہ (حبش وسبا)

Marfat.com

اور سبائی کی ایک شاخ ہیں [1]

اور یورپین مستشرقین کی رائے یہ ہے کہ اہل حبش (اکسوم) غیر مخلوط سامی الاصل نہیں ہیں بلکہ اصل باشندوں کے ساتھ مختلف اقطاعِ عرب کے مختلف قبائل مل گئے ہیں [2]

بہرحال ان اقوال کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ افریقی قبائل (بنی حام) سبائی عرب قبائل (بنی سام) کے اختلاط سے قومِ حبش وجود میں آئی ہے۔

حکومت | اس مخلوط سبائی قوم کا دارالحکومت شہر اکسوم تھا جو ملکِ حبش کے صوبہ تجریے میں بجانبِ مشرق واقع تھا۔ اس شہر کے آثار اب تک باقی ہیں اور اہلِ حبش اس کو مقدس شہر سمجھتے ہیں [3]

کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حمیر نے ریدان کے قلعہ میں اپنی حکومت کا پرچم بلند کیا اسی زمانہ میں حبش نے اکسوم میں حکومت کی بنیاد ڈالی جو تقریباً ۱۱ ق م سے چھٹی صدی ہجری تک قائم رہی

نجاشی | عرب، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کا لقب دیتے ہیں دراصل یہ حبشی لفظ نجوس کا معرب ہے حبش کی زبان میں نجوس کے معنی "بادشاہ" کے ہیں۔ اصحمہ بن ابجر مشہور نجاشی حبش ان خوش قسمت بادشاہوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ پایا اور اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ان ہی کے زمانہ میں مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی جانب کی، نجاشی نے ان کو باعزت پناہ دی اور قریش کے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دیا جائے اور حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی اس تقریر سے متاثر ہو کر جو نجاشی کے دربار میں انہوں نے صداقتِ اسلام اور حقیقتِ اسلام پر کی تھی اس نے اسلام قبول کر لیا یہی وہ نجاشی ہیں جن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ مراسلت رہا ہے اور یہی وہ نجاشی ہیں جن کے انتقال پر نبی اکرم

---

[1] القصد والامم ص ۲۶ لابن عبد البر

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (سبا) ج ۲۴ ص ۲۸

[3] ایضاً ایڈیشن ۹ ج ۱ ص ۶۷ - ۶۶

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو بذریعہ وحی ان کے انتقال کی خبر دی۔

مذہب و تمدن

حبش کا مذہب اور ان کا تمدن شروع سے ہی مصر (عرب) کے مذہب و تمدن سے متاثر رہا ہے اس لئے ان کا تمدن قریب قریب عرب ہی کا تمدن ہے اور مذہبی اعتبار سے یہ خاندان شروع میں مصری اور یمنی قبائل کی طرح بت پرست تھا لیکن جب رومی بادشاہوں کے اثر سے مصر نے عیسائیت کو قبول کر لیا تو اس کا اثر حبش پر بھی پڑا اور سنہ ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اُذنیہ نجاشی نے عیسائیت کو قبول کیا۔

حبش و یمن کی کشمکش

گذشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ روم و ایران کی رقیبانہ حریفانہ کشمکش نے یمن اور حبش کو بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا اور سیاسی اور تجارتی رقابت نے ان دونوں کے درمیان بھی کشمکش قائم کر دی جس کے نتیجہ میں یمن اور ایران ایک جانب نظر آتے ہیں اور حبش و روم دوسری جانب پھر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ جس زمانہ میں حبش میں عیسائیت کا ظہور ہوا اسی کے قریب یمن میں یہودیت نے قدم جمائے۔ اگرچہ اس زمانہ میں عیسائیت کو کافی فروغ حاصل تھا مگر نہیں معلوم کن وجوہ کی بنا پر اہلِ عرب عیسائیت کے ساتھ مانوس نہیں تھے اس لئے یمن نے جب تبدیلِ مذہب کیا تو یہودیت کو قبول کیا اور عیسائیت کی جانب رجحان نہ کیا مگر چوتھی صدی عیسوی میں جب اُذنیہ نجاشی حبشہ نے عیسائیت کو قبول کر لیا تو یمن اور حبش کے درمیان مذہبی منافرت کے جذبات نے سابق رقابت کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور اسی اشتعال کے نتائج ہیں "اصحاب اخدود" کا سانحہ پیش آیا اور ذونواس شاہ یمن کے اس ظلم کی داد رسی کے لئے نجران کے ایک سردار دوس بن ثعلبان نے نجاشی کے توسط سے قیصر روم تک فریاد پہنچائی اور قیصر روم نے نجاشی حبش کو حکم دیا کہ وہ یمن پر حملہ کر کے حمیریوں سے انتقام لے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے۔

اوائل چھٹی صدی میں حمیر (ذو نواس) نے عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی جسٹینن اوّل نے شاہ حبش کالب صبح کو لکھا کہ ان کی امداد کرے چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن چھین لیا[1]

[1] ج ۱ مضمون ابی سینا

Marfat.com

اور ابن کثیر کہتے ہیں کہ دوش نے قیصر روم کے پاس براہ راست فریاد کی اور قیصر نے ایک حکم نامہ دے کر اس کو نجاشی کے پاس بھیج دیا۔ دوش جب قیصر کا شاہی فرمان نجاشی کے پاس لے کر پہنچا تو وہ ستر ہزار فوج کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوا، ذونواس بھی فوج گراں لے کر مقابلہ پر آیا مگر شکست کھا گیا اور گھوڑے پر سوار دریا میں کود گیا کہ پار اتر کر فرار ہو جائے مگر پار نہ ہو سکا اور دریا میں غرق ہو گیا۔[1]

عرب مورخین کہتے ہیں کہ یمن کے فاتح کا نام ارباط تھا اور ابرہۃ الاشرم اس کے ہمرکاب تھا مگر یونانی کہتے ہیں کہ اس کا نام اسمیفوس تھا اور اس زمانہ کے نجاشی کا نام ایلیاس (الاصحم) تھا غرض مورخین عرب کی روایت کے مطابق ارباط یمن کا پہلا گورنر بنایا گیا حتیٰ کہ چند سال کے بعد ابرہہ نے اس پر بغاوت کر دی اور اس کو مار ڈالا اور بلا شرکت غیرے یمن پر قابض ہو گیا جب نجاشی الاصحم کو یہ خبر پہنچی تو وہ سخت غضبناک ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ ابرہہ کو قتل کر کے اس کے دارالحکومت کو پیروں تلے روند ڈالے گا۔

ابرہہ نے یہ سنا تو بہت گھبرایا اور اپنے جسم سے کچھ خون نکال کر ایک شیشی میں بند کیا اور ایک تھیلہ میں یمن کی خاک بھری اور دونوں چیزوں کو قاصد کے ہاتھ نجاشی کے پاس بھیجا اور اس کو لکھا کہ جس طرح ارباط آپ کا تابع فرمان تھا اسی طرح یہ غلام بھی ہمیشہ تابع اور مطیع رہیگا جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ حضور والا مجھ سے خفا ہیں اس وقت سے سخت پریشان ہوں اور میں آپ کی قسم کو پورا کرنے کے لئے اپنا خون اور یمن کی خاک بھیج رہا ہوں کہ آپ اس خون کو یمن کی خاک پر ڈال کر پیروں سے روند دیجئے اور اپنی قسم پوری کر لیجئے نجاشی نے ابرہہ کی معافی کو وقت کی مصلحت کے مناسب خیال کرتے ہوئے قبول کر لیا اور یمن پر ابرہہ کی گورنری کو منظور کر لیا اور اس طرح وہ یمن پر مطمئن حکومت کرنے لگا۔[2]

ابرہۃ الاشرم | ابرہہ کے متعلق مورخین کا یہ بیان ہے کہ یہ شاہی خاندان سے تھا اور چونکہ نکٹا تھا اس

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۹ [2] تاریخ ابن کثیر ج ۱

Marfat.com

لئے اہلِ عرب اس کو ابرہۃ الاشرم کہتے ہیں۔ عربی میں "اشرم" نکٹے کو کہتے ہیں اس کی حکومت کا آغاز بعض کے نزدیک ۵۲۵ء اور بعض کے نزدیک ۵۴۳ء سے ہوتا ہے صاحب ارض القرآن دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

ابرہہ، ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے یہ عیسائیت میں بہت پرجوش تھا۔ اس نے تمام قلمرو میں عیسائی مبلغ مقرر کئے اور شہروں میں بڑے بڑے گرجا (کنیسا) تعمیر کرائے۔ ان تمام کلیساؤں میں سب سے بڑا اور مشہور کلیسا دار الحکومت صنعاء میں تیار کرایا جس کو اہل عرب "القلیس" کہتے ہیں جو یونانی لفظ "کلیسا" کا معرب ہے۔

القلیس | ابن جریر اور ابن کثیر بروایت محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ یہ "کلیسا" بلحاظ فنِ تعمیر عدیم النظیر تھا اور جب یہ تعمیر ہو گیا تو ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے صنعاء میں ایسا بے نظیر گرجا تعمیر کرایا کہ اس سے قبل تاریخ نے ایسا گرجا کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ اب میری تمنا یہ ہے کہ اقطاع و امصار کے عرب جو مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں ان سب کا رخ اس "کلیسا" کی جانب پھیر دوں اور کل عرب کے لئے یہی مقام حج بن جائے، اہل عرب نے یہ سنا تو ان میں سخت برہمی پیدا ہو گئی [۱]

سہیلی کہتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کی تعمیر میں یمن پر بہت سخت مظالم کئے، اہل یمن کو جبراً مزدور بنایا اور یمن کی بے اندازہ دولت اور بیش بہا زر و جواہر کو بے دریغ اس پر صرف کیا۔ یہ بیش قیمت پتھروں کی بہت خوب صورت اور بہت طویل و عریض عمارت تھی اور عجیب و غریب زرکار نقوش سے منقش اور جواہر ریزوں سے مزین تھی اور ہاتھی دانت اور آبنوس کے نہایت حسین و جمیل منقش منبروں اور سونے چاندی کی صلیبوں سے اس کو سجایا گیا تھا [۲]

اصحاب الفیل | تاریخ عرب اس کی شاہد ہے کہ تمام اہلِ عرب خواہ وہ کسی بھی فرقہ اور کسی بھی مذہب

---

[۱] ایضاً ج ۲ ص ۱۷۰ [۲] اسکے آثار عباسی خلیفہ اول سفاح کے زمانہ تک موجود تھے۔ روض الانف ج ا و تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۰

تعلق رکھتے ہوں کعبہ کی بہت زیادہ عظمت کرتے اور اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کا حج کرنا مقدس فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ خاص کعبہ کے اندر عرب کے مختلف فرقوں کے بت تین سو ساٹھ کی تعداد میں نصب تھے [1]

حتی کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل حضرت عیسیٰ حضرت مریم (علیہم السلام) کی تصاویر بھی موجود تھیں اور جب فتح مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ داخل ہوئے ہیں تو آپ کے ارشاد پر جس وقت حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے ان بتوں کو کعبہ سے خارج کیا ہے تو اس وقت بھی یہ تصاویر کعبہ کے اندر موجود تھیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ ذکر آیا کہ مشرکین عرب نے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کی تصویر اس طرح بنائی ہے کہ ان کے ہاتھ میں "پانسے" ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا مشرکین جھوٹے ہیں اور اسمٰعیل علیہ السلام کا دامن اس بیہودہ عمل سے پاک ہے [2]

بہر حال جب صنعاء میں مقیم کسی حجازی نے یہ سنا کہ ابرہہ نے "القلیس" کو اس نیت سے بنایا ہے تو اسکو غصہ آیا اور اس نے ایک شب میں موقعہ پا کر اس کلیسا کو نجس کر دیا۔ ابرہہ کو جب صبح کو یہ معلوم ہوا اور تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ یہ کام کسی حجازی کا ہے تو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور گرجا کی بے حرمتی دیکھ کر غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھانے لگا اور قسم کھائی کہ اب کعبۂ ابراہیمی کو برباد کئے بغیر چین سے نہ بیٹھوں گا یہ ارادہ کر کے ابرہہ لشکرِ جرار اور ہاتھیوں کی ایک تعداد ساتھ لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ یہ خبر تمام قبائلِ عرب میں ہوا پر سوار ہو کر پہنچ گئی اور تمام عرب میں اس سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا سب سے پہلے یمن ہی کے ایک امیر ذونفر نے یمن سے نکل کر عرب کے مختلف قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ میں ابرہہ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں آپ کو چاہئے کہ اس نیک مقصد میں میرا ساتھ دیں۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر ابرہہ کے مقابل آیا اور اس سے جنگ کی مگر شکست کھا گیا اور ذونفر گرفتار کر لیا گیا۔ اسکے بعد

---

[1] بخاری و مسلم [2] بخاری باب فتح مکہ

Marfat.com

قبیلہ بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب سے مقابلہ ہوا اور اس کو بھی شکست اٹھانی پڑی اور وہ بھی گرفتار ہو گیا جب ابرہہ طائف پہنچا تو بنی ثقیف کے سردار مسعود بن معتب نے آگے بڑھ کر ابرہہ کو یقین دلایا کہ مجھ کو اور میرے قبیلہ کو آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہے اس لئے کہ ہم کو یہ یقین ہے کہ آپ "بیت اللات" کے انہدام کا ارادہ نہیں رکھتے جس میں ہمارا سب سے معظم و محترم معبود لات نصب ہے۔ ابرہہ نے ان کو اطمینان دلایا اور خاموشی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مسعود ثقفی نے راستہ بتانے کے لئے ایک شخص ابو رغال کو راہنما بنا دیا مگر ابو رغال وادی مغمس پہنچ کر مر گیا کہتے ہیں کہ عرب زمانہ جاہلیت میں اس کی قبر کو سنگسار کیا کرتے تھے کہ یہ کعبہ کے انہدام کے لئے راہنما بنا تھا۔

مغمس پہنچ کر ابرہہ نے ایک حبشی فوجی افسر کو جس کا نام اسود بن مقصود تھا حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر چھاپہ مارے۔ اسود، مکہ کے قریب پہنچا تو قریش اور دوسرے قبائل کے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے کے ریوڑ کو جو کثیر تعداد میں چر رہے تھے" پکڑ کر اپنے لشکر میں لے گیا۔ ان میں عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے

اس زمانہ میں عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ یہ حال دیکھ کر قریش، کنانہ، ہذیل اور دیگر قبائل نے آپس میں مشورہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ ہم میں طاقت مدافعت نہیں ہے اس لئے ہم کو مکہ چھوڑ کر قریب کی پہاڑی پر چلے جانا چاہیئے ابھی یہ لوگ مکہ ہی میں تھے کہ ابرہہ کی جانب سے حناطہ الحمیری پہنچا اور دریافت کیا کہ مکہ کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے عبدالمطلب بن ہاشم کی جانب اشارہ کیا۔ حناطہ نے کہا "میں ابرہہ کی جانب سے آیا ہوں ہمارے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ آپ تک یہ پیغام پہنچا دوں کہ ہمارا ارادہ آپ لوگوں کو نقصان پہنچانے کا نہیں ہے اور نہ ہم آپ سے جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں کہ ہم تو صرف اس گھر (بیت اللہ) کو ڈھانے کے لئے آئے ہیں پس اگر تمہارا ارادہ مقابلہ اور مدافعت کا ہو تو تم جانو اور اگر تم ہمارے اس ارادہ میں حائل نہ ہو تو ہمارا بادشاہ آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا "ہمارا قطعاً ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے بادشاہ سے جنگ کریں اور نہ ہم میں یہ طاقت ہے یہ اللہ کا

Marfat.com

گھر ہے اور اس کے برگزیدہ نبی ابراہیم کی یادگار، پس اگر اللہ اس کی حفاظت کرنا چاہے گا تو وہ کر سکتا ہے اور اگر اس کو اس کی حفاظت مقصود نہیں ہے تو ہم قوت مدافعت کے قابل قطعاً نہیں ہیں

غرض اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب ابرہہ کے لشکر میں پہنچے اور ایک درباری کی جانب سے سفارش و تعارف پر اس کے سامنے پیش ہوئے۔ عبدالمطلب بہت شاندار اور وجیہہ شکیل انسان تھے، ابرہہ نے دیکھا تو ان کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور اپنے برابر ان کو جگہ دی

گفتگو شروع ہوئی تو ان کی طلاقت لسانی اور خطابت سے ابرہہ بہت زیادہ متاثر ہوا، دوران گفتگو میں جب معاملہ پر بات چیت شروع ہوئی تو عبدالمطلب نے شکایت کی کہ آپ کے ایک سردار نے میرے اونٹ گرفتار کر لئے ہیں لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ ان کو میرے حوالے کر دیجئے، ابرہہ نے یہ سنا تو کہا "عبدالمطلب میں تو تم کو بہت فہیم و عقیل سمجھتا تھا لیکن اس سوال پر سخت متعجب ہوں، تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں جو تمہاری نگاہ میں سب سے زیادہ باعظمت اور مقدس ہے لیکن تم نے اس کے متعلق ایک جملہ بھی نہیں کہا اور ایسی چھوٹی اور حقیر بات کا ذکر کر رہے ہو؟ عبدالمطلب نے جواب دیا "بادشاہ یہ اونٹ چونکہ میری ملکیت ہیں اس لئے میں نے ان کے متعلق درخواست پیش کی اور کعبہ میرا گھر نہیں خدا کا مقدس گھر ہے، وہ آپ اس کا محافظ ہے میں کون ہوں جو اس کے لئے سفارش کروں؟ ابرہہ کہنے لگا اب اس کو میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا "آپ جانیں اور رب البیت جانیں" یہاں پہنچ کر سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا اور ابرہہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دئے جائیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کے ہمراہ بنی بکر کا سردار یعمر بن نفاثہ اور بنی ہذیل کا سردار خویلد بن واثلہ بھی تھے، روانگی سے قبل انھوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر کعبہ کے انہدام سے باز آجائیں تو ہم تہامہ کا ایک تہائی مال آپ کی خدمت میں حاضر کر دیں گے مگر ابرہہ نے اپنی طاقت کے نشہ میں اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور اپنے ارادہ پر اڑا رہا تب یہ لوگ ناکام واپس آگئے۔

Marfat.com

عبدالمطلب نے واپس آکر قریش اور دوسرے قبائلِ عرب کو جمع کیا اور ان کو تمام گفتگو سنا کر یہ مشورہ دیا کہ اب ہم سب کو قریب کی کسی پہاڑی پر پناہ گزین ہو جانا چاہیئے تاکہ اس منظر کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکیں جب اہلِ مکہ پہاڑی پر جانے لگے تو عبدالمطلب کی قیادت میں کعبۃ اللہ میں حاضر ہوئے اور اس کی زنجیر پکڑ کر درگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی۔

"خدایا ہم اس بارے میں غمگین نہیں ہیں کہ جب ہم اپنی متاع کی حفاظت کر سکتے ہیں تو اپنی متاع (کعبہ) کی تجھ کو بھی ضرور حفاظت کرنی ہے اور تیری تدبیر پر نہ صلیب کی طاقت غالب آسکتی ہے اور نہ اہلِ صلیب کی کوئی تدبیر، ہاں اگر تو ہی یہ چاہتا ہے کہ ان کو اپنے مقدس گھر کو خراب کرنے دے تو پھر ہم کون؟ جو تیرا جی چاہے سو کر"۔

مورخین نے عبدالمطلب کے ان اشعار کو بھی نقل کیا ہے جو انھوں نے اپنے خاص اندازِ خطابت کے ساتھ فی البدیہہ درگاہِ الٰہی میں پیش کئے اور جن کا ترجمہ ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

لاھم ان العبد یمنع رحالہ فامنع رحالک

لا یغلبن صلیبھم ومحالھم غدواً محالک

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدا لک[1]

اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ کو خالی کر کے قریب کے پہاڑوں پر چلے گئے اور گھاٹیوں میں پناہ گزین ہو کر حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اگلے دن صبح کو ابرہہ نے اپنا لشکر مکہ کی جانب بڑھایا اگلی قطاروں میں ہاتھی تھے اور ان کے پیچھے لشکرِ جرار ابھی یہ لشکر مکہ تک نہیں پہنچا تھا کہ راہ میں ہی اچانک پرندوں کے غول کے غول نمودار ہوئے اور لشکر کے سر پر فضا میں چھا گئے ان کی چونچ اور ان کے پنجوں میں سنگریزے تھے پرندوں نے ان سنگریزوں کو لشکر پر پھینکنا شروع کیا جس شخص کے سنگریزے لگتے تھے بدن چھوڑ کر باہر نکل آتے تھے اور فوراً ہی اعضاء گلنے اور سڑنے لگتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر میں سارا لشکر ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا۔

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲

Marfat.com

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ کچھ لوگ اسی حال میں لشکر سے فرار ہو کر یمن اور حبشہ پہنچے اور انھوں نے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کا حال سنایا

اور مشہور محدث ابن ابی حاتم بروایت عبید بن عمیر نقل کرتے ہیں کہ جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی جانب بڑھا تو تیز ہوا چلی اور سمندر کی جانب سے پرندوں کے غول اڑتے ہوئے لشکر پر چھا گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں پرندوں کا زبردست لشکر پرے کے پرے باندھے ہوئے ہے ان کے منہ اور ان کے دونوں پنجوں میں سنگریزے تھے انھوں نے اول تو آوازکی اور پھر لشکر پر سنگریزے مارنے لگے۔ ساتھ ہی تند و تیز ہوا چلنے لگی جس نے اس سنگ باری کو لشکر کے لئے مصیبت عظمیٰ بنادیا چنانچہ جس شخص پر یہ سنگریزے گرے بدن پھوڑ کر باہر نکل آئے اور بدن گلنے اور سڑنے لگا اور اس طرح ان سنگ ریزوں نے سارے لشکر کو چھلنی کر ڈالا۔[۱]

---

[۱] کہتے ہیں کہ ابرہہ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی جانب بڑھے جب وہ مکہ کے قریب پہنچی ہے تو ہاتھیوں کی قطار میں سب سے پہلے اس ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا جس پر ابرہہ سوار تھا۔ فیلبان اگرچہ اس کے آنکس پر آنکس لگا رہا اور زبانی ڈپٹ رہا تھا مگر وہ کسی طرح آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا تھا لیکن جب اس کو یمن کی جانب چلاتے تھے تو وہ تیزی کے ساتھ چلنے لگتا تھا اس حالت میں اچانک پرندوں کے غول نے آگھیرا۔

گویا قدرت کی جانب سے ابرہہ کے لئے یہ آخری تنبیہ تھی کہ وہ اب بھی سمجھ جائے کہ اس کا یہ ارادہ باطل اور ناپاک ہے اور یہ جرأت دراصل خدا کی طاقت کو چیلنج ہے اس لئے اس کو اس سے باز آجانا چاہیے لیکن اس بدبخت نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے کردار کی پاداش کو پہنچ کر رہا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب پرندوں کی سنگساری سے ابرہہ کا لشکر برباد ہو گیا تو اس میں سے بعض آدمی جو بدحالی کے ساتھ فرار ہو کر یمن پہنچے تھے ان میں سے خود ابرہہ بھی اس حالت میں پہنچا کہ اس کے تمام اعضا گل سڑ کر گر چکے تھے اور وہ صرف ایک مضغہ گوشت نظر آتا تھا۔

یعنی قدرت نے جس طرح فرعون کو غرق کر دینے کے بعد اس کی نعش کو اس لئے کنارہ پر پھینک دیا تھا کہ وہ مصر کے قبطیوں اور بنی اسرائیل دونوں کے لئے سامانِ عبرت و بصیرت بنے اسی طرح یمن اور حبش کے باشندوں کی عبرت

Marfat.com

محمد بن اسحاق نے بروایت عکرمہؓ نقل کیا ہے کہ اسی سال عرب میں مرضِ چیچک کا ظہور ہوا۔

قرآن اور اصحابِ فیل

قرآنِ عزیز نے اس واقعہ کا سورۃ الفیل میں اپنے معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے گویا ذاتِ اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدائے تعالیٰ کا ..... بہت بڑا احسان اور ان کے اعزاز واکرام کا عظیم الشان "نشان" ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تو نے نہیں دیکھا تجھ کو
الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ	معلوم نہیں) کہ تیرے پروردگار نے ہاتھیوں والوں
فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ	کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا ان کے فریب کو ناکارہ نہیں
طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ	بنا دیا اور بھیجے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے
مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ	جھنڈ وہ پھینک رہے تھے ان پر سنگریزے پس
كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ	کر دیا ان کو کھائے بھوسہ کی طرح۔

اصحابِ فیل کا یہ عجیب وغریب واقعہ ماہ محرم میں ولادتِ باسعادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس یا پچاس روز قبل پیش آیا اہلِ عرب میں یہ واقعہ اس درجہ اہمیت وشہرت رکھتا تھا کہ انھوں نے اس سال کا نام "عام الفیل" (ہاتھیوں والا سال) رکھ دیا اور اس کے بعد تاریخی واقعات کو اسی سنہ کے حساب سے شمار کرنے لگے۔ عیسوی سنہ کے حساب سے ۵۷۱ء اور رومی سنہ کے حساب سے ۸۸۶ سکندری کے مطابق ہوتا ہے۔

روایاتِ عرب اور عرب مورخین میں یہ واقعہ اس درجہ مشہور ومعروف تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ کی زندگی مبارک میں سورۃ الفیل کا نزول ہوا تو مشرکین، یہود اور نصاریٰ کی اس عداوت کے باوجود جو آپ کی ذاتِ مبارک سے ان کو تھی کسی سمت سے بھی اس سورۃ میں بیان کردہ واقعہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۷ کے لئے ابرہہ کو اس حالت میں یمن پہنچایا کہ وہ یہ غور کریں کہ جس شخص نے اپنی مادی قوت کی گھمنڈ پر خدا کی طاقت کو چیلنج کیا تھا آج قدرت کے زبردست ہاتھ نے اسکا یہ حال کر دیا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ"

کے خلاف کوئی صدا بلند نہیں ہوئی کہ یہ واقعہ غلط ہے یا اس کی اصل حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ دوسری ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ یہ واقعہ صرف ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں بلکہ تمام عرب خصوصاً قریش کی عظمت و عزت بڑھاتا تھا اس لئے کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی یہ بات اس لئے غلط ہے کہ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی ہے اس وقت عرب میں مذہبی فرقہ بندی کے اعتبار سے عرب کے مختلف حصوں میں عموماً اور نجران کے مشہور شہر میں خصوصاً عیسائیت مشرکینِ مکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی حریف و رقیب تھی اس لئے وہ عربی نژاد ہونے کو قطع نظر کر سکتے تھے مگر عیسائیت کی اس توہین کو "جو ان کے زعم میں یا قریشِ مکہ کی عزت کو بڑھاتی تھی اور یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ اور یہود دونوں ایسے واقعہ کو سننا بھی گوارا نہ کرتے جو ان کے قبلہ "صخرۂ بیت المقدس" کے علاوہ ایسے مقام "کعبہ" کی صد ہزار عظمت کا اظہار کرتا ہے جس کے قبلہ بننے کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور علی الاعلان اس کو جھٹلاتے تھے۔

بہر حال تاریخ کی صاف اور بے لوث شہادت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ایک عیسائی معاصر نے بھی اس واقعہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کی اور ہجرت کے بعد جب آپ کی خدمتِ اقدس میں نجران کا وفد (ڈیپوٹیشن) آیا ہے تو وہ اپنے خیال میں اسلام کے خلاف جس قسم کی نکتہ چینیاں کر سکتا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی تکذیب میں جو دلائل دے سکتا تھا وہ سب اس نے پیش کئے لیکن اس واقعہ کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکالا اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو جس تاریخ نے ساڑھے تیرہ سو برس سے ان تمام اعتراضات کو اپنی آغوش میں محفوظ رکھا ہے جو معاندین کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام پر کئے گئے ہیں وہ کیسے اس اعتراض کو فراموش کر سکتی تھی۔

لہٰذا التعصب سے پاک حقیقت بیں نگاہ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ یہ واقعہ اپنی تفصیلات

Marfat.com

کے ساتھ جس طرح عرب روایات اور مورخین عرب کے یہاں محفوظ اور مشہور ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی آخر کون سی وجہ ہے جب کہ سورۃ الفیل کے نزول کے وقت اس واقعہ کو گذرے صرف بیالیس تینتالیس سال ہی ہوئے اور اس لئے اس واقعہ کو آنکھوں سے دیکھنے والے ہزاروں اور اپنے والدین اور وطنی روایات سے سننے والے لاکھوں کی تعداد میں تمام اقطاعِ عرب میں موجود تھے۔

لیکن صدیوں کے بعد آج یورپین مورخین یہ کہتے ہیں "واقعہ صرف اتنا ہے کہ ابرہہ رومیوں کی مدد کو فوج لے کر نکلا راہ میں اس کی فوج چیچک کی وبا سے برباد ہوگئی" اور لطف یہ ہے کہ ان کے پاس اس دعویٰ کے لئے نہ کوئی تاریخی دلیل ہے اور نہ معاصرانہ شہادت بلکہ صرف عرب مورخین (محمد بن اسحٰق وغیرہ) کے اس بیان سے کہ "اسی سال عرب میں چیچک کا ظہور ہوا" یہ فیصلہ کر لیتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کا یہ کون سا نظریہ ہے کہ ایک روایت کے تمام واقعات کا تو اپنے مخالف سمجھ کر" بلا دلیل انکار کر دیا جائے اور اس واقعہ کے ایک ضمنی جملہ کے مفہوم کو بدل کر اور بغیر کسی سند کے اپنی جانب سے اس میں اضافہ کر کے ایک نیا مطلب پیدا کر لیا جائے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بقول ابن اسحاق اسی سال عرب میں چیچک کا ظہور ہوا اور غیر اسلامی روایات کے مطابق ہم یہ بھی قبول کئے لیتے ہیں کہ اسی سال یمن اور حبش میں بھی اس مرض نے سر نکالا تاہم اس سے یہ کیسے لازم آ جاتا ہے کہ (۱) ابرہہ "کعبہ" کے ڈھانے کے لئے لشکر لے کر نہیں نکلا تھا جیسا کہ مستند تواریخ سے ثابت ہوتا ہے بلکہ رومیوں کی مدد کو نکلا تھا۔ جیسا کہ یورپین مورخین بے دلیل محض اٹکل سے کہہ رہے ہیں (۲) اور یہ کہ ابرہہ کا لشکر ربِ کعبہ کے حکم سے چڑیوں کی سنگ باری سے تباہ نہیں ہوا جیسا کہ معاصر شہادتوں اور تواتر کے درجہ کی روایاتِ ملکی و تاریخی سے ثابت ہے بلکہ چیچک کی وبا سے برباد ہو گیا جس کے لئے تاریخ میں کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

یہ بات تو ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ ابرہہ "القلیس" کے انتقام میں کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا پس اگر سمندر کی جانب سے آنے والی چڑیوں نے سنگریزوں کے ذریعہ سے بحکم ربِ کعبہ چیچک کے ایسے سخت جراثیم پیدا کر دیئے کہ انھوں نے حملہ آوروں کو سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دی۔ اور سنگریزوں کے

Marfat.com

لگنے کے فوراً بعد ہی بدن گلنے اور سڑنے لگا اور سارا لشکر ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا تو اس کو کیا کہنا چاہیئے؟ اور یہ اگر قادر مطلق کی جانب سے ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب نہیں تھا تو اور کیا تھا فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ"

حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ فطرت پرست "یورپین مورخین" یا تو اس واقعہ کو اس وجہ سے مسخ کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے کعبۃ اللہ کی عظمت اور وقت کی خود ساختہ عیسائیت کی اہانت کا پہلو بہت صاف اور نمایاں طور پر سامنے آتا ہے اور قدرت کے ہاتھوں حق و باطل کے معرکہ میں حق کے غلبہ اور باطل کی مغلوبیت کا اعلان ہو جاتا ہے یا محض فطرت پرستی اور مادہ پرستی کے جذبہ میں انھوں نے خدائے تعالیٰ کی غیر محدود طاقت کے مشاہدہ سے آنکھ بند کر لی ہے اور وہ ایسے واقعات کو ناممکن خیال کر بیٹھے ہیں حالانکہ اسی آسمان کے نیچے تاریخِ اقوام و امم نے بارہا ایسے مشاہدے کئے ہیں اور تاریخ نے ان کو اپنی آغوش میں محفوظ رکھا ہے کہ جب بھی کوئی قوم ظلم و تکبر، طغیان و عصیان اور فساد و سرکشی میں حد سے گذر گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اجرامِ ارضی و سماوی میں سے کبھی ہوا کو کبھی برق کو کبھی باد و باراں کو کبھی ہولناک چیخ کو اور کبھی حیوانات کی یورش کو اس طرح ان پر مسلط کر دیا ہے کہ آنکھوں دیکھتے وہ اور ان کا زبردست تمدن سب کا سب خاک میں مل گیا عاد و ثمود، نمرود و فرعون، اصحاب ایکہ، اصحابِ اخدود جیسی قومیں اپنے اپنے زمانہ میں زبردست تمدن و حکومت کی مالک تھیں مگر جب انھوں نے خدا کی زمین میں فساد مچا دیا۔ زیر دستوں پر ظالمانہ قابض ہو کر ان کو کچل ڈالا۔ شرک و کفر میں بے باک ہو کر خدا کے پیغمبروں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا اور انانیت میں آکر بعض نے خدائی کا دعویٰ تک کر دیا تو ان ہی عناصر اور مخلوقِ ارضی و سماوی کے ذریعہ جن کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک و برباد کر دیا کہ تاریخ کے اوراق کے سوا دنیا میں ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

مگر انسان کی اس غفلت کو کیا کہیئے کہ وہ کوتاہیِ عقل سے گذشتہ واقعات کا انکار کرنے پر بہت جلد آمادہ ہو جاتا اور نئے کرشمہ غیبی کا طالب ہوتا ہے بلکہ بنی اسرائیل کی طرح بیجا جسارت

Marfat.com

کے ساتھ یہ کہہ اٹھتا ہے "لَن نُّؤمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهرَةً" اور جب وہ بھی گلوں کی طرح عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے تو حسرت و افسوس کرتا ہوا دوسروں کے لیے سامانِ عبرت و بصیرت بن جاتا ہے اور اس وقت کا اعتراف و اقرار، اور اس وقت کی حسرت و ندامت اس کے کسی کام نہیں آتی "فَلَمَّا رَاَوا بَأسَنَا قَالُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحدَهٗ وَكَفَرنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشرِكِينَ ۝ فَلَم يَكُ يَنفَعُهُم اِيمَانُهُم لَمَّا رَاَوا بَأسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَد خَلَت فِي عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الكٰفِرُونَ"[۵]

یہی حال آج یورپین مادہ پرستوں اور ان کے کور باطن مقلدوں کا ہے کاش کہ وہ حقیقت حال کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور حقائق سے انکار اور ان کا استہزاء نہ کریں۔ انھیں تاریخ کے دہرائے ہوئے اس سبق کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ لارڈ کچنر نے اسی زمانہ میں مصر پر جابرانہ مظالم کرتے ہوئے بڑے تکبر کے ساتھ سربلند کرتے ہوئے یہ کہا تھا "آج میں مصر کا فرعون ہوں" پھر تم نے دیکھا کہ خدائے برتر کے قانون "پاداشِ عمل" نے اس کو وہی جواب دیا جو فرعون کو ملا تھا "فَغَشِيَهُم مِّنَ اليَمِّ مَا غَشِيَهُم" اور اس کی غرقِ دریا نعش کو یورپ کی سائنس جدید کا کوئی کرشمہ بھی قعرِ دریا سے اوپر نہ لاسکا۔

یہ واقعہ صدیوں کا نہیں ہے، ہماری اور تمہاری زندگی کا واقعہ ہے پھر کیا منکرینِ خدا اور منکرینِ قدرتِ خدا نے اس واقعہ سے کوئی سبق حاصل کیا؟ نہیں بلکہ انھوں نے یہ کہہ کر ضمیر کی آواز کو دبا لیا کہ یہ تو بخت و اتفاق کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو ہو گذرا۔ آخر انھوں نے ایسا کیوں سمجھ لیا قرآن کہتا ہے صرف اس لیے کہ "لَا تَعمَى الاَبصَارُ وَلٰكِن تَعمَى القُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" یعنی یہ بات نہیں ہے کہ وہ کورچشم ہیں وہ خوب دیکھتے ہیں لیکن ان کے سینوں

---

[۵] سورۂ مومن: پس جب دیکھا انھوں نے عذاب ہمارا تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے ایک خدا پر اور جن چیز کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس سے منکر ہوئے پس ان کے اس ایمان نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا جب انھوں نے ہمارا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے جو ہمیشہ سے اسکے بندوں کے ساتھ جاری ہے اور کافروں نے اس موقعہ پر خسارہ ہی اٹھایا

کے اندر ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں" اس لئے جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے لہذا ایسی جماعت کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے "فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ"

سورۂ فیل اور بعض دیگر تفسیریں

سطور بالا میں سورۂ فیل کی تفسیر سلفِ صالحین (رحمہم اللہ) اور جمہور کے مسلک کے مطابق کی گئی ہے اس تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمِ کعبہ کی صیانت وحفاظت کے لئے ابرہۃ الاشرم اور اس کے عظیم الشان لشکر کو اپنے قانون "تعذیبِ امم" کے پیشِ نظر اس لئے معجزانہ طور پر چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے ذریعہ کنکریوں کی مار سے ہلاک و برباد کر دیا کہ قریش بہ اسبابِ ظاہر اس لشکرِ جرار کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور ربِ کعبہ کو بہرحال کعبہ کی حفاظت مقصود تھی۔

یہ تفسیر لغتِ عرب کی مطابقت، سلفِ صالحین سے منقول روایات اور تاریخی تواتر کے پیشِ نظر بغیر کسی رد و انکار کے تیرہ سو سال سے قابلِ قبول رہی ہے۔

لیکن اس تفسیر کے مطابق چونکہ اس واقعہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اعجازِ قدرت اور معجزانہ فعل کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اس لئے گذشتہ پچاس ساٹھ سال کے اندر یورپ کے الحاد سے مرعوب ہو کر بعض حضرات نے سلف کے خلاف یہ سعی فرمائی ہے کہ خواہ حقیقتِ حال نظرانداز ہو جائے مگر کسی طرح اس واقعہ کا عجوبہ پن دور کر دیا جائے چنانچہ انھوں نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے "تفسیر بالرائے" سے کام لیا ہے۔ تفسیر بالرائے کے یہی معنی ہیں کہ اس پر نظر کئے بغیر کہ اس بارہ میں قرآن خود کیا کہتا ہے اور ایک خالی الذہن انسان اس سے کیا مطالب اخذ کرتا ہے اپنی جانب سے پہلے ایک خاص خیال قائم کر لیا جائے اور اس کے بعد آیاتِ قرآنی کی تفسیر اپنے اس اختراعی خیال پر کر دی جائے۔

تفسیر بالرائے کے اصول پر سورۃ الفیل کی پہلی تفسیر سرسید کی جانب سے تہذیب الاخلاق میں کی گئی۔ سید صاحب چونکہ بذاتِ خود عربیت (علوم لغتِ عرب) اور ان علوم سے جو قرآن عزیز کے حقائق سمجھنے کے لئے ازبس ضروری ہیں بیگانہ تھے اس لئے ان کی یہ تفسیر سرتاسر اغلاط اور

Marfat.com

لغو تاویلات پر مبنی ہے۔ اور تفسیر احمدی کے ان دوسرے مقامات کی طرح جس میں انھوں نے خود قرآن عزیز کی دوسری آیات اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول صحیح روایات کے خلاف تفسیر بالرائے بلکہ تحریف معنوی پر غلط اقدام کیا ہے اس مقام پر بھی قرآن کی زبان سے وہ کہلانا چاہتے ہیں جس کو قرآن کہنے کے لئے تیار نہیں اس کے منہ میں وہ بات رکھ دینی چاہتے ہیں جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کرتی۔

سرسید کی تفسیر سورۃ الفیل کی بنیاد اس امر پر قائم ہے کہ آیت "وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ" میں "طیر" سے "پرند" نہیں بلکہ "بدفالی" مراد ہے اور کنایۃً یہ لفظ بلا و مصیبت" کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

مگر سید صاحب اس بات سے قطعاً ناآشنا ہیں کہ عربی لغت میں "طیر" کے معنی "بدفالی" کے ہرگز نہیں آتے اور وہ لفظ "طائر" ہے جس کے معنی بدفالی کے آتے ہیں اور جس سے کنایۃً مصیبت و بلا کا مفہوم مراد ہو سکتا ہے نیز وہ عربیت کے اس قاعدہ سے بھی قطعاً ناواقف معلوم ہوتے ہیں کہ اگر بفرض محال "طیر" کے معنی "بدفالی" کے تسلیم بھی کر لئے جائیں تب بھی اس مقام پر یہ معنی اس لئے نہیں بن سکتے کہ لغت عرب میں اس معنی کے ہوتے ہوئے اس کی جانب "ارسال" کی نسبت قطعاً غلط اور باطل ہے بلکہ اس کے لئے "اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ" کی جگہ "اَنْزَلَ عَلَیْھِمْ" اور "اَلْقٰی علیھم" بولا جاتا ہے۔

حقائق قرآن سے بے بہرہ مگر یورپ کے الحاد و زندقہ سے مرعوب یہ حضرات قرآن کی تفسیر پر جرأت بے جا تو کرتے ہیں مگر اس بات کو یکسر فراموش فرما دیتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا" اور تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ و تراکیب کے لئے بھی کچھ قواعد اور شروط ہیں پس اگر کوئی شخص ان کے خلاف اس کے الفاظ اور اس کے جملوں کے معنی اور مفہوم بیان کرتا ہے تو درحقیقت تحریف معنوی کا مجرم بنتا ہے بہرحال سید صاحب کی تفسیر اس قسم کی اغلاط کا مجموعہ ہے اس لئے علمی مباحث میں جگہ پانے کے لائق نہیں ہے۔

Marfat.com

سلفِ صالحین کے خلاف سورۃ الفیل کی دوسری تفسیر مولانا حمید الدین فراہی (رحمہ اللہ مصنف نظام القرآن کی ہے' یہ تفسیر سلف اور جمہور کی تفسیر سے قطع نظر کرکے صرف عربیت اور اشعارِ عرب کے پیش نظر کی گئی ہے اور یہ اگرچہ مولانائے مرحوم کی علمی دیانت' تقویٰ وطہارت اور درکِ علوم قرآنی کے پیش نظر ان حضرات کی تفاسیر کی فہرست میں شامل نہیں ہے جنہوں نے محض معجزات کے انکار کی بنا پر تفسیر بالرائے کی مجرمانہ جسارت کی ہے تاہم واقعہ کے عجوبہ پن کو دور کرنے کے لیے مولانائے مرحوم کی یہ سعی معنوی استقام کی حامل ہے اور اس لئے ہم مولانائے مرحوم کی خدمتِ قرآن کا احترام کرتے ہوئے ان کے بعض دوسرے تفسیری مقامات کی طرح اس مقام سے بھی اختلاف کرنے پر مجبور ہیں ۔

مولانائے مرحوم کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ "ترمی" کا فاعل طیر نہیں ہے بلکہ "انت" ہے جو "الم تر" کا بھی فاعل ہے اور آیت "وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ" اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے جو عام طور پر عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی جرار فوج کسی جانب کا رخ کرتی ہے تو مردار خوار جانوروں کا غول پرے باندھے ساتھ ہوا میں اڑتا چلتا ہے مثلاً ابو نواس کہتا ہے "ہمارے ممدوح کی فوج کے ہمراہ پرندے ہیں کیونکہ ان کو اس کے فاتح ہونے کا یقین ہے" یا بصرہ میں جنگِ جمل سے جو صورتِ حال پیش آئی اس کا حال اسی روز اہل حجاز کو اس لئے معلوم ہوگیا تھا کہ مردار خوار جانور انسانوں کے کٹے ہوئے اعضا پنجوں میں لیے اڑتے پھرتے تھے ۔

اس تفسیر کے پیش نظر سورۃ الفیل کی آیات کے معنی یہ ہوں گے ۔

"تو نے دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ ؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو بیکار نہیں کردیا ؟ اس نے ان پر پرندوں کے پرے کے پرے بھیجے تو ان ہاتھی والوں کو پتھروں سے مارتا تھا پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کردیا ۔

اس تفسیر پر حسب ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں ۔

(۱) اگر "ترمی" کا فاعل انت ہے طیر نہیں ہے تو "بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ" میں "سجیل" کا اضافہ

بے ضرورت بلکہ بے معنی ہو جاتا ہے۔

(۲) اس صورت میں " وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ " کی غرض وغایت یا اس کے فائدہ اور مقصد سے خود قرآن خاموش ہے اور اس طرح سورۃ کی آیات کے باہم ربط باقی نہیں رہتا بلکہ نظم و انسجام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

(۳) شعراء عرب کے کلام میں فوج کے ساتھ پرندوں کے غول کا چلنا صرف ایک شاعرانہ تخیل ہے اس لیے قرآن کے بیان کردہ حقائق کی تفسیر کو اس خیال سے وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) واقعہ کے معاصر یا کچھ عرصہ بعد کے عرب شعراء جب کہ خود اپنے اشعار میں اقرار کرتے ہیں کہ " ترمی " کا فاعل " طیر " ہے نہ کہ " الم تر کی ضمیر انت " (قریش) تو اس سے عدول کیوں اور کس لیے

(۵) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ " میں " فا " ثمرہ اور نتیجہ ہے " ترمی " کا اور جعل " کا فاعل " رب " ہے تو معلوم ہوا کہ قریش کی سنگ باری سے ہاتھیوں والی فوج جرار کا کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو جانا تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعجاز قدرت کا عمل بھی ہو ورنہ بلحاظ اسباب عادیہ یہ صورت قطعاً غیر معقول ہے اور اگر اس میں اعجاز کا دخل ہی تو جس عجیب بات سے بچنے کے لئے سلف کے خلاف تفسیر کو اختیار کیا گیا تھا اسی کو تسلیم کرنا لازم آ جاتا ہے۔

(۶) عرب کی جنگوں میں " محض بدویانہ سنگ اندازی " کے طریقہ جنگ کے لئے تاریخی سند مطلوب ہے ورنہ خاص اس موقعہ کے لئے طریقہ جنگ کی یہ تفسیر بے سند رہ جاتی ہے اور ناقابل قبول ہے

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بلاغت کا تقاضا ہے کہ جب کسی لفظ کے ساتھ متعلقات کا اضافہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کا کوئی فائدہ ہونا چاہیے یعنی اس اضافہ کو کسی مقصد کے لئے لایا گیا ہو ورنہ وہ کلام بلاغت سے گر جائے گا اور اس کا اعجاز بلاغت تک پہنچنا تو معلوم ؟ کیونکہ ایسی صورت میں یہ اضافہ بے معنی اور مہمل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اشعار کے تنگ میدان میں بھی بے ضرورت اس کو جائز نہیں سمجھا جاتا۔

Marfat.com

دوسرا مقدمہ یہ قابل توجہ ہے کہ "سجیل" لغت عرب میں کنکری کو کہتے ہیں یعنی اگر مٹی کو آگ میں پکایا جائے تو پکنے کے بعد اس میں پتھر کی سی سختی پیدا ہو جاتی ہے اسی مٹی کی چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کا نام عربی میں سجیل اور فارسی میں "سنگِ گِل" ہے بلکہ بعض علمار لغت نے تو یہ تصریح کی ہے کہ سجیل فارسی مرکب لفظ "سنگ گِل" کی ہی تعریب ہے یعنی "مٹی سے بنا ہوا پتھر" اور یہ ظاہر بات ہے کہ مکہ کی پہاڑیوں پر چھوٹے بڑے پتھر تو بہرحال کافی ملیں گے لیکن وہاں سجیل (کنکریوں) کی افراط کے کوئی معنی نہیں۔

پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آیت "تَرمِیھِم بِحِجَارَۃٍ مِّن سِجِّیل" میں قریش کی بادوبانہ سنگ باری مراد ہے تو اس صورت میں "بحجارۃ" کہنا کافی تھا بلکہ "حجارہ" کو سجیل کے ساتھ مخصوص کرنا حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہو جاتا اور ایک غلط بات کا اظہار لازم آجاتا ہے۔

ممکن ہے کہ جواب میں یہ کہا جائے کہ اس مقام پر سجیل سے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے یعنی "سنگ ریزے" مراد ہیں تو یہ اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ لغت عرب میں پتھر کے چھوٹے ٹکڑے کو "الحصیٰ" کہتے ہیں اور اس کی جمع "حصاۃ" آتی ہے چنانچہ متداول کتب لغت میں بھی بصراحت یہ فرق مذکور ہے "الحصیٰ صغار الحجارۃ الواحدۃ حصاۃ" "سجیل الحجارۃ من الطین الیابس" حتیٰ کہ علمار لغت اس فرق کو یہاں تک نمایاں کرتے ہیں کہ جو ٹھیکریاں مٹی کے برتن سے ٹوٹ کر وجود میں آتی ہیں اگرچہ وہ سجیل کہلائی جا سکتی ہیں تاہم دقیق امتیاز کے وقت لغتِ عرب میں ایسی ٹھیکری کے لئے لفظ "خذف" مخصوص ہے[1] اور ہم کو یہ حقیقت بھی کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ محققین علمار لغت کا یہ دعویٰ ہے کہ لغتِ عرب میں ایک لفظ بھی دوسرے لفظ کا مرادف نہیں ہے اور جو لفظ بھی فصحا، و بلغا ر عرب کے کلام میں استعمال ہوتا ہے وہ اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے اور جن کو ہم مرادف الفاظ سمجھتے ہیں ان کے باہم جو نازک اور دقیق فرق ہے ان کی خصوصیات ضرور ملحوظ رہتی ہیں۔

غرض مصنف نظام القرآن کی تفسیر سورہ الفیل کے مطابق اس مقام پر "سجیل" کا ذکر نہ صرف

---

[1] مشہور اور متداول کتبِ لغت کا مطالعہ کیجئے۔

Marfat.com

بے ضرورت بلکہ خلافِ واقعہ اور بے محل ہو جاتا ہے اور دوسرے اغراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر "ترمی" کا فاعل "طیر" مان لیا جائے جیسا کہ جمہور نے اختیار کیا ہے تو بغیر کسی خارجی مدد کے آیات سورۃ اپنا مطلب صاف صاف ادا کر دیتی ہیں اور سیاق و سباق کی مطابقت اور کلام کا انسجام اور اس کی ترتیب بحالہ باقی رہتی ہے۔

لیکن تفسیر زیر بحث کے مطابق اگر "ترمی" کا فاعل "طیر" نہیں ہے بلکہ "انت ہے" تو اس صورت میں "ارسال طیر" کی غرض و غایت سے قرآن (سورۃ الفیل) قطعاً خاموش نظر آتا بلکہ ربطِ کلام میں خلل واقع ہو جاتا ہے اس لئے کہ آیت "الم یجعل کیدھم" اور "ترمیھم" کے درمیان "وارسل علیھم" اپنے مقصد کے لئے قطعاً واضح نہیں ہے اور نہ سیاق و سباق میں اس کی جانب کوئی اشارہ موجود ہے بلکہ یہ کلام اجنبی ہے جو اپنی تصریح کے لیے آپ ہی ذمہ دار ہے اور بغیر تصریح کے باعث خلل کلام ہے اور اگر کلام کی اس اجنبیت کو باہر کی مدد سے حل اور آیت سے پیدا شدہ قدرتی سوال پر اس کی خاموشی کو خارجی تمہید سے دور کیا جاتا ہے تو بلحاظ بلاغت کلام ایسے ابہام و اجمال سے کہ جو خصوصی واقعہ کے سلسلہ میں اس طرح کلام میں موجود ہو کہ سیاق و سباق نہ اس کی وضاحت کرتے ہوں اور نہ اس پر دلالت کرتے ہوں" کلام میں نقص لازم آتا اور بے محل ابہام کا الزام وارد ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ "ارسالِ طیر" کی غرض و غایت یا حکمت کا اپنی جانب سے اختراع تو درست سمجھا جائے اور بغیر کسی سند کے یہ کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں کو صحنِ حرم میں افتادہ مردہ نعشوں سے پاک کرنے کے لئے بھیجا تھا اور بقاءِ ترتیب مضمون آیات اور حفاظتِ نقصِ کلام کی خوبیوں کے باوجود خود سورۃ میں ہی جو غایت اور حکمت بیان کی گئی ہے اور جو خارج سے مدد کی قطعاً محتاج نہیں ہے یعنی "ترمیہم" تو اس کو رد کر کے غیر معقول قرار دیا جائے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ مردہ نعشوں سے صحنِ حرم کی پاکی کے متعلق صحیح تاریخی روایت میں یہ موجود ہے۔

وذکر النقاش فی تفسیرہ ان السیل   اور نقاش نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ سیلاب آیا

Marfat.com

احتمل جثثهم فالقاها فی البحر[۱] اور اس نے مردہ نعشوں کو بہا کر سمندر میں جا ڈالا

اور تیسرے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ بالفرض اگر آیت وَاَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ کی تفسیر میں صاحب نظام القرآن کے اس استشہاد کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جو بطور تمہید انھوں نے اشعارِ عرب سے کیا ہے اور آیت کی خاموشی کو ختم کرنے کے لیے اصولِ بلاغت کو نظر انداز کر دیا جائے تب بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ابو نواس یا نابغہ جیسے شعراء عرب کے کلام میں اگر یہ تخیل پایا بھی جاتا ہے کہ "جب کوئی فوج جنگ کے لیے سفر کرتی تھی تو مردار خوار جانور جھنڈ کے جھنڈ اس کے ساتھ چلتے تھے تو اس تخیل سے یہ کیسے لازم آیا کہ شعراء کا یہ خیال مبنی بر حقیقت ہے اور محض شاعرانہ تخیل نہیں ہے کہ قرآن کی تفسیر کے لیے استشہاد کا کام دے سکے؟ بلکہ جب ہم عرب کی لڑائیوں کے ان تفصیلی حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جو اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ہوئیں اور جن کے جزئی جزئی حالات اور معمولی معمولی واقعات تک کی تفصیلات کتبِ سیر و تاریخ میں محفوظ ہیں تو ان میں سے کسی ایک جنگ میں بھی اس حقیقت کا ذکر موجود نہیں ہے کہ مردار خوار پرندوں کے یہ جھنڈ کے جھنڈ مسلم یا مشرک لشکر کی ابتداءِ مسافت ہی سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے چنانچہ غزوۂ بدر، احد، حنین، احزاب کے حالات اس قسم کے واقعہ سے قطعاً خاموش ہیں بلکہ اس کے خلاف غزوۂ بدر میں اس کا ثبوت تو موجود ہے کہ زعماء قریش کی نعشیں اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں اور یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ مسلمانوں کے یا مشرکینِ مکہ کے لشکر کے ساتھ مردار خوار پرند شروع ہی سے ہم سفر تھے اور انھوں نے ان مردہ نعشوں کو فوراً ہی ٹھکانے لگا دیا اسی طرح عرب کے علاوہ دنیا کی اور جنگوں میں بھی کہیں اس واقعہ کا ثبوت نہیں، لہٰذا بس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شعراء عرب کا یہ کلام شاعرانہ مبالغہ آمیز تخیل سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا دراصل وہ اپنے ممدوح کی بہادری پر مبالغہ آمیزیاں کرتے ہوئے یہ مبالغہ بھی کرتے ہیں کہ انسان تو انسان

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۷۴

Marfat.com

مردار خوار جانور تک اس کی بہادری کا یقین رکھتے اور اس لئے اس کے لشکر کے ہمراہ چلتے ہیں حالانکہ حقیقتِ حال صرف اتنی ہوتی تھی کہ جب اس ممدوح نے دشمن کو شکست دے دی تو شکست خوردہ لشکر کی نعشوں پر گدھ چیل وغیرہ مردار خوار جانور نوچنے کھانے کو ٹوٹ گئے اس عام بات کو شعراء نے شاعرانہ دقیقہ سنجی کے ساتھ ادا کر دیا ہے کیا ابونواس کا یہی شعر جو مفسر صاحب نے بطور استشہاد پیش کیا ہے خود ہی یہ ظاہر نہیں کرتا یہ محض شاعرانہ نکتہ سنجی ہے اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ میرے ممدوح کے لشکر کے ہمراہ پرند ہیں کیونکہ ان کو اس کے فاتح ہونے کا یقین ہے" تو کیا یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ ان مردار خوار پرندوں کی فراست وکیاست انسانی فراست سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی تھی کہ یہ معرکہ جنگ پیش آنے سے پہلے ہی یہ بھی سمجھ جاتے تھے کہ فلاں کو فتح اور فلاں کو شکست ہوگی اور اس لئے فاتح کی فوج کے ہمراہ چلتے تھے نہ کہ مفتوح کی فوج کے ساتھ۔

اور اگر اپنی خیالی تفسیر کی خاطر یہ سب عجیب باتیں تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے تو نہ معلوم سلف اور جمہور کی تفسیر ہی کو مان لینے میں کیوں اس قدر جھجک ہے۔

رہا بصرہ میں جنگ جمل کا ہونا اور حجاز میں پرندوں کے ذریعہ اس طرح اصل کیفیت کا حال معلوم ہو جانا کہ وہ انسانوں کے اعضا، کو پنجوں میں لئے اڑتے تھے تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ یہ مردار خوار پرندے طرفین کے لشکر یا جو فاتح بننے والا تھا اس کے لشکر کے ساتھ ساتھ چل کر میدان معرکہ تک پہنچ کر درختوں اور جھاڑیوں میں خیمہ زن ہو گئے تھے کیا بصرہ میں نسر (گدھ) اور زاغ و زغن نہیں تھے اور کیا جو کچھ آج بھی ہوتا ہے وہی وہاں بھی نہیں ہوا ہوگا کہ جنگ کے نتیجہ میں جب میدان میں نعشیں پڑ گئیں تو فوراً ہی چہار جانب کی بعید مسافت سے مردار خوار پرند آپہنچے اور کٹے ہوئے اعضا کو پنجوں میں لے اڑے اور فضا میں ان کے ذریعہ اہل حجاز کو بھی واقعہ کی اصل کیفیت کا پتہ چل گیا چنانچہ گدھ کے لئے تو ماہرین علم الحیوانات کا بیان یہ ہے کہ قدرت نے اس کی قوتِ شامہ کو اس قدر حساس بنایا ہے کہ وہ مردہ نعشوں کی پھیلی ہوئی بو یا فضا میں پھیلی ہوئی گوشت کی بو کو بیسیوں میل کی مسافت سے محسوس کر لیتا اور سرعتِ رفتار کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

الحاصل تفسیر زیر بحث میں آیت "وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ" کی تفسیر کے لئے خارج سے ان اشعار کی مدد لینا جو صرف شاعرانہ تخیل کی پیداوار ہیں اور صحیح تاریخی حقائق سے اعراض کرنا بلکہ خود قرآن کے سیاق و سباق سے ہی بغیر خارجی مدد کے واقعہ کی جو مکمل تصویر بنتی ہے اس سے گریز کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اس تفسیر پر چوتھے اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "ترمی" کا فاعل "قریش" ہیں تو آیت "فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ" میں الفاء للجزاء داخل ہو کر یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس کا مدخول (یعنی جس جملہ پر وہ داخل ہے) آیت "تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ" کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جس کا مطلب زیر بحث تفسیر کے مطابق یہ ہوا کہ جب قریش نے سنگ باری کے ذریعہ ان پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا یعنی سب وہیں کھیت رہے اور ہاتھیوں اور انسانوں سب کا کچومر نکل گیا۔

تو سوال یہ ہے کہ قریش کی بدویانہ سنگ باری سے کسی فوج گراں کا کہ جس میں دیو پیکر ہاتھیوں کی قطاریں بھی ہوں اس طرح بھرکس نکل جانا کہ وہ اگر فرار ہو کر جان بچانا بھی چاہیں تو نہ بچ سکیں۔ اسباب عادیہ کے اعتبار سے کیا معقول سمجھا جا سکتا ہے اور کیا عقل یہ نہیں کہتی کہ جب ابرہہ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ اور اس کی فوج گراں قریش کی سنگ باری کی تاب نہیں لاسکتے تو اس نے کیوں وہاں رہ کر ساری فوج کا بھرکس نکلوا لیا اور کیوں وہ ان ہی وادیوں میں سے ہو کر فرار نہیں ہو گیا جن وادیوں سے ہو کر آیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قریش کے پاس سنگ باری کے لئے مشینیں نہیں تھیں کہ وہ ابرہہ کے لشکر پر ہزاروں من کی مہیب چٹانیں اس عجلت کے ساتھ لڑھکا دیتے کہ تمام لشکری اور ہاتھی گھوڑے اور اونٹ سب کے سب وہیں دب کر رہ جاتے اور کھائے ہوئے بھس کی طرح سب کا کچومر نکل جاتا۔

اور قریش پر خدائے تعالیٰ کا احسان تو اس صورت میں بھی پورا ہو جاتا تھا کہ اس نے ایسے عظیم الشان لشکر کو بدویانہ سنگ باری سے ہزیمت خوردہ بنا کر فرار پر آمادہ کر دیا۔

Marfat.com

البتہ یہ بات اس وقت صحیح ہو سکتی اور باور کی جا سکتی ہے کہ اس کو اسبابِ عادیہ کے عام قانون سے مستثنیٰ قرار دے کر قدرتِ الٰہی کے معجزانہ عمل کے ساتھ وابستہ سمجھا جائے اور یہ کہا جائے کہ عام طریقِ جنگ کے خلاف یہ ایک معجزہ تھا مگر اس صورت میں تفسیرِ زیرِ بحث کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن عزیز کی اس سورۃ کا اسلوبِ بیان از اول تا آخر یہ کہہ رہا ہے کہ یہاں جو صورتِ حال پیش آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص نوامیسِ قدرت کے زیرِ اثر ہوئی ہے اور اسی لئے جن لوگوں نے اس واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا یا مشاہدہ کرنے والوں کی زبانی سنا ہے وہ اس سے آگاہ ہیں کہ یہ معاملہ کس درجہ عجیب اور کرشمۂ قدرت کے زیرِ اثر کس درجہ حیرت زا ہو گزرا ہے اور یہ سبق ہے اور عبرت و بصیرت ہے قریش کے لئے جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پیس ڈالنا چاہتے ہیں وہ سمجھیں کہ جس نے کعبہ کی حفاظت کا یہ غیبی انتظام کر دیا وہی آج قبلۂ ابراہیمی "کعبہ" کی صحیح عظمت کے داعی کی حفاظت وصیانت کا ضامن ہے۔

غرض غیر مسلح انسانوں کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کی سنگ باری سے دیو پیکر ہاتھیوں اور آہن پوش لشکریوں کو فرار کا موقع نہ دے کر موقعہ ہی پر کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دینا اسی طرح عجیب ہے جیسا کہ پرندوں کی ماری ہوئی کنکریوں کا بندوق کی گولی کی طرح لگنا یا ایسے ہلاک جراثیم کا حامل ہونا جن سے ایک فوج گراں کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو کر رہ جائے مگر یہ کہ تسلیم کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک "معجزانہ نشان" تھا۔

اور اگر اس سے انکار نہیں ہے تو پھر کوئی وجہ وجیہ نظر نہیں آتی کہ سلف اور جمہور بلکہ بلاواسطہ خود آیاتِ قرآنی سے حاصل شدہ تفسیر سے عدول کر کے ایسی تفسیر کیوں اختیار کی جائے جو لغت اور روایات دونوں لحاظ سے اسقام و نقائص کی حامل ہو۔

پانچویں اعتراض کا مقصد یہ ہے کہ زیرِ بحث تفسیر میں اگر شعراءِ عرب کے اشعار سے استشہاد کرنا حلِ مطلب کے لئے ضروری سمجھا گیا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے لئے واقعہ سے متعلق مخصوص

Marfat.com

اشعار کو جن میں اس واقعہ کے معاصر عبدالمطلب کے اشعار بھی شامل ہیں نظر انداز کر دیا گیا بلکہ ان سے اعراض روا رکھا گیا اور شعرائے عرب کے ایک ایسے تخیل کو بطور استشہاد تسلیم کیا گیا جس کا مبنی بر حقیقت ہونا خود محل نظر ہے اور جس کے لئے خود آیات قرآنی میں بھی کوئی قرینہ موجود نہیں ہے بلکہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام پر موجودگی طیر کا معاملہ تمام حالات کی بنا پر نہیں تھا بلکہ کرشمۂ قدرت نے خاص صورت حال کے ساتھ ان کو بھیجا تھا تب ہی "ترمیہم" سے قبل کی آیت میں "ارسل" فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی آمد کو خاص طور سے اپنی جانب منسوب کیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کارخانۂ عالم میں جو کچھ بھی حرکت و سکون ہے سب اسی کی قدرت کے ہاتھوں سے ہے۔

نیز "ترمی" کے بعد "فجعلہم" کہہ کر یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ "رمی" کا یہ نتیجہ کہ وہ عصف ماکول کی طرح ہو گئے ہمارا اپنا فعل تھا جس میں دوسرے کو کوئی دخل نہیں تھا ورنہ اگر پرندوں کا وجود عام حالات کی بنا پر ہوتا اور "عصف ماکول" نتیجہ ہوتا قریش کے عمل سنگ باری کا تو اسلوب بیان یہ نہ ہوتا بلکہ یوں کہا جاتا "ان کے سروں پر پرندوں کے جھنڈ منڈلانے لگے جب کہ تو ان پر سنگ باری کر رہا تھا اور ہو گئے وہ اس سنگ باری سے کھائے ہوئے بھس کی طرح"

الحاصل جب کہ عرب قبل از اسلام اور بعد از اسلام دونوں زمانوں میں شعرائے عرب کے وہ اشعار موجود ہیں جن میں صاف صاف اس کا اقرار ہے کہ واقعہ کی نوعیت وہی ہے جس کو ائمہ سلف ظاہر کرتے ہیں تو ان سے اعراض اور شعراء کے ایک عام تخیل سے استشہاد ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ عبدالمطلب کے وہ اشعار جو اس سے قبل ذکر میں آ چکے ہیں اس حقیقت کا صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ قریش نے ابرہہ کے لشکر کے مقابلہ میں طاقت مقاومت نہ دیکھتے ہوئے جنگ سے اعراض کیا اور وہ کعبہ کو رب کعبہ کے حوالہ کر کے پہاڑیوں پر پناہ گزیں ہو گئے اور حالات کا انتظار کرنے لگے عبدالمطلب کہتے ہیں۔

لاهم ان العبد يمنع رحاله فامنع رحالك

Marfat.com

ہم اگرچہ عاجز ہونے کی وجہ سے شہر سے جا رہے ہیں لیکن یہ کوئی غم کی بات نہیں ہے ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔

اور آخر میں دشمن کے مقابلہ سے اپنے عجز اور درماندگی اور بظاہر اسباب کعبہ کی حفاظت سے مایوسی کے اثرات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔

ان کنت تارکھم وکعبتنا فامر ما بدا لک

اور اگر تیرا یہی منشاء ہے کہ وہ ہمارے کعبہ کے متعلق اپنا منشاء پورا کرلیں تو پھر جو تیرا جی چاہے وہ حکم فرما۔

عبدالمطلب، واقعہ اصحاب فیل کے معاصر ہیں، سردار قریش ہیں اور ان کی جانب سے جنگ صلح کے ضامن ہیں وہ اقرار کر رہے ہیں کہ قریش دشمن کے مقابلہ سے عاجز ہو کر کعبہ اور ابرہہ کے معاملہ کو سپرد بخدا کرکے نتیجہ کے منتظر ہیں مگر اس کے برخلاف زیر بحث تفسیر اصرار کرتی ہے کہ قریش نے ضرور ابرہہ کے لشکر سے جنگ کی اور ان کو تباہ و ہلاک کر دیا ہ

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

واقعہ سے متعلق یہ اشعار تمام کتب سیر میں بسند صحیح مذکور ہیں نیز عام روایات کی طرح اس واقعہ سے متعلق دو رائے تک موجود نہیں ہیں بلکہ صرف ایک ہی قول تاریخی تواتر سے منقول چلا آتا ہے مگر افسوس کہ پھر بھی وہ قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا۔

علاوہ ازیں اگر فرض کر لیجئے کہ یہ اشعار عبدالمطلب کی جانب غلط منسوب ہیں تب بھی ان اشعار سے یہ تو بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ جن اہل عرب اور اہل حجاز کے سامنے قرآن، واقعہ فیل کو بیان کر رہا ہے ان کے یہاں قبل از اسلام اس واقعہ سے متعلق یہی روایت مسلم تھی جو ان اشعار کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے اور اسی کو انھوں نے اپنے بزرگوں کی زبانی سنا یا واقعہ کا خود مشاہدہ کیا تھا اور اسی لئے عرب بعد الاسلام کے تمام شعراء بھی اپنے اشعار میں بلا خلاف اسی حقیقت کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں عبداللہ بن زبعری سہمی اس واقعہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں

Marfat.com

سائل امیر الجیش عنها ما رائی　　فلسوف ینبی الجاهلین علیہما

ستون الفالم یوئبوا ارضہم　　بل لم یعش بعد الا یاب سقیمہا

حبشہ کے سردار سے معلوم کرو کہ اس نے کیا کچھ دیکھا عنقریب ناواقفوں کو اس واقعہ سے خبردار لوگ واقف کر دیں گے۔ ساٹھ ہزار لشکریوں میں سے کسی کو وطن لوٹنا نصیب نہیں ہوا اور اگر کوئی اکا دکا زخم خوردہ بھاگ نکلا تو وہ بھی خدائی مار کے زخموں سے نہ بچ سکا۔

اور عبداللہ بن قیس کہتے ہیں۔

کادہ الاشرم الذی جاء بالفیل فولی وجیشہ مہزوم

واستہلت علیہم الطیر بالجندل حتی کانہ مرجوم

ابرہۃ الاشرم نے یہ تدبیر چلی کہ کعبہ کے گرانے کو ہاتھیوں کو لے کر آیا پس وہ بھاگا اور اس کا لشکر بھی شکست خوردہ ہو گیا جب کہ پرندوں کے لشکر ان پر کنکریوں کی بارش کرتے ہوئے پرے کے پرے آپہونچے اور سارا لشکر سنگسار ہو کر رہ گیا۔

اور ابوقیس بن اسلت انصاری ابرہہ کے لشکر کی تباہی کے لئے خدائی مدد کا اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

فلما اتاکم نصر ذی العرش ردّھم　　جنود الملیک بین ساف وحاصب

فولوا سراعا ھاربین ولم یؤب　　الی اھلہ بحبش غیر عصائب

پھر جب عرش والے کے پاس سے تمہارے لئے مدد آپہنچی تو ابرہہ اور اس کے لشکر کا خدائی لشکر (پرندوں کے غول) نے منہ پھیر دیا جب کہ وہ ٹھیکریاں اور کنکریاں برسا رہا تھا پس سارا لشکر جلد ہی شکست کھا کر بھاگا۔ اور ان میں سے چند معمولی ٹولیوں کے سوا کوئی بھی حبشہ تک نہ پہنچ سکا اور سب یہیں ہلاک و تباہ ہو کر رہ گئے۔

چھٹے اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام عرب کی مشہور حروب کی تاریخی تفصیلات اشعار عرب کتب سیرت اور مسلم و غیر مسلم تواریخ میں موجود ہیں جن میں مذہبی اور قومی ہر قسم کی جنگوں کے تذکرے پائے جاتے ہیں مگر ایک جنگ کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں

Marfat.com

عرب یا قریش نے محض بدویانہ سنگ باری کی جنگ کی ہو بلکہ اس زمانہ کے متداول اسلحہ تلوار، تیر اور تبر وغیرہ سے ہی وہ جنگ کیا کرتے تھے جس میں منجنیق (گوپھن) کا بھی استعمال ہو جایا کرتا تھا اور اگر یہ تسلیم نہیں ہے تو اشعارِ عرب اور تاریخِ عرب سے کوئی سند دکھائی جائے کہ محض سنگ باری کی جنگ کا کون سا مشہور یا غیر مشہور واقعہ تاریخ میں مذکور ہے کیونکہ تاریخ تو آج تک یہی کہتی چلی آتی ہے کہ اہلِ عرب تلوار کے دھنی اور بات بات پر ان کے درمیان تلوار کا نیام سے نکل آنا روزمرہ کا مشغلہ تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ بدویانہ سنگ باری کا یہ طریقہ اسی خاص واقعہ میں پیش آیا اور اس کے ثبوت کے لئے یہی اول اور آخر مثال ہے تو پھر خود اس مخصوص واقعہ کے لئے تاریخی ثبوت چاہیئے۔ تاکہ یہ متعین ہو سکے کہ سلف اور جمہور سے منقول تفسیر غلط اور یہ جدید تفسیر ہی صحیح تفسیر ہے حالانکہ اس کے لئے کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔

پس اگر نہ خود عرب کے واقعاتِ جنگ میں اس کی مثالیں موجود ہیں اور نہ خاص اس واقعہ کے لئے کوئی تاریخی شہادت پائی جاتی ہے بلکہ اس کے برعکس حجاز کی قومی روایات، تاریخی وثائق اور سلفِ صالحین کی نقول و روایات سے باتفاق یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابرہہ کے لشکرِ جرار کے مقابلہ میں قریش نے کوئی جنگ نہیں کی اور وہ تابِ مقاومت سے عاجز ہونے کی وجہ سے کعبہ کو ربِ کعبہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر پہاڑی پر پناہ گزیں ہو گئے تھے تو محض عربیت کے پیشِ نظر دو احتمالات میں سے ایسے احتمال کو اختیار کرنا جو بقاعدۂ عربیت بھی استقام کا حامل ہے اور تاریخی شہادات اور سلف کی روایات کے بھی خلاف ہے ناقابلِ قبول ہے۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جانی چاہیئے کہ کتب تفسیر و سیر میں چونکہ بکثرت ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن کی نسبت سلف صالحین کی جانب بسندِ صحیح ثابت ہو جانے کے بعد بھی محققین علماءِ تفسیر یہ کہہ کر اس کے قبول و تسلیم کی قیمت گھٹا دیتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے یعنی گو اس کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی جانب بلحاظِ سند روایت صحیح ہے لیکن وہ ان روایات میں سے نہیں ہے کہ جو نبی معصوم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل یا تقریر وتثبیت سے تعلق رکھتی اور اس بنا پر سلف کا مسلک قرار دی جا سکتی ہو بلکہ حضرت عبد اللہ بن سلام وہب بن منبہ اور کعب احبار جیسے بزرگوں کی ان حکایات واقوال سے ماخوذ ہے جو یہ حضرات متبحر علمار یہود میں سے ہونے کی بنا پر اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کی مجالس میں بیان کیا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اجازت کے پیش نظر کہ مسلمانوں کو توراۃ اور اور اسرائیلی روایات کی نقل اس حد تک جائز ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے خلاف نہ ہو" مسلمان روایات کو بطور حکایت نقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اس لئے سورۂ الفیل کی تفسیر میں بھی کیا یہ امکان ہے کہ "ترمی" کا فاعل "طیر" کو مان کر سلف سے جو روایات منقول ہیں وہ بھی اسی قسم کی اسرائیلی حکایات ہوں کہ جن کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ آیات کی یہ تفسیر سلف اور جمہور کا متفقہ مسلک نہیں ہے تو اس کا جواب نفی میں ہوگا اور یہ اس لئے کہ جس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور جس وقت سورۂ الفیل کا نزول ہوا دونوں زمانوں میں اس واقعہ سے کعبہ کی عظمت کے مقابلہ میں عیسائیت کی سخت توہین لازم آتی ہے اور اسی بنا پر جدید یورپین مورخین بھی اس توہین سے تلملا کر "جو قدرت کے ہاتھوں عیسائیت کو کعبۃ اللہ کی عظمت کے مقابلہ میں پیش آئی تھی" اس واقعہ کی بے سند اور دور از کار تاویلات کرتے نظر آتے ہیں اور جب کہ یہود اور علمار یہود بھی اپنی روایتی حاسدانہ خو کی وجہ سے اس مرکز توحید کی عظمت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جو بوڑھے پیغمبر ابراہیم (علیہ السلام) کی اسمٰعیلی شاخ کی اسرائیلی شاخ پر برتری کا باعث بنا ہے تو بے شبہ یہ کہنا مبنی برحقیقت ہوگا کہ جس واقعہ کی اشاعت یہود ونصاریٰ کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں ہو سکتی اس سے متعلق روایات کو اسرائیلیات اور اسرائیلی روایات کسی طرح نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان روایات کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ جس وقت سورۃ الفیل کا نزول ہوا ہے واقعہ کو گذرے ابھی پچاس سال سے زیادہ نہیں ہوئے تھے مگر پھر بھی کسی مخالف جماعت یا فرد کو اس کی تکذیب کی جرأت نہ ہو سکی اور کسی ایک شخص نے یہ تک نہ کہا کہ آیات الفیل کا دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن قریش میں اس کے متعلق جس قسم کی باتیں مشہور ہیں وہ سرتاسر غلط ہیں اور اگر تکذیب کی گئی ہوتی تو تاریخ اس کو اپنے سینہ میں اسی طرح محفوظ رکھتی جس طرح اسلام کے مخالفوں کی ہر قسم کی ہرزہ سرائیوں اور معاندانہ واقعات و احوال کو

محفوظ رکھا ہے۔

پس ایک منصف مزاج اور طالبِ حق انسان کا فرض ہے کہ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ سورۃ الفیل سے متعلق واقعہ کی تفصیلات جس طرح عرب روایات اور شعراءِ عرب کے اشعار اور سلف سے منقول تفاسیر میں منقول ہیں وہی صحیح تفسیر ہے۔

سلف سے منقول سورۃ الفیل کی تفسیر اس لیے بھی قابلِ قبول ہے کہ اس کے مطابق وہ استفام نہیں پیدا ہوتے جو جدید تفسیر کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اگر ہم خارج کی شرح و تفصیل سے قطع نظر صرف قرآن کی آیات کے معانی ہی میں محدود رہ کر تفسیر کریں تو ربطِ آیات اور ترتیبِ مضمون اور انسجام سورہ، یہ سب امور بغیر کسی دقت و تاویل کے قائم رہتے اور آیات کے معنی پورے ہوتے ہیں۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کی شر آمیز تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا اور اس نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجدیے جو ان پر کنکریاں پھینک رہے تھے پس کر دیا پروردگار نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح۔

آیات کے اس صاف اور صحیح ترجمہ پر غور فرمائیے کہ کس طرح ایک آیت دوسری آیت کے ساتھ مربوط اور بغیر کسی اضافہ مضمون کے خود ہی پوری حقیقت کا اظہار کر رہی ہے البتہ قرآن میں مذکور معجزات کے سلسلۃ الذہب میں ایک کڑی کا ضرور اضافہ کرتی ہے۔

اور قرآن سے باہر عرب روایاتِ نثر و نظم اس صاف اور واضح حقیقت کے لیے بغیر کسی اضافہ کے صرف تفصیلِ واقعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جمہور سلف کے خلاف سورۃ الفیل کی تفسیر ایک جدید مدعی تفسیر علوم قرآن نے بھی کی ہے جدید مفسر صاحب چونکہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیثِ صحیحہ کو بھی ادلہ شرعیہ سے خارج سمجھتے اور انکارِ حدیث کو اپنا مسلک بنائے ہوئے ہیں اور خدمتِ مذہب کے نام سے اپنے مضامین میں اس الحاد کو خاص رنگ میں پیش کر کے انکارِ حدیث کی تبلیغ فرماتے رہتے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ

Marfat.com

ان کی نگاہ میں سلفِ صالحین کے مسلک کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔

سورۃ الفیل کی یہ تفسیر اگرچہ مصنف نظام القرآن ہی کی تفسیر سے ماخوذ ہے مگر چونکہ جدید مفسر صاحب حقیقتاً علومِ عربیت اور علومِ قرآن دونوں سے ناواقف ہیں اور بایں ہمہ مختلف زبانوں میں قرآن کی تفاسیر بکثرت وجود میں آنے کے باعث ارزاں شہرت حاصل کرنے کے لئے مفسر بننا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے نظام القرآن میں مسطور تفسیر کے علمی پہلوؤں سے گریز کرتے ہوئے محض خطابیات کے طریقہ پر آیات کے مفہوم و معانی سے جدا اپنی جانب سے چند ایسے اضافوں کے ساتھ اس کو پیش کیا ہے جن کو دیکھ کر صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایسے کلام کی تفسیر کر رہے ہیں جو ان کے خیال میں خود اپنے ادائے مقصد میں کوتاہ اور اپنے اسلوبِ بیان میں ناقص ہے اور محتاج ہے ایسے چند اضافوں کا جن کے ذریعہ اس کی تکمیل ہو سکے اور جو اس کے سقم اور نقص کو دور کر سکیں چنانچہ فرماتے ہیں

جزئی تفاصیل میں جانے کے بغیر یوں سمجھو کہ اہلِ مکہ کی ایک مخالف قوت (ابرہہ) نے چاہا کہ قریش پر حملہ کیا جائے لیکن اس انداز سے کہ حملہ اچانک ہو اور قریش کو بے خبر جا پکڑا جائے چنانچہ اس کے لئے اس نے ایسا راستہ اختیار کیا کہ وہ وادیوں میں چھپتا چھپاتا مکہ تک آپہنچے اور فوج کے ہیبت ہاتھی انھیں کچل ڈالیں یہ تھی اس کی خفیہ تدبیر (کید) اس تدبیر کے مخفی رکھنے کے لئے اس نے پورا پورا اہتمام کر لیا، لیکن مشیت کا منشا اہل مکہ کا بچانا تھا اس لئے اس مہم میں ایک ایسی کڑی ساتھ جا لگی جس سے یہ تمام اسکیم ناکام ہو کر رہ گئی جس زمانے میں بارود وادیم زمین کے ساتھ آسمان کو بھی آتش زار جہنم بنا یا کرتے تھے بڑے لاش خور پرند لشکر گدھ، چیل فوجوں کے ہمراہ ہو جاتے جوں ہی کوئی فوج نقل و حرکت کرتی یہ اپنی خداداد فراست سے اندازہ کر لیتے کہ اب رزق کا سامان پیدا ہونے لگا ہے، ہاتھیوں والی فوج نے اپنی نقل و حرکت کو اہل مکہ سے چھپائے رکھا لیکن ان پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ طیرًا ابابیل کے معنی جھنڈ کے جھنڈ ہیں کہ وہ "ابابیلیں" جو سر شام ہمارے ہاں اڑتی پھرا کرتی ہیں اس فوج پر منڈلاتے ہوئے ساتھ ہو لئے اور یوں زمین کی مخفی تدبیر کا راز آسمان کے پرندوں

نے کھول دیا اہل مکہ جانتے تھے کہ اس قسم کے پرندوں کی پرواز کا کیا مطلب ہوتا ہے اور اس دھوئیں سے نیچے کی آگ کا پتہ پا گئے اور پہاڑوں پر چڑھ کر ایسا پتھراؤ کیا کہ فوج کا ہاتھیوں سمیت بھرکس نکل گیا۔ قرآن کریم نے اہل مکہ کو اس واقعہ کی یاد دلائی ہے [1]

اس تفسیر پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا تفصیلی ذکر تو مصنف نظام القرآن کی تفسیر سورۃ الفیل کے سلسلہ میں آچکا اس لئے یہ بر خود غلط مقلدانہ تفسیر قابلِ اعتنا نہیں ہے البتہ اس میں اپنی جانب سے نئے اضافات کر کے قرآن کو جو تقسے دئے گئے ہیں ان کی خرافت کا اظہار از بس ضروری ہے۔ مفسر جدید نے ان اختراعی اضافات کو اس لئے بیان کیا ہے کہ ان کی گڑھی ہوئی تفسیر کے مطابق آیات کے مفہوم و معنی میں جو سقم پیدا ہو جاتا ہے اس کو دور اور ربط آیات میں جو خلا واقع ہوتا جاتا ہے اس کو پُر کر دیا جائے۔

ایک جانب مصنف نظام القرآن کے تفسیری مطالب کا اپنی جانب انتساب اور دوسری جانب تقلیدی معجون میں مجتہدانہ غیر علمی اضافات کی اپج ان دونوں باتوں نے مل کر جدید مفسر صاحب کی تفسیر سورۃ الفیل کو طرفہ معجون بنا دیا ہے۔

آپ ایک مرتبہ پھر نشان زدہ عبارت کا مطالعہ فرمائیں اور ساتھ ہی سورۃ الفیل کی آیات کے سادہ معانی پر بھی توجہ دیتے جائیں تو آپ خود ہی حیرت و تعجب میں پڑ جائیں گے کہ اصحاب الفیل کے واقعہ سے متعلق یہ تمام کڑیاں جو جدید مفسر صاحب نے بیان فرمائی ہیں کہاں سے حاصل ہوئیں۔

سورۃ الفیل کی آیات میں تو ان باتوں کا پتہ تک نہیں ہے پھر نہیں معلوم کہ جدید مفسر صاحب نے ان کو کہاں سے اخذ کیا جب کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ واقعہ سے متعلق روایات کو غلط اور تل کے اوٹ پہاڑ" کی طرح سمجھتے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں خود قرآن کے اندر سے کہہ رہے ہیں کیونکہ واقعہ سے متعلق روایات تو مفسر صاحب کے اضافوں کے برعکس یہ بیان کرتی ہیں (۱) ابرہہ اپنی فوج گراں

---

[1] طلوع اسلام نمبر ۱۹۶۳ء ص ۵۸

Marfat.com

ے کر کہ جس میں بہت سے ہاتھی بھی شامل تھے علی الاعلان یمن سے مکہ کے لیئے نکلا تھا اور اسی لئے راہ میں بعض قبائلِ عرب نے مزاحمت کی اور ناکام رہے (۲) ابرہہ کے اس خروج کی تمام اقطاعِ عرب میں شہرت ہوگئی تھی (۳) اس لئے ابرہہ کی تدبیرِ جنگ خفیہ نہیں بلکہ علانیہ تھی (۴) ابرہہ نے حجاز پہنچکر عبد المطلب سے صاف کہدیا تھا کہ مجھے قریش سے کوئی سروکار نہیں ہیں تو کعبہ کے انہدام کے لئے آیا ہوں (۵) عبد المطلب اور قریش نے "تاب مقاومت نہ رکھتے ہوئے مقابلہ نہیں کیا بلکہ پہاڑی پر چلے گئے (۶) مشیت کا منشا کعبہ کی حفاظت تھی نہ کہ قریش کا بچانا کیونکہ ابرہہ کعبہ ہی کو گرانے آیا تھا

اب جب کہ نہ قرآن ہی میں ان اضافوں کا ذکر ہے جن کو جدید مفسر صاحب نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے اور نہ ان کی بیان کردہ تفصیلات کے لئے کوئی تاریخی یا حدیثی سند موجود ہے تو ایسی تفصیلات پر مبنی تفسیر بلاشبہ تفسیر بالرائے اور قطعًا غلط اور مہمل ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مفسر صاحب کے ان تمام اضافوں کی بنیاد صرف لفظ "کید" ہے جو سورہ الفیل کی آیت "اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ" میں مذکور ہے اور جس کے معنی انھوں نے "خفیہ تدبیر" کے کئے ہیں لیکن یہ بات بھی لغو ہے اس لئے کہ اول تو فقط لفظ "کید" سے یہ داستانِ طویل کس طرح وجود میں آسکتی ہے تاوقتیکہ اس کے لئے قرآن کے اندر یا باہر سے کوئی سند موجود نہ ہو دوسرے لغت عرب میں "کید" کے معنی "خفیہ تدبیر" کے لئے ہرگز مخصوص نہیں ہیں بلکہ کبھی وہ "شر آمیز تدبیر" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے خواہ علانیہ ہو یا خفیہ اور کبھی "مطلق جنگ" کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

الکید، الحیلہ، المکر، الخبث، الحرب اور ان سب معانی میں "شر آمیز تدبیر" کا مفہوم مشترک ہے بلکہ خود قرآن نے لفظِ کید کو مختلف مقامات پر "مطلق تدابیر" اور "طریق کار" کے معنی میں یا "علانیہ تدبیر" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ سورہ حج میں ہے۔

مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ	جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت
اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ	میں کوئی مددگار نہیں دیگا (یعنی خدا سے نا امید ہو) تو اس کو
بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ	چاہیئے کہ آسمان کی بلندی تک رسی کھینچ لے جائے اور جب

Marfat.com

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ (الآیہ)

(سورۃ الحج)

اسکو پکڑے ہوئے معلق ہو تو چاہیئے کہ اس کو کاٹ ڈالے پھر دیکھے کہ اسکی تدبیر اور اسکا یہ طریق کار کیا اس چیز کو کھو دیگا جو اس کو غصہ میں لاتی ہے (یعنی خدا سے نا امید ہونا ایسا ہی جیسا کہ کوئی شخص کسی بلندی پر رسی باندھ کر چڑھے اور پھر بیچ میں پہنچکر اس کو کاٹ ڈالے۔

اس مقام پر "کید" کے معنی فقط طریق کار" اور مطلق تدبیر کے ہیں اور خفیہ اور علانیہ دونوں شرطوں سے آزاد۔

اور سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ

کافروں نے کہا تم اس (ابراہیم) کو آگ میں جلا ڈالو اور اپنے معبودوں (بتوں) کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو ہم نے کہا (اللہ تعالیٰ نے کہا) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کی چیز بن جا اور انھوں نے (کافروں نے) ابراہیم کے ساتھ بری تدبیر کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو ہی خسارہ اٹھانیوالوں میں کر دیا۔

اور سورۂ والصّٰفّٰت میں ہے۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ

انھوں نے (مشرکوں نے) کہا بناؤ اس کے (ابراہیم کے) لئے ایک عمارت (یعنی آگ کی بھٹی) پھر ڈالدو اس کو آگ کی بھٹی میں پس انہوں نے اس کے ساتھ بری تدبیر کا ارادہ کیا سو کر دیا ہم نے ان کو ذلیل و خوار

ان ہر دو مقامات کا سیاق کلام یہ ہے کہ جب مشرکین ابراہیم علیہ السلام کے واضح اور روشن دلائل توحید کے مقابلہ میں لاجواب اور عاجز ہو گئے تو قبول حق کی بجائے غیظ و غضب میں آکر انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ

Marfat.com

یہ شخص چونکہ ہمارے معبودوں (بتوں) کے حق میں گستاخ ہے اس لئے اس کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر زندہ جلادو۔ ابراہیم علیہ السلام اس فیصلہ کو سن رہے تھے مگر انھوں نے مطلق کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے اعلانِ حق پر قائم رہے۔

قرآن نے مشرکین کے اس فیصلہ کو "کید" سے ہی تعبیر کیا ہے حالانکہ وہ خفیہ نہیں تھا بلکہ علانیہ تھا غرض جب کہ "کید" خفیہ تدبیر کے لئے مخصوص نہیں ہے تو جب تک وضاحتِ کلام یا واضح قرینہ اس کا متقاضی نہ ہو کہ فلاں مقام پر "کید" کے معنی "خفیہ تدبیر" کے ہونے چاہئیں اس لفظ کو اس معنی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔

اور ظاہر ہے کہ سورۃ الفیل میں اس تخصیص کے لئے نہ کوئی وضاحت موجود ہے اور نہ کوئی واضح قرینہ حتیٰ کہ خود جدید مفسر صاحب کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پاس اپنی بیان کردہ خفیہ تدبیر کی داستان کے لئے لفظ "کید" کے سوا نہ قرآن کے اندر سے کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ باہر سے اس لئے انھوں نے ابرہہ کی لشکر کشی سے متعلق داستان بیان کرتے ہوئے بے سند یہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے "یہ تھی اس کی خفیہ تدبیر "کید" اور یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ "کید" کی یہ تفصیل انھوں نے کہاں سے حاصل کی ہے؟

یہ سوال اس لئے اور بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس مقام پر "کید" کے معنی "خفیہ تدبیر" ہی کے ہیں تب بھی تو یہ ضروری نہیں ہے کہ خفیہ تدبیر کی تفصیلات وہی ہوں جو جدید تفسیر میں بیان کی گئی ہیں۔ کیوں کہ "خفیہ تدبیر کو کسی خاص تفصیل کے اندر محدود کرنے کے لئے دلیل اور سند درکار ہے۔

نیز جب کہ سورۃ الفیل میں "اصحاب الفیل" کا ذکر ایک واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس سلسلہ میں محض احتمالاتِ عقلی بے معنی ہیں بلکہ از بس ضروری ہے کہ واقعہ کے بنیادی اجزاء و تفاصیل خود قرآن میں موجود ہوں اور مفسرین کے ذہنی اختراع و ایجاد کے محتاج نہ ہوں اور پھر فروعی تفاصیل بھی اگر بیان کی جائیں، تو ان کے لئے بھی داخلی یا خارجی سندِ صحیح کا ہونا ضروری ہے ورنہ تو واقعہ

Marfat.com

واقعہ نہیں رہے گا بلکہ ہر شخص کی دماغی اُپج کا کھلونا بن کر رہ جائے گا۔

جدید تفسیر میں خفیہ تدبیر کی بیان کردہ تفصیلات کے متعلق ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ آیت "وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ" میں "ارسالِ طیر" اور "کید" دونوں مل کر اس تفصیل کو ظاہر کرتے ہیں تو یہ کہنا لغو اور بے سود ہے اس لئے کہ اس آیت میں تو صرف یہ کہا گیا ہے کہ "بھیجدئے ہم نے ان پر پرند جھنڈ کے جھنڈ" اور جدید مفسر صاحب یہ فرما چکے ہیں کہ آسمانی فضا میں بارہ دادر بموں کے استعمال سے قبل مردار خوار جانور لشکروں کے ساتھ ساتھ اس لئے منڈلاتے ہوئے چلتے تھے کہ ان کی فراست راہنمائی کرتی تھی کہ اب ان کی غذا کا سامان مہیا ہونے والا ہے اور شعراء عرب کے اشعار سے مصنف نظام القرآن بھی یہ استشہاد کر چکے ہیں کہ جب دو فریق میدان جنگ میں نبرد آزما ہونے کے لئے اپنی جگہ سے روانہ ہوتے تھے تو ان کے سروں پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اڑتے ہوئے چلا کرتے تھے تاکہ مردہ نعشوں سے غذا حاصل کریں۔

تو تفسیر جدید کے مطابق ان دونوں باتوں کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے کہ آیت "وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ" یہ ظاہر کرتی ہے کہ عام حالات جنگ کی طرح اس جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجدئے کہ وہ اس کی مردہ نعشوں سے غذا حاصل کریں لیکن "خفیہ تدبیر" کی یہ تفصیلات کہ (۱) قریش پر اس انداز سے حملہ کیا جائے کہ حملہ اچانک ہو اور قریش کو بے خبر جا پکڑا جائے (۲) چنانچہ اس نے ایسا راستہ اختیار کیا کہ وادیوں میں چھپتا چھپاتا مکہ تک آپہنچے (۳) لیکن مشیت کا منشا چونکہ اہل مکہ کا بچانا تھا اس لئے اس میں ایک ایسی کڑی ساتھ جا لگی جس سے یہ تمام اسکیم ناکام ہو کر رہ گئی (وہ یہ کہ) پرندوں کے جھنڈ اس فوج پر منڈلاتے ہوئے ساتھ ہو گئے اور یوں زمین کی مخفی تدبیر کا راز آسمان کے پرندوں نے کھول دیا (۴) اہل مکہ جانتے تھے کہ اس قسم کے پرندوں کی پرواز کا کیا مطلب ہوتا ہے وہ اس دہوئیں سے نیچے کی آگ کا پتہ پا گئے" نہ آیت "اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ" (الایۃ) سے ظاہر ہوتی ہیں اور نہ "کید" سے اور نہ دونوں کو باہم ملا کر مطلب حاصل کرنے سے ان تفصیلات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے بلکہ یہ تک ظاہر نہیں ہوتا کہ اصحاب الفیل نے جو کید کیا تھا

Marfat.com

وہ "خفیہ تدبیر" کی ہی صورت میں تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جدید تفسیر میں باین ادعا رتر دید مسلک سلف صالحین (رحمہم اللہ) خفیہ تدبیر کی ان تفصیلات کے لئے کوئی ثبوت بہم نہ پہنچایا جا سکا اور جو کچھ کہا گیا صرف دماغی اختراع سے کہا گیا ہے اور اگر جدید مفسر صاحب کے پاس ان کے لئے کوئی سند داخلی یا خارجی موجود ہے تو اس کے لئے صرف یہی کہا جا سکتا ہے "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ"

تفسیر زیر بحث میں واقعہ سے متعلق تفصیلات کو اپنی جانب سے گڑھ کر جو شکل و صورت دی گئی ہے اس میں جدید مفسر صاحب نے جگہ جگہ اس پر زور دیا ہے کہ اصحاب فیل کا مقصد قریش پر حملہ کرنا اور ان کو تباہ و برباد کرنا تھا اور مشیت کا منشا ان کو بچانا تھا اسی لئے وہ سب کچھ ہوا جو سورۃ الفیل میں مذکور ہے لیکن ان تاریخی تفصیلات سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے جو واقعہ سے متعلق کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں اور جو بے تکلف سورۃ الفیل کی آیات کی تفسیر یا تفصیل کرتی ہیں تب بھی بخاری و مسلم (صحیحین) کی احادیث تفسیر جدید کے اس بنیادی مقدمہ کے قطعاً خلاف فیصلہ دیتی ہیں اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ "اصحاب فیل" کی یہ جنگ قریش کی تباہی کے لئے نہیں تھی بلکہ "کعبۃ اللہ" کی بربادی کے لئے تھی اور اس لئے مشیت کا منشا کعبہ کی حفاظت تھا نہ کہ قریش کو بچانا۔

چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت مسور بن مخرمہ سے حدیبیہ کے واقعہ سے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں ہے۔

مسلمان اگرچہ جنگ کی نیت سے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کے مقصد سے مکہ جا رہے تھے مگر مشرکین نے یہ سمجھا کہ جنگ کا ارادہ ہے اس لئے خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) مقدمۃ الجیش بن کر راہ روکنے کے لئے ایک چھوٹے دستہ کے ساتھ آگے بڑھے صدیق اکبر نے یہ دیکھا تو کہا بخدا ہمارا ارادہ کعبہ کی زیارت کے سوا اور کچھ نہیں ہے لیکن اگر مشرکین مکہ ہمارے اس نیک مقصد میں حائل ہوئے تو ہم بے شبہ مقابلہ کریں گے تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہ بدل کر چلو تاکہ خالد کو پتہ نہ چلے کہ ہم کس طرف

Marfat.com

سے ہوکر آرہے ہیں اور ایک لخت ان کے سر پہ پہنچ جائیں. چنانچہ جب مسلمان ثنیۃ المرا (پہاڑی ٹیلہ) پہ پہنچے جہاں سے اچانک خالد کے دستہ پہ حملہ کیا جاسکتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصواء) بیٹھ گئی. صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر چند اس کو اٹھانا چاہا مگر وہ نہ اٹھی تب سب کہنے لگے قصواء بھڑک گئی اور بے قابو ہوگئی آپ نے ارشاد فرمایا قصواء نہ بھڑکی ہے اور نہ بے قابو ہوئی اور نہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اس کو اسی خدا نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھیوں والوں کو روک دیا تھا (فقال صلی اللہ علیہ وسلم ماخلاءت وما ذاک لہا بخلق ولکن حبسہا حابس الفیل) اور پھر فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے مشرکین مکہ شعائر اللہ کی عظمت کے سلسلہ میں جس بات کے بھی طالب ہوں گے میں اس کو پورا کروں گا اس ارشاد کے بعد اونٹنی کو ڈپٹا اور اونٹنی فوراً کھڑی ہوگئی اور حدیبیہ کے آخری کنارہ پہ جا پہنچی [1]

اس روایت میں "حبسہا حابس الفیل" فرما کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ اگر شعائر اللہ کی حرمت کے سلسلہ میں کسی بات کے بھی طالب ہوں گے تو میں اس کو پورا کروں گا تو یہ ارشاد مبارک صاف صاف یہ ظاہر کر رہا ہے کہ "حابس الفیل" نے جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے یہ عہد لینے کے لئے "قصواء" کو چلتے چلتے روک دیا کہ اگر قریش سے جنگ پیش آئی تو وہ حرم اور کعبہ کی عظمت و حرمت کو مطلق کوئی آنچ نہ آنے دیں گے اسی طرح ماضی میں خدائے تعالیٰ نے اصحاب فیل کو اس لئے برباد کر دیا اور مکہ تک نہ پہنچنے دیا کہ وہ حرم اور کعبہ کو برباد کرنے اور اس کی توہین کرنے آئے تھے چنانچہ خالد کے آمادہ جنگ ہونے اور صدیق اکبر کے ارادہ مقاومت نے جب صورتِ حال کو جنگ کے قریب کر دیا تو حرم کے قریب پہنچ کر بحکم رب العلمین آپ کی ناقہ بیٹھ گئی تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ اعلان کرایا جائے کہ مشرکین مکہ سے ارادہ جنگ ہے لیکن سرزمین مکہ شعائر اللہ کا مرکز و محور ہے یہاں کعبۃ اللہ ہے۔ مقام ابراہیم ہے سعی ہے مسجد حرام ہے اور تمام سرزمین مکہ حرم

[1] غزوۃ الحدیبیہ

Marfat.com

ہے اس لئے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مشرکین مکہ (قریش) سے جنگ کے سلسلہ میں شعائر اللہ کی حرمت وعظمت میں کوئی فرق آنے پائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس حقیقت حال کو فراستِ وحی سے سمجھ رہے تھے اس لئے اول آپ نے ناقہ (قصواء) کے بیٹھ جانے کی وجہ بیان فرمائی اور اس کے بعد یہ مسطورہ بالا اعلان فرمایا اور اب جب کہ کعبۃ اللہ اور شعائر اللہ کی عظمت وحرمت کا وعدہ منجانب اللہ لے لیا گیا تو اس کے فوراً بعد ہی خدا کے حکم سے قصواء خود بخود کھڑی ہو گئی اور منزلِ مقصود کی جانب گام زن ہوئی۔

اور بخاری ومسلم (صحیحین) کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز جو خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو ہاتھیوں کی یورش سے بچا لیا تھا مگر اس نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اس پر قبضہ دیدیا تو یاد رہے کہ خدا کے اس حرم کی عظمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح اس سے پہلے تھی جو موجود ہیں ان کو چاہیئے کہ غائب تک اس خبر کو پہنچا دیں۔"

اس روایت میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو ہاتھیوں کی یورش سے قریش کی خاطر نہیں بلکہ کعبۃ اللہ اور حرم کی عظمت وحرمت کی خاطر بچایا تھا اور پھر مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے بچانے کے لئے کہ کہیں وہ فتح مکہ کے زعم میں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مکہ میں جنگ کی اجازت نے حرم کی عظمت آج کچھ کم کر دی ہے یہ خطبہ ارشاد فرما کر حقیقت حال کو واضح فرمایا اور تاکید فرمائی کہ جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں موجود حضرات اس ہدایت کو ان تک پہنچا دیں بلکہ امت مسلمہ کو ہمیشہ پہنچاتے رہیں۔

قریش کی بقا اور ان کی حفاظت اور حرم وکعبہ کی بقا اور ان کی حفاظت یہ دو جدا جدا حقائق ہیں اور خدائے تعالیٰ نے دوسری حقیقت کی حفاظت کو اپنے ذمہ لیا ہے نہ کہ پہلی کو اس کے متعلق فتح مکہ کے وقت بعض صحابہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ نے شاید نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی خاطر حرم کی عظمت وحرمت کو بھی نظر انداز کر دینے کی اجازت دیدی

Marfat.com

ہے۔ یہی غلط فہمی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پیش آئی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے بہت سختی کے ساتھ ان کے اس خیال کی تردید فرمائی اور صرف یہی نہیں کیا بلکہ ان کو ان کے لشکر کی سرداری سے بھی معزول کر دیا۔ چنانچہ بخاری نے فتح مکہ سے متعلق حضرت عروہ کی طویل روایت میں اس طرح اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ پرچم لہراتے ابوسفیان کے پاس سے گذرے تو کہنے لگے ابوسفیان الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبۃ" (آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ کی حرمت کو بھی گزند پہنچ جائیگا یہ سن کر ابوسفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ سعد یہ کہہ رہے ہیں آپ نے سن کر فوراً فرمایا: کذب سعد ولکن ھذا الیوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ ویوم تکسی فیہ الکعبۃ" (سعد نے جو کہا جھوٹ کہا آج کا دن وہ ہے جس میں کعبہ کی عظمت کو اللہ تعالیٰ زیادہ بلند کرے گا آج کا دن وہ ہے کہ کعبہ کی حرمت کے لئے اس پہ غلاف چڑھایا جائے گا اور بعض روایات میں اس کے ہم معنی یہ الفاظ ہیں" الیوم یوم المرحمۃ الیوم تکسی الکعبۃ"

اس روایت میں اگرچہ "اصحاب فیل" کا کوئی حوالہ نہیں ہے مگر فتح مکہ کے دوران میں اس واقعہ کے پیش نظر آجانے سے یہ حقیقت بہرحال اور زیادہ روشن ہوگئی کہ جنگ و صلح ہر دو حالات میں اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ قریش کی حفاظت نہیں بلکہ کعبہ اور حرم کی حفاظت مقصود رہی ہے۔

فتح مکہ میں آخر قریش مکہ پر ہی ان کی بدعہدی کی وجہ سے چڑھائی ہوئی اور اگرچہ قریش کے فرار سے جنگ کی صورت پیدا نہیں ہوئی تاہم جن قریشیوں نے تھوڑی بہت مزاحمت کی وہ قتل بھی ہوئے مگر حابس الفیل" نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ مسلمانوں کو ہی کامیاب کر دیا کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمانوں کا اعلان جنگ قریش کے لئے تھا اور وہ اس طرح کعبہ اور حرم کی حقیقی عظمت و حرمت کو واپس لانا چاہتے تھے اور اصحاب الفیل کو تباہی اور بربادی سے اس لئے واسطہ پڑا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود وہ مشرکین مکہ (قریش) کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوئے تھے بلکہ مرکز توحید کعبۃ اللہ

Marfat.com

کو برباد کرنے کے ارادہ سے آئے تھے۔

ہم نے جدید مفسر صاحب کی مفروضہ داستان کے خلاف نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے اگرچہ مسکت اور فیصلہ کن شواہد پیش کر دیے ہیں مگر ہم یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں اپنی من گھڑت داستان کے سامنے احادیث کی یہ شہادات اسی طرح قابل مضحکہ اور لائق سخریہ ہیں جس طرح وہ اپنے مزعومہ اسلامی رسالہ میں بخاری اور مسلم کی بعض دوسری احادیث کا مذاق اڑا چکے اور ان کو ناقابل اعتقاد قرار دے چکے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ

الحاصل جس طرح موثق دلائل وشواہد کی روشنی میں تفسیر جدید کا یہ بنیادی مقدمہ یا اختراعی تفاصیل کا یہ اہم حصہ بے بنیاد اور باطل ہے اسی طرح باقی حصص کو بھی بمصداق قیاس کن زگلستان من بہار مرا" سمجھ لیجیے کہ ان کی حقیقت کیا ہے کہ ان کے لئے نہ قرآن کے اندر کوئی سند موجود ہے اور نہ باہر تاریخ واحادیث سے کوئی ان کو تائید حاصل ہے۔

مگر تفسیر بالرائے پر جدید مفسر صاحب کی یہ جسارت کس درجہ حیرت زا ہے کہ وہ اپنی خود ساختہ تفسیر کے مقابلہ میں سلف سے منقول تفسیر پر جو کہ احادیث صحیحہ عرب روایات اور تاریخی تواتر سے مؤید ہے "تل کے اوٹ پہاڑ" کی پھبتی کسنے سے بھی نہیں چوکتے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اگر مفسر صاحب نے باقی تفسیر قرآن میں بھی یہی گل کاریاں کی ہیں اور اسلامی خدمت کے لئے اسی پیمانہ کو معیار بنایا ہے تو ہم اس خدمت دین کے لئے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے[۵] کہ ہمیں

کتب است وہم ملا   کار طفلاں تمام خواہد شد

چند تشریحی مطالب

(۱) آیت "وارسل علیھم طیرا ابابیل" میں ابابیل پرندوں کی جماعت کو کہتے ہیں اور اس کے مفہوم میں "جماعت اور تابع" دونوں ایک ساتھ داخل ہیں یعنی وہ پرند مراد ہیں جو پرے کے پرے بن کر اڑتے اور اڑتے ہوئے ایک دوسرے میں گھسنے کی کوشش کرتے ہوں چنانچہ لغت میں ہے "الابابیل" الفرق طیرا ابابیل متتابعۃ مجتمعۃ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ابابیل ای تتبع بعضھا بعضا" اور یہی مجاہد سے منقول ہے اور پرے کے پرے

[۵] طلوع اسلام

بن کر اس طرح اڑنا کہ ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوا ہے طبعاً اور فطرۃً بعض چھوٹے پرندوں کا خاصہ ہے بعض علماء لغت کہتے ہیں کہ یہ "ابالۃ" کی جمع ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ یہ ایسی جمع ہے جس کے لئے کوئی واحد نہیں ہے "الابابیل" "جمعٌ لا واحد لہٗ"۔

(۲) "حجارۃ من سجیل" میں حجارۃ کو "سجیل" کے ساتھ مقید کیا ہے یہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سے وہ شے مراد ہے جس کو فارسی میں "سنگِ گل" اور اردو میں "کنکھر" کہتے ہیں اور یہ کہ سنگ اور سنگریزوں کو "سجیل" نہیں کہا جاتا بلکہ ان کے لئے حجر (پتھر) اور حصیٰ (سنگریزہ یا پارہ ہائے سنگ) بولا جاتا ہے۔ اہل لغت، پتھر اور پتھر سے مشابہ اشیاء کے درمیان جو فرق بیان کرتے ہیں اس کا حاصل بھی یہی ہے یعنی الحجر پتھر، الحصیٰ سنگریزہ یا پارۂ سنگ، سجیل کنکر یا سنگ گل، الخذف مٹی کے برتنوں کے شکستہ ٹکڑے یا ٹھیکری۔

لہٰذا جس شخص نے "حجارۃ من سجیل" کے معنی سنگ یا پارۂ سنگ سمجھ کر "ترمیہم" کا ترجمہ "سنگ باری کر رہے تھے" کیا ہے غلط کیا ہے کیونکہ یہ لغت اور محاوراتِ عرب دونوں کے خلاف ہے اور اس لئے اس معنی پر مبنی تفسیر بھی صحیح نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن نے حصیٰ کو مجازاً "سجیل" کہا ہے تو ثابت کرنا چاہیئے کہ قرآن نے حقیقت کو چھوڑ کر کس لئے اس مقام پر مجاز استعمال کیا ہے؟

اور اگر "سجیل" کے حقیقی معنی مراد ہیں تو یہ بتانا چاہیئے کہ مکہ کی اس پہاڑی پر جہاں چڑھ کر قریش نے کنکھر مارے یہ کنکھر کہاں سے آ گئے تھے جب کہ پہاڑیوں پر سنگریزے یا پارہ ہائے سنگ تو ہوتے ہیں مگر کنکر نہیں ہوتیں؟

(۳) آیت "فجعلہم کعصف ماکول" اس بات کے لئے نص ہے کہ ایسی فوجِ گراں کا جس میں ہزارہا مسلح لشکریوں کے علاوہ دیو پیکر ہاتھی بھی تھے کنکروں کی مار سے کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو جانا اور فرار ہو کر جان بچا لینے کی مہلت تک نہ ملنا قدرت کے اعجازی کے ذریعہ وقوع پذیر ہوا اور اسباب عقلی و عادی کے ماتحت عمل میں نہیں آیا۔

بصائر و عبر | مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون "تعذیب اقوام"

Marfat.com

امم" بہ تقاضائے حکمت دو دور میں منقسم رہا ہے۔

(۱) جب تک پیروانِ دین حق اور متبعین پیغمبرانِ خدا کی تعداد معاندین اور مخالفین کے مقابلہ میں اس قدر قلیل رہی ہے کہ عام حالات میں وہ دشمن کے مقابلہ سے معذور رہے ہیں تو اس پورے دور میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے زمین و آسمان یعنی اجرام ارضی و فلکی کے ذریعہ ان کی نصرت و حمایت کا سامان ہوتا رہا ہے اور تعلیم حق و صداقت سے سرکش اور متمرد قوموں پر قدرت بلا واسطہ مختلف قسم کے زمینی اور آسمانی عذاب نازل کرتی رہی ہے چنانچہ قوم نوح (علیہ السلام) عاد، اصحاب ایکہ فرعون و قوم فرعون وغیرہ اقوام و امم سب اسی قسم کے عذاب سے ہلاک و برباد کی گئیں یہ دور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) جب جاں نثارانِ حق و صداقت کی تعداد اس درجہ پر پہنچ گئی کہ وہ اگرچہ معاندین کے مقابلہ میں تھوڑے بھی رہے ہوں تب بھی اپنی تعداد کی اکثریت کے لحاظ سے دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے کے قابل ہیں تو پھر "سنۃ اللہ" یہ رہی ہے کہ خود فدا کارانِ حق اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ میدان کارزار میں نکل کر دشمنانِ خدا کا مقابلہ کریں اور اپنی جان کی بازی لگا کر ملتِ بیضاء اور دین حق کی حمایت کے لئے سینہ سپر بنیں اور ساتھ ہی سچے رسولوں کے ذریعہ یہ وعدہ بھی دیا جاتا رہا کہ ثمرہ اور نتیجہ میں فتح و نصرت تمہارا ہی حصہ ہے "وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" اور یہ نصرت و فتح کبھی ملائکۃ اللہ کی معیتِ جہاد سے پوری کی جاتی ہے اور کبھی اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

غرض جن قوموں نے بھی حق و صداقت کے ظاہر ہو جانے اور خدائے برتر کے سچے پیغمبروں کی صداقت کو جان لینے کے بعد ازراہِ عداوت و غرور تعلیم حق سے نہ صرف منہ موڑا بلکہ اس کو مٹانے کی سعی ناکام کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو پاداشِ عمل کے چرخ پر کھینچ کر اور مختلف قسم کے عذاب چکھا کر صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور اگرچہ ان کی تعذیب کا قانون عام طور سے ان ہی دو دوروں کے اندر منحصر رہا تاہم اللہ تعالیٰ کی حکمت کسی خاص طریق کار کے دائرہ میں محدود نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ہماری اس تقسیم میں بعض مستثنیات بھی موجود ہوں البتہ تتبع اور استقراء کے پیش نظر یہ تقسیم ضرور صحیح ہے

Marfat.com

(۲) کعبۃ اللہ کے خلاف اصحابِ فیل کی لشکر کشی اگرچہ قانون تعذیبِ امم کے دوسرے دور میں پیش آئی لیکن ایسے حالات اور ایسے زمانہ میں پیش آئی جو دورِ اول کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں یعنی "فترۃ وحی" (انقطاع وحی) کا زمانہ جس میں نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی اور نہ وقت کے سچے دین کے حامل ہی نظر آتے ہیں اور اگر ہیں بھی تو منتشر افراد ہیں نہ کہ بااثر جماعت کہ وہ کعبۃ اللہ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو بلکہ ایک مدعی دینِ مسیحی ہی کعبہ ابراہیمی اور مرکزِ توحید کو برباد کرنے کے درپے نظر آتا ہے۔

اور مشرکینِ مکہ شرک وکفر کے باوجود اگرچہ "بیت اللہ" کی عظمت کے قائل ہیں مگر ایسی فوجِ گراں کے مقابلہ میں تاب مقاومت نہیں رکھتے کہ جس کے ساتھ دیو پیکر ہاتھی بھی ہیں اور کعبہ کو ربِ کعبہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں پناہ گزیں ہو جاتے ہیں تو ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یہ کہ ابرہہ اور اس کا لشکر (اصحاب فیل) کامیاب ہو اور بیت اللہ برباد کر دیا جائے اور دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایسا نشان (معجزہ) ظاہر کرے جو اسباب ووسائل سے بالاتر ہو کر اس مرکزِ دین اور قبلۂ عالم "کعبہ" کی عظمت وحرمت کی حفاظت کا ضامن ہو اور ابرہہ اور اس کے لشکر (اصحاب فیل) کو قانونِ تعذیبِ امم کے پہلے دور کے مطابق ہلاک وبرباد کر دے تاکہ یہ واقعہ کائناتِ انسانی کے لئے باعثِ عبرت وبصیرت ہو چنانچہ حضرتِ حق کی جانب سے یہی دوسری صورت رونما ہوئی اور اس کے اعجازِ قدرت نے "اصحابِ فیل" پر جو عذاب سماوی نازل کیا تھا سورۃ الفیل میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔ "ذلک هو الحق" "وما ذلك على الله بعزيز"

(۳) یہ واقعہ ولادتِ باسعادت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے چند روز قبل[۱] پیش آیا یہ وہ وقت تھا جب کہ کائنات کا گوشہ گوشہ خدا پرستی اور توحیدِ الٰہی کے نغموں سے محروم ہو چکا تھا، خدا کی بھیجی ہوئی سچی تعلیم کے مدعی ہر جگہ موجود تھے مگر سچی تعلیم معدوم ہو چکی تھی اور ادیان وملل کے اصل خدوخال اور ان کی حقیقی شکل وصورت کو تحریف وتبدیل کے مرض نے مسخ کر دیا تھا۔ ہر جگہ شرک وکفر کا دور دورہ تھا کہیں اصنام پرستی ہو رہی تھی تو کسی جگہ کواکب پرستی کا شور تھا کہیں آتش پرستی مقصدِ عبادت

(۱) کتب سیر میں راجح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ ولادت باسعادت سے پچاس روز قبل پیش آیا۔

Marfat.com

تھی توکسی مقام پر عناصر پرستی دین کا لقب الیعین بن چکی تھی، کہیں تثلیث نے جگہ پاکر حضرت یسوع کو "مسیح بن اللہ" بنا یا تھا تو کسی گروہ نے "عزیر بن اللہ" کہہ کر مذہب کے نام کا سہارا لیا تھا غرض ساری کائنات میں یا خدا کا انکار کارفرما تھا اور یا پھر اصنام پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی حیوانات پرستی نے فلسفیانہ تخیل کی آڑ لے کر شرک و کفر کو نمایاں کیا تھا۔ اس لئے یہاں خدا پرستی کے علاوہ اور سب کچھ موجود تھا اگر مفقود تھی تو وہ فقط خدائے واحد کی پرستش ہی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر غیرت حق کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب وہ نورِ ہدایت روشن اور وہ آفتاب رسالت جلوہ گر ہو جو کسی ایک خاص خطۂ دنیا کو ہی نہیں بلکہ تمام عالم اور ساری کائنات کو "راہِ مستقیم" دکھائے اور کائنات پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی سکھائے۔ وہ گم کردہ راہ انسانوں کو راہ بتائے اور بھٹکے ہوئے غلاموں کو حقیقی مالک و آقا سے ملائے، ٹوٹے ہوؤں کا رشتہ جوڑے اور جاہلیت کی زنجیروں کو توڑے وہ دعائے خلیلؑ اور نوید مسیح کا حامل ہو اور اس مرکز توحید "کعبہ" کی حقیقی عظمت و حرمت کا داعی جو خدا پرستی کے لئے سب سے پرانا اور مقدس گھر ہے اور جس کی تعمیر کا شرف ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) جیسے پیغمبروں کو بخشا گیا۔ آج اسرائیل کے خاندان سے "دعوت حق کی امانت واپس لے لی گئی کیونکہ انھوں نے خیانت کی اور اپنے بزرگوں کی وصیت کو فراموش کر دیا" ان نعبد الهك واله ابائك ابراهيم واسمعيل واسحق" آج اسمٰعیل کا خاندان نوازا گیا اور خدا کی پاک امانت "سلالۂ اسمٰعیلی" کو عطا کر دی گئی۔ وقت آرہا ہے کہ رسالت و نبوت کا یہ چاند عنقریب غار حرا طلعت کرے اور آفتاب حقیقت بن کر دنیا پر چمکے اس کی ملت، ملتِ ابراہیمی کہلائے اور دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر (کعبہ) پھر قبلۂ عالم اور مرکز کائنات بنے۔

ادھر حضرت حق کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ دوسری جانب دنیا کی ایک حقیر ہستی یمن اور حبشہ کی فانی حکومت کے زعم میں یہ چاہتی ہے کہ مرکزِ توحید اور کعبۂ ملتِ حق "بیت اللہ" کو برباد کرکے اور صفحۂ ہستی سے مٹا کر مرکزِ تثلیث صنعا کے "القلیس" کو کائنات انسانی کا قبلۂ مقصود اور کعبۂ محمود بنائے اور اس طرح توحیدِ خالص کی جگہ تثلیث کی شرک پرستی کو فروغ دے، وہ سمجھتا ہے کہ میری فوج گراں

Marfat.com

اور شوکت وہیبت کے مقابلہ سے سارا عرب عاجز و درماندہ ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ ہیبت ہاتھیوں کا یہ لشکر جب "کعبۃ اللہ" کو منہدم کرنے کے لیے آگے بڑھے گا تو خدا کے اس گھر کو کوئی نہ بچا سکے گا اس لیے وہ کروفر اور ہیبت وعظمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یمن سے چلتا ہے اور راہ میں جو قبائل مزاحمت کرتے ہیں ان کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے سردار قریش عبدالمطلب جب اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو وہ اپنے غرور و نخوت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ ہمارا مقصد قریش سے نبرد آزما ہونا نہیں ہے بلکہ کعبہ کا انہدام و فنا مقصود ہے۔ عبدالمطلب اچھوتے اور عبرت آموز انداز میں اپنی بے چارگی اور تاب مقاومت سے معذوری کا اظہار کر کے کعبہ کو رب کعبہ کے سپرد کر کے قریش سمیت ابرہہ کی راہ مزاحمت سے ہٹ جاتے ہیں۔

اب مقابلہ انسانوں کا انسانوں سے نہیں ہے بلکہ فرعون صفت اور ہامان منش انسانی طاقت خدا کی طاقت سے ٹکرانا چاہتی ہے یہاں انسانی مقاصد دوسرے انسانوں کے مقاصد سے متصادم نہیں ہیں بلکہ حضرت حق کے مقصد پاک سے ایک ناپاک ہستی کا ارادہ ناپاک تصادم چاہتا ہے پھر نتیجہ کیا نکلا وہی جو ہونا چاہیے تھا کہ خدا کی معجزانہ قدرت کے سامنے انسانی قوت پاش پاش ہو کر رہ گئی اور اصحاب الفیل کا مقصد شر حضرت حق کے مقصد خیر کے مقابلہ میں خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین ٥ کا مصداق بن کر رہ گیا۔

آج نہ اصحاب الفیل کا نام و نشان باقی ہے اور نہ القلیس صنعار کا اور نہ وہ قریش مکہ ہی باقی ہیں جن کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا تھا لیکن قبلۂ توحید اور مرکز صداقت "کعبۃ اللہ" اسی طرح اپنی عظمت وجلالت کے ساتھ قائم و دائم ہے اور آج بھی قرآن عزیز اس کی رفعت شان کا بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہے" اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ بیشک سب سے قدیم وہ گھر جو انسان کی "خدا پرستی" کے لئے بنایا گیا۔ یقیناً وہ ہے جو مکہ میں ہے جو سرتاسر مبارک اور جہانوں کے لئے (مرکز) ہدایت ہے۔

(د) سورۂ الفیل کے مطالعہ سے دو باتیں صاف طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں۔

Marfat.com

ایک یہ کہ اس سورۃ میں ایک متمرد اور سرکش جماعت کی ہلاکت کا عبرت آموز واقعہ مذکور ہے۔
دوسرے یہ کہ اس واقعہ سے منجانب اللہ کعبۃ اللہ کی حرمت و عظمت کی حفاظت کا بصیرت افروز نتیجہ نکلتا ہے۔

اب رہا یہ امر کہ اس واقعہ کے بیان کرنے سے جو غرض و غایت ہے وہ اپنے اندر کیا اسرار و حکم محفوظ رکھتی ہے تو اگرچہ خدا کی حکمتوں کا احاطہ انسانِ فانی کے حیطۂ امکان سے باہر ہے تاہم بنظرِ استحسان دو حکمتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔

(الف) یہ واقعہ ولادتِ باسعادت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ایک زبردست "نشان" کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ نظامِ قدرت کے ابھرے ہوئے نقوش ہم کو یہ خبر دیتے ہیں کہ اس کارگہ عالم میں جب بھی کوئی عظیم انقلاب بپا ہوتا ہے تو اس کے وجود سے قبل ضرور ایسے آثار اور ایسی علامات ظاہر ہوتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر عبرت نگاہ اور حقیقت آگاہ انسان آنے والے انقلاب کا اندازہ کر لیتا ہے اور انسان ہی نہیں بلکہ حضرت حق نے حیوانات تک میں احساسِ جزئیات کا ایسا ملکہ ودیعت کیا ہے کہ وہ طوفانِ باد و باراں اور بھونچال جیسے حوادث کا پتہ صرف علامات و آثار سے پا لیتے اور وقت سے قبل ہی اپنے اضطراب کے ذریعہ دوسرے انسانوں کو ان حقائق کا علم کرا دیتے ہیں۔

دور نہ جائیے روزانہ ہونے والے انقلاب ہی کو دیکھیے اور اس سے اس حقیقت کی صداقت کو وزن کیجیے شبِ دیجور کی حیاتِ چند ساعت کا جب پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب عالمتاب کی وجہ سے اس کو پیامِ مرگ مل جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ رات کے آخری کنارہ پر پہونچ کر وہ کائنات کو اپنے رخِ روشن کا جلوہ دکھا دیتا ہو بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اول افقِ مشرق میں سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ تاریکی کو روشنی سے بدلتا جاتا ہے اس وقت ہر ذی ہوش یہ سمجھ جاتا ہے کہ خورشید خاور کی نمود کا وقت آ پہنچا گو نیند کے ماتے شبِ تاریک کی مرگِ ناگہانی اور سپیدۂ صبح کی منادی طلوع آفتاب سے غافل سوئے پڑے رہتے ہیں لیکن مردِ باہوش اس علامت کو دیکھ کر روزِ روشن کی آمد کا پتہ لگا لیتے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے ہیں تاکہ آفتاب عالمتاب کی ضوفشانی سے قبل ہی خود کو

Marfat.com

اس کے خیر مقدم کے لائق بنا سکیں۔

عالمِ مادی کے اس انقلاب کی طرح عالمِ روحانیات میں بھی "سنۃ اللہ" اسی طرح جاری وساری ہے کیونکہ تمام عالمین کا "رب" ایک ہی "وحدہٗ لاشریک لہٗ" ہستی ہے اس لیے ہر عالم کے لئے اس کے نوامیس وقوانین میں بھی وحدت اور یکسانیت جلوہ گر ہے۔

کائناتِ روحانی میں عالمِ مادی کے وجود ہی سے یہ انقلاب تو ہوتا ہی رہا کہ جونہی توحیدِ الٰہی کی روشنی پر کفر و شرک کی تاریکی نے غلبہ پایا ناموسِ الٰہی نے کسی روشن ستارہ یا قمر بالیلۃ البدر کے ذریعہ اس ظلمت کو کافور کر دیا لیکن ابھی عالم ایسی روشنی کا طلب گار تھا کہ اس کے طلوع کے بعد روشنی اور تاریکی کا فرق اس طرح نمایاں ہو جائے کہ پھر کبھی ظلمتِ کفر نورِ توحید پر اس طرح نہ چھا سکے کہ سراب اور آبِ حیات کے درمیان امتیاز مشکل ہو جائے ہاں اگر روزِ روشن کی موجودگی میں بھی کسی شپرہ کو آفتاب کی روشنی نظر نہ آئے تو یہ ایک جدا بات ہے کہ قصور کس کا ہے آفتاب کا یا شپرہ چشم کا؟

غرض جب وہ وقت قریب آپہنچا کہ نبوت و رسالت کا آفتابِ عالمتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) طلوع ہوا اور شرک و کفر کے پردہ ہائے ظلمت "ظلمات بعضہا فوق بعض" چاک کر دئے جائیں تو آسمان و زمین میں سپیدۂ صبحِ سعادت کے ایسے آثار و علائم نمودار ہونے لگے کہ چشمِ حق بیں اور دلِ حق آگاہ نے یہ محسوس کر لیا کہ عنقریب عالمِ روحانیت میں عظیم الشان انقلاب بپا ہونے والا اور وہ وقت آنے والا ہے کہ داستانِ شبِ سرد پڑ جائے گی اور حقیقت کا آفتاب چمک اٹھے گا اور دل و زبان یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

عالمِ روحانیات کا یہ سراجِ منیر[1] ظاہر ہے کہ سرزمینِ مکہ سے طلوع ہونے والا تھا اور اس کی دعوتِ عام کا محور و مرکز یہی مقدس مقام بننے والا تھا جہاں عبادتِ الٰہی کا سب سے پرانا گھر "کعبۃ اللہ" قبلہ عالم و عالمیان تھا پس ایسے عظیم الشان انقلاب کے وقت کفر و شرک کی ظلمتِ شب نے ایک آخری سہارا لیا اور نورِ آفتاب پر غالب آنے کی کوشش کی یہی وہ منظر تھا جو ابرہہ اور اس کے لشکر اصحابِ فیل

[1] قرآن نے مادی آفتاب کو بھی "سراج" ہی کہا ہے وجعل الشمس سراجا" اس لئے روحانی آفتاب کو بھی سراج منیر کہا۔

کی بدولت دنیا کے اس پردہ متحرک پر نظر آیا کہ کسی طرح مرکزِ توحید "کعبۃ اللہ" کو برباد کر کے مرکزِ تثلیث "قلیس" کو مرجع خلائق اور مرجعِ عبادت بنا دیا جائے تاکہ ظلمتِ شرک ایسا فروغ پائے کہ طلوعِ آفتاب کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔

مگر قدرت کے منشاء کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور خدا کے ارادہ پر کوئی ہستی غالب نہیں آسکتی لہٰذا دنیا نے دیکھا کہ یہ منظر بہت جلد ہی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہی رسالت و نبوت کے آفتابِ عالمتاب نے روشن ہو کر ساری کائناتِ الٰہی کو منور کر دیا۔

تو اب کہنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے قبل جو "نشان" ظہور میں آئے اور صبح سعادت کے لئے آثار و علامات کہلائے ان ہی میں سے "اصحاب فیل" کا واقعہ بھی ایک زبردست "نشان" اور "عظیم المرتبت" علامت ہے۔

(ب) اس واقعہ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنا بہت بڑا احسان یاد دلایا ہے کہ وہ یہ نہ بھول جائیں کہ جس وقت وہ "کعبہ" کی عظمت کے قائل ہونے کے باوجود ابرہہ (اصحاب فیل) کے مقابلہ سے عاجز رہے تھے جس میں اس نے "کعبہ" کی بربادی کا بیڑا اٹھایا تھا اس وقت ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ کے "نشانِ اعجاز" سے وہ کر دکھایا کہ دشمن کی شر آمیز تدبیر اور اس کا ارادہ بد دونوں خاک میں مل کر رہ گئے۔

کیا تم نے اس عبرت زا واقعہ سے یہ سبق حاصل نہیں کیا کہ یہ سب کچھ تمہاری خوشنودی کے لئے نہیں تھا جب کہ تم شرک کی تاریکیوں میں غرق اور کفر کی آلودگیوں میں ملوث تھے بلکہ "کعبہ" کی اس عظمت کی بقاء کے لئے تھا جس کی تعمیر بوڑھے پیغمبر ابراہیم (علیہ السلام) اور جوان پیغمبر اسمٰعیل (علیہ السلام) کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی اور جس کے متعلق انھوں نے یہ فرمایا " رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ " (اے میرے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو بن کھیتی کی سر زمین میں تیرے باعزت و حرمت گھر کے پاس۔

Marfat.com

اور اس حرم مقدس کی خاطر جس کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ" (وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار تو اس شہر "مکہ" کو امن والا کر دے اور مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے بچا کہ ہم بت پرستی میں مبتلا ہوں)

آج پھر وہ وقت ہے کہ خدا کا پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کی حقیقی عظمت قائم کرتا اور اس کو بتوں اور بت پرستی کی تلویث سے پاک کرنا چاہتا ہے مگر تم ان کو اور مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر اور اپنی قوت کے غرور اور گھمنڈ میں اکڑ کر آڑے آرہے ہو تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس ذات نے "اصحابِ فیل" کے کبر و غرور کو خاک میں ملا دیا تھا وہ تمہارے غرور کا بھی یہی حشر نہیں کر سکتا؟

سمجھو اور معاملہ کی حقیقت پر غور کرو اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آجاؤ۔

اس بات کی تائید سورۃ الفیل سے متصل سورۃ القریش سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ اس سورۃ میں قریش کو یہ توجہ دلائی گئی ہے یا ان پر اپنے اس احسان کو ظاہر کیا گیا ہے کہ عرب قبائل کے باہم بات بات پر جنگ و جدل اور معمولی معمولی معاملہ پر حرب و ضرب کے باوجود وہ حرم مکہ میں کس طرح مامون و محفوظ ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ اس کی خدمت کے انتساب کی وجہ سے حرم سے باہر بھی سردی اور گرمی دونوں موسموں میں اپنے محبوب تجارتی سفروں میں شام اور یمن تک بے خوف و خطر آتے جاتے ہیں اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی ان کی جانب دیکھنے نہیں پاتا۔

تو کیا وہ اس احسان کے شکر گذار نہیں ہوتے اور حرم اور کعبہ کی حقیقی عظمت کو سربلند کرنے کے لئے خدا کا آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو جس صداقت کی جانب بلاتا ہے اس پر لبیک کہنے کو تیار نہیں ہوتے ان کے لئے یہ بات ہرگز زیبا نہیں دیتی۔ "فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ" "پس ان کو چاہیئے کہ وہ اس گھر کے پروردگار کی سچی پرستش کریں کہ جس نے ان کی بھوک کے لئے سامانِ رزق بہم پہنچایا اور ان کو خوف و خطر سے مامون و محفوظ کر دیا۔"

Marfat.com

(۵) ابرہہ مذہبًا عیسائی تھا اور اس لئے وہ بیت اللہ "کعبہ" کی عظمت کو کسی طرح برداشت نہیں کرتا تھا اور اس کا وجود گویا ایک خار تھا جو کانٹے کی طرح اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ "کعبہ" معمولی پتھروں کی ایک سادہ عمارت ہے اگر اس کے مقابلہ میں ایک ایسی خوبصورت اور بے نظیر عمارت بشکل کلیسا (گرجا) تیار کی جائے جو بیش قیمت پتھروں اور جواہرات سے مزین ہو تو اس طرح میں سارے عرب کی توجہ "کعبہ" سے ہٹا سکوں گا اور اس جدید "معبد" کو مرجع خلائق بنا سکوں گا یہ سوچ کر ایک طرف اس نے یمن کے دار الحکومت صنعاء میں ایک بے نظیر گرجا "القلیس" بنوایا اور دوسری جانب ایک معمولی واقعہ کو حیلہ بنا کر کعبہ کی بربادی کا تہیہ کیا، نتیجہ جو کچھ ہوا مفصل مذکور ہو چکا۔ لیکن اس واقعہ میں اس جانب اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ عیسائیوں کو ہی اس بیت اللہ "کعبہ" کے ساتھ عداوت رہے گی اور وہ اپنے غیر متمدن اور متمدن ہر زمانہ میں اس کے خلاف اپنی عداوت کا اظہار کرتے رہیں گے اور ہمیشہ اس مرکزِ توحید کے درپے رہیں گے چنانچہ تاریخ ماضی اس کی شاہد ہے کہ جب کبھی نصاریٰ کو اس کا موقع میسر آیا انھوں نے عملاً اپنی عداوت کا اظہار کئے بغیر نہ چھوڑا اور اگرچہ خدائے تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ہمیشہ ان کے ارادوں کو ناکام رکھا مگر وہ بہرحال اپنے قلبی بغض و حسد کا ثبوت دیے بغیر نہیں رہے۔

(۶) "کعبہ" بیت اللہ یعنی "خدا کا گھر" کہلاتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ "العیاذ باللہ" اللہ تعالیٰ کسی گھر میں ساکن ہے یا وہ گھر کا محتاج ہے بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس نے اپنی خالص عبادت کی غرض سے اقطاع و امصار کے مسلمانوں اور سچے عبادت گذاروں کے لئے کعبہ کو مرکز و محور بنا دیا ہے اور یہ اس لئے کہ جب کہ خدائے تعالیٰ جہات سے وراء الورا اور پاک ہے اور انسان اپنے ہر کام میں جہات میں سے کسی جہت کا محتاج تو ازبس ضروری تھا کہ تمام کائنات کے پیروانِ توحید اور عبادت گذاران رب العالمین کی عبادت اور ان کی حیاتِ ملی و دینی کے لئے ایک مرکز ہو تا کہ انتشار اور تفرق و تشتت سے محفوظ رہیں اور وحدتِ اجتماعی کا سبق سیکھیں۔

لہذا اس کے لئے وہ مقدس عمارت "شعائر اللہ" قرار دی گئی جس کو معبد انبیاء و رسل ا

Marfat.com

(علیہ السلام) اور ان کے مقدس بیٹے اسمٰعیل (علیہ السلام) نے دنیا میں سب سے پہلے صرف خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا اور جو توحید کے اعلان کی سب سے پرانی یادگار ہے "وَمَن یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ" (جو لوگ اللہ کی نشانیوں کی عظمت کریں گے تو یہ ان کے دل کی پرہیزگاری کی دلیل ہے۔

پس کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کعبہ کی اس لئے عظمت کرے کہ وہ صنم ہے یا خود قابلِ پرستش ہے اس لئے کہ جو ایسا سمجھے گا وہ مسلمان نہیں بلکہ مشرک کہلائے گا۔ بلکہ اس کی حرمت صرف اس لئے ہے کہ وہ "شعائر اللہ" ہے اور مرکزِ توحید، چنانچہ اسی حقیقت کو ایک عارف باللہ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ع

قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ ط

Marfat.com

DATA ENTERED

قصص القرآن

جلد سوم

HISTORICAL RESEARCH INSTITUTE
165
PANJAB UNIVERSITY, LAHORE.

تالیف

مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی

رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

ندوۃ المصنفین دھلی

Marfat.com